دہشت گرد جاسوس

کشمیر کے شاہین

تاریک ڈراؤنی رات ہے۔

ایک ریل گاڑی رات کی تاریکی میں جہلم ڈومیلی کے جنگلاتی پہاڑی ٹیلوں میں سے گزر رہی ہے...... انجن کی ہیڈ لائٹ روشن ہے...... رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے...... پہاڑی ٹیلے، درخت اور جھاڑیاں اندھیرے کی چادر اوڑھے ساکت ہیں...... ایک پہاڑی موڑ کاٹتے ہوئے ٹرین کی رفتار آہستہ ہو جاتی ہے...... کمانڈو شیر خان انجن کے پائیدان پر کھڑا ہو جاتا ہے...... اس کے کندھے پر سٹین گن لٹک رہی ہے...... وہ ٹرین کے پچھلے ڈبوں کی طرف دیکھتا ہے...... اس کے ہاتھ میں چھوٹی ٹارچ ہے...... ایک خاص جگہ پر پہنچ کر وہ انجن کے ڈرائیور کو اشارہ کرتا ہے...... ڈرائیور اسی وقت انجن کی ہیڈ لائٹ بجھا دیتا ہے...... ٹرین کی رفتار اور دھیمی ہو گئی ہے...... ٹرین ایک خشک برساتی نالے کے اوپر سے گزرتی ہے تو کمانڈو شیر خان ٹارچ کا رُخ پچھلے ڈبوں کی طرف کر کے اسے تین بار جلاتا بجھاتا ہے اور فوراً انجن میں سے کود جاتا ہے...... وہ ڈھلان پر جھاڑیوں میں گرتا ہے اور اپنے آپ کو گیند کی طرح لڑھکاتا درختوں کے پاس جا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ٹرین کی طرف دیکھتا ہے...... ٹرین کی آخری بوگی گزر رہی ہے...... اس کے ایک ڈبے میں سے چھ کمانڈو ایک دوسرے کے پیچھے نیچے چھلانگیں لگاتے ہیں...... انجن ڈرائیور پیچھے دیکھ رہا ہے...... جب کمانڈو پارٹی ٹرین سے کود جاتی ہے تو ڈرائیور انجن کی ہیڈ لائٹ روشن کر کے ٹرین کی رفتار بڑھا دیتا ہے اور ٹرین آگے نکل جاتی ہے۔

کمانڈو شیر خان ایک درخت کی آڑ لئے اس طرف اندھیرے میں دیکھ رہا ہے جس طرف اس کی پارٹی کے کمانڈو ٹرین سے کودے تھے...... وہ چھوٹی ٹارچ کو ایک بار روشن کرتا ہے...... چھ کے چھ کمانڈو اندھیرے میں جھک کر چلتے، سٹین گنیں آگے کئے اپنے پارٹی کمانڈر کمانڈو شیر خان کے پاس آجاتے ہیں...... شیر خان انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے چلنے لگتا ہے...... درختوں میں ایک جگہ پہنچ کر وہ پنجوں کے بل بیٹھ جاتا ہے...... کمانڈو پارٹی کے مجاہد بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

پارٹی کمانڈر کمانڈو شیر خان ان سے مخاطب ہو کر دھیمی مگر پرجوش آواز میں کہتا ہے۔

”ہم اسلام اور اپنے وطن کے جانباز کمانڈو ہیں...... تم کو معلوم ہے کہ دشمن ہمارے ملک میں اپنے دہشت گرد بھیج کر بموں کے دھماکے کرتا ہے اور بے گناہ عورتوں، بچوں، مردوں کو قتل کرتا ہے تاکہ پاکستان میں خوف و ہراس پھیلے...... افراتفری پھیلے...... لوگ اطمینان سے کاروبار نہ کر سکیں اور ہمارا ملک ترقی نہ کر سکے۔

ہماری ڈیوٹی اپنے ملک کو دشمن کے ان دہشت گردوں سے پاک کرنا ہے...... انہیں ختم کرنا ہے...... ہمارا نعرہ ہے ملک سے دہشت گردی اور جرائم کا خاتمہ...... تاکہ لوگ یہاں آرام چین کی زندگی بسر کر سکیں اور ہمارا ملک ترقی کرے۔“

کمانڈو شیر خان ایک سیکنڈ کے لئے رُک گیا...... اس نے اپنے اِرد گرد اندھیرے میں ڈوبے ہوئے درختوں، جھاڑیوں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔

”تم کو معلوم ہے کہ اس وقت ہم دہشت گردی کے خاتمے کے ایک خطرناک مشن پر جا رہے ہیں...... ہم کو رپورٹ ملی ہے کہ بھارت کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کی ایک پارٹی اس جنگل میں چھپی ہوئی ہے...... ہم انہیں نیست و نابود کرنے جا رہے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ ہماری زندگیاں اس مشن میں کام آجائیں، لیکن ہمیں اس کی پروا نہیں...... ہم نے اپنی زندگیاں اپنے ملک اور اللہ کے حوالے کر دی ہوئی

ہیں...... زندہ رہے تو ٹھیک ہے...... مر گئے تو خدا ہمیں شہادت کا رتبہ عطا کرے گا“۔

کمانڈو شیر خان نے اندھیرے میں اپنی گھڑی کی چمکتی ہوئی سوئیوں کو ایک نظر دیکھ کر کہا۔

”ابھی تھوڑی دیر میں چاند نکل آئے گا...... اس کی روشنی بڑی پھیکی ہو گی لیکن ہمیں اس روشنی میں اپنا ٹارگٹ نظر آجائے گا...... تم سب کو ٹارگٹ معلوم ہے...... اللہ کا نام لے کر چل پڑو...... آپس میں بول چال بالکل بند...... کھانسی آئے...... چھینک آئے تو منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے دبا دو...... تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے...... چھ فٹ کا فاصلہ رکھ کر نصف دائرے میں سنگل لائن...... ایڈوانس!“۔

شیر خان سٹین گن کو پوزیشن میں لے کر آگے چلنے لگا...... اس کے پیچھے کمانڈو پارٹی چل پڑی...... انہوں نے ایک دوسرے کے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ ڈال کر اپنے آپ کو نصف دائرے میں پھیلا لیا تھا اور سٹین گنوں کا رُخ آگے کئے پارٹی کمانڈر کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے...... جنگل میں کچھ دور اندھیرے میں چلنے کے بعد مغرب کی جانب زرد چاند ایک ٹیلے کے عقب سے اُبھرتا ہے...... چاروں طرف اس کی دُھندلی دُھندلی پھیکی روشنی پھیل جاتی ہے۔

پھیکی چاندنی میں دور درختوں کے درمیان ایک مکان نظر آتا ہے...... شیر خان رُک کر اپنی کمانڈو پارٹی کو وہ مکان اشارے سے دکھاتا ہے اور اپنے بازوؤں سے کراس کا نشان بناتا ہے...... یہ اشارہ پا کر تین کمانڈو ایک جانب سے اور تین کمانڈو دوسری جانب سے جھک کر آگے بڑھتے ہیں...... شیر خان پہلو کی جانب سے ہو کر ٹارگٹ کی طرف بڑھتا ہے...... چھ کے چھ کمانڈو مجاہدوں نے اپنے اپنے کمانڈو چاقو نکال کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لئے ہیں...... انہیں کچھ فاصلے پر پھیکی چاندنی میں تین دہشت گرد سٹین گنیں اٹھائے پہرہ دیتے نظر آتے ہیں...... وہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو کر اپنے خفیہ ٹھکانے یعنی درختوں کے درمیان جو ویران مکان کھڑا ہے اس کے گرد پہرہ دے رہے

ہیں۔

انہیں دیکھ کر تین کمانڈو جھک کر چلتے مکان کے عقب کی طرف چلے جاتے ہیں...... باقی کے تین کمانڈو پہرہ دیتے دہشت گردوں کی طرف بڑھتے ہیں...... انہوں نے ایک دوسرے کو خفیہ اشارے سے بتادیا ہے کہ کون کس دہشت گرد پر حملہ کرے گا...... ایک دہشت گرد ہاتھ میں سٹین گن لئے ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہے...... ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہے...... دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے پر بھی گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے...... دہشت گرد دو تین سیکنڈ درخت کے پاس کھڑا رہتا ہے...... پھر آہستہ سے ٹہلنے لگتا ہے...... ایک کمانڈو مجاہد اس کے عقب میں پہنچ چکا ہے اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھا دہشت گرد کی نقل و حرکت نوٹ کر رہا ہے...... دہشت گرد چند قدم چل کر رک جاتا ہے...... اس کے قریب ہی ایک کٹا ہوا درخت پڑا ہے...... وہ اس پر بیٹھ جاتا ہے...... کمانڈو مجاہد کی آنکھیں دھندلی چاندنی میں دہشت گرد پر جمی ہوئی ہیں...... وہ آواز پیدا کئے بغیر بھوکے شیر کی طرح دبے پاؤں ایک ایک انچ آگے بڑھتا ہے...... کھلا ہوا چاقو اس کے ہاتھ میں ہے...... وہ جھاڑیوں کے ساتھ جھکا ہوا ہے۔

دہشت گرد کو اپنے پیچھے آہٹ سی سنائی دیتی ہے...... یہ اس دہشت گرد کی زندگی کی آخری آواز تھی جو اس کو سنائی دی تھی...... جیسے ہی دہشت گرد نے پیچھے مڑ کر دیکھا کمانڈو نے اس کی گردن اپنے بازو کے شکنجے میں جکڑی اور بجلی کی تیزی کے ساتھ چاقو گردن پر پھیر کر اس کی شہ رگ کاٹ دی اور اسے پرے پھینک دیا...... بھارتی دہشت گرد کی گردن سے خون فوارے کی طرح نکلنے لگا اور وہ تڑپ کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا...... کمانڈو تیزی سے پیچھے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر دوسرا بھارتی دہشت گرد درختوں کے نیچے آہستہ آہستہ چل کر پہرہ دے رہا تھا...... اس نے سٹین گن کندھے سے لٹکائی ہوئی تھی...... ٹہلتے ٹہلتے وہ کبھی رُک کر اوپر درختوں کی طرف دیکھتا...... کبھی اپنے اِرد گرد پھیلی

چاندنی میں نظر ڈالتا تھا...... اپنا ایک کمانڈو جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر اس کی نقل و حرکت کی بڑے غور سے نگرانی کر رہا تھا...... کھلا ہوا کمانڈو چاقو اس کے سیدھے ہاتھ میں تھا...... اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ بھارتی دہشت گرد کتنے قدم چلتا ہے اور کہاں پہنچ کر کتنی دیر رکتا ہے اور پھر وہاں سے پلٹ کر کس جگہ آکر ٹھہر جاتا ہے...... اپنے کمانڈو سے بھارتی دہشت گرد کا فاصلہ پچیس فٹ کے قریب تھا...... وہ گھٹنوں کے بل ہو گیا اور جس طرح جنگلی چیتا اپنے شکار پر مسلسل نظریں جمائے اس کی طرف بڑھتا ہے اپنے کمانڈو نے بھی بھارتی دہشت گرد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا...... وہاں چاندنی نہیں تھی...... اوپر درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا...... وہ اپنے جسم کو پوری طرح سے سمیٹے اتنی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ جھاڑیوں کو بھی پتہ نہیں چل رہا تھا، اس کا اور بھارتی دہشت گرد کا درمیانی فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا...... کمانڈو مجاہد اچانک رک کر زمین کے ساتھ لگ گیا...... بھارتی دہشت گرد چند قدم چلنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔

اب اسے ایک جگہ پہنچ کر رک جانا تھا...... اپنے کمانڈو نے سانس روک لیا اور زمین پر پیٹ کے بل لیٹے لیٹے اپنے گھٹنے آہستہ آہستہ آگے کو سرکائے اور ایک دم چھلانگ لگانے کی پوزیشن میں آ گیا...... دہشت گرد جس درخت کے پاس آکر رکتا تھا اس درخت کے پاس آکر رُک گیا تھا...... اب اس کی پیٹھ اپنے کمانڈو کی طرف تھی، مگر فاصلہ زیادہ تھا...... بھارتی دہشت گرد نے اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور اسے چہرے کے قریب لا کر غور سے دیکھنے لگا...... کمانڈو اس دوران جھاڑیوں میں گھٹنوں اور کہنیوں کے ذریعے سرکتا ہوا اس کے اتنا قریب آ گیا تھا کہ جہاں سے وہ اپنے شکار پر جھپٹ سکتا تھا...... دہشت گرد نے جو چیز جیب سے نکالی تھی اسے واپس جیب میں رکھا اور چل پڑا۔

مگر اب کمانڈو اسے مزید مہلت دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا...... دہشت گرد کا بھی وقت پورا ہو چکا تھا...... دوسرے ہی لمحے ایک بجلی سی جیسے چمک جاتی ہے کمانڈو نے

اچھل کر سب سے پہلے دہشت گرد کی گردن اپنے شکنجے میں جکڑی تاکہ وہ کوئی آواز پیدا نہ کرسکے اور سیدھے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو سامنے سے اس کے دل میں اوپر تلے چار مرتبہ گھونپ دیا...... پانچ سیکنڈ تک کمانڈو نے دہشت گرد کو اسی طرح جکڑے رکھا...... جب اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا تو اسے آہستہ سے زمین پر گرادیا...... یہ بھارتی دہشت گرد بھی اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ چکا تھا...... کمانڈو اس ایکشن کے بعد تیزی سے ایک طرف غائب ہو گیا۔

پہرہ دینے والا تیسرا دہشت گرد جہاں آہستہ آہستہ ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا وہاں اندھیرا تھا...... درختوں کی وجہ سے وہاں چاند کی پھیکی روشنی بھی نہیں آ رہی تھی...... یہ دہشت گرد سگریٹ پی رہا تھا اور کسی کسی وقت گنگنانے لگتا تھا...... اندھیرے میں اس کا سایہ حرکت کرتا برابر دکھائی دے رہا تھا...... اپنے تیسرے کمانڈو نے اس سائے پر نظر جمائی ہوئی تھی...... اس کی آنکھوں کی پتلیاں اسی سائے کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں، جس طرف دہشت گرد کا سایہ حرکت کر رہا تھا اس طرف اپنے کمانڈو کا سایہ بھی حرکت کر رہا تھا...... دہشت گرد کا سایہ ساکت ہو جاتا تو کمانڈو کا سایہ بھی وہیں ساکت ہو جاتا...... اندھیرا کمانڈو کی مدد کر رہا تھا...... اچانک دہشت گرد ایک جگہ رک کر سگریٹ پینے لگا...... تاریکی میں اس کے سگریٹ کا آگ والا سرا چمک اٹھتا تھا...... یہی کمانڈو کا ٹارگٹ تھا...... دہشت گرد مکان کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا...... ادھر اپنے باقی کے کمانڈو گئے ہوئے تھے...... شاید اس طرف سے دہشت گرد کو کوئی آہٹ سنائی دی تھی...... تیسرا کمانڈو چوکنا ہو گیا...... یہ بات خطرناک ثابت ہو سکتی تھی...... اگر وہ کسی کو آواز دیتا ہے تو ان کا آپریشن ناکام ہو سکتا تھا...... کمانڈو پارٹی کو خاموشی اور رازداری سے دہشت گردوں کے سر پر پہنچ کر انہیں فرار ہونے سے پہلے ہلاک کرنا تھا۔

دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کی جانب سے ایسی آواز آئی جیسے کسی نے

درخت کی ٹہنی توڑی ہو...... یہ آواز اپنے کمانڈو نے بھی سنی...... دہشت گرد نے یہ آواز سنتے ہی سگریٹ پھینکا اور سٹین گن سنبھال کر مکان کی طرف بڑھا...... اب اپنا کمانڈو رک نہیں سکتا تھا...... جیسے ہی دہشت گرد نے قدم اٹھایا...... کمانڈو نے پیچھے سے اس کے اوپر چھلانگ لگا دی...... کمانڈو ٹریننگ سینٹر میں انہیں صرف دشمن کے اوپر چھلانگ لگانے کی تربیت نہیں دی گئی تھی...... انہیں جس بات کی ٹریننگ دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دشمن پر چھلانگ اسے گرانے کے لئے نہیں لگائی بلکہ اس کی گردن کی ہڈی توڑنے کے لئے لگائی ہے تاکہ وہ کوئی آواز پیدا نہ کر سکے...... اپنے کمانڈو نے عین ٹریننگ کے مطابق یہ ایکشن کیا تھا...... اس نے حقیقت میں بھارتی دہشت گرد پر نہیں بلکہ اس کی گردن پر چھلانگ لگائی تھی...... دہشت گرد جھاڑی پر منہ کے بل گرا...... وہ آواز نکالنا چاہتا تھا، لیکن آواز کے نکلنے سے پہلے ہی اس کی گردن کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ چکی تھی۔

اپنا کمانڈو دہشت گرد کے ساتھ ہی جھاڑی پر گرا تھا، مگر وہ اٹھا نہیں، اسی طرح دہشت گرد کے اوپر جھاڑی پر پڑا رہا...... اسے بہت جلد احساس ہو گیا کہ وہ زندہ نہیں بلکہ کسی مردہ دہشت گرد کے اوپر پڑا ہے...... دہشت گرد مر چکا تھا...... اپنے کمانڈو کے بازو کا آہنی شکنجہ ابھی تک دہشت گرد کی گردن میں تھا...... اس وقت پھیکی چاندنی والے سنسان جنگل کی رات کی فضا میں ایک پرندے کی مدھم سی آواز بلند ہو کر غائب ہو گئی...... یہ اس کے پارٹی کمانڈر شیر خان کا سگنل تھا کہ دیر کیوں کر رہے ہو...... فوراً ٹارگٹ کے عقبی سپاٹ پر پہنچو...... تیسرے کمانڈو نے اپنا بازو مردہ دہشت گرد کی گردن سے نکالا...... سٹین گن اٹھائی اور جھک جھک کر تیزی سے دوڑتا ہوا درختوں کی ایک خاص سمت کو غائب ہو گیا۔

اس دوران شیر خان اور پارٹی کے باقی کمانڈو دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے والے مکان کی عقبی دیوار سے پچاس فٹ کے فاصلے پر ایک گنجان درخت کے نیچے پہنچ

چکے تھے...... یہ کمانڈو پارٹی اپنے کمانڈر شیر خان کے پیچھے ٹارگٹ کی طرف بڑھی...... وہ ایک قوس بنا کر ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہے تھے...... چاند مغربی اُفق پر تھوڑا اوپر تک آنے کے بعد غروب ہونا شروع ہو گیا تھا...... وہ درختوں کے پیچھے ہو گیا تھا اور اس کی پھیکی چاندنی اور زیادہ دھندلی ہو گئی تھی...... ساتوں کمانڈو اس جگہ پر آ گئے جہاں درختوں کی آخری قطار تھی...... اس کے آگے تھوڑی سی کھلی جگہ تھی جہاں وہ کوارٹر نما شکستہ سا مکان تھا جس کے اندر ان کی اطلاع کے مطابق بھارتی دہشت گرد چھپے ہوئے تھے...... جیسے ہی کمانڈر شیر خان آخری درخت کے قریب پہنچا کوارٹر نما مکان کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا اور ایک دہشت گرد باہر نکلا۔

شیر خان نے رک کر ہاتھ کا اشارہ کیا...... باقی کمانڈو بھی وہیں رک گئے...... باہر نکلنے والا دہشت گرد جیسے ہی تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر آیا، اندر سے روشنی نظر آنے لگی...... یہ بجلی کی نہیں بلکہ لالٹین کی روشنی لگتی تھی...... دہشت گرد کے ہاتھ میں گلاس تھا...... اس نے دروازہ بند کر دیا اور سامنے والے درختوں کی طرف منہ کر کے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی...... جب سیٹی کی آواز پر کوئی نہ آیا تو اس نے آہستہ سے آواز دی۔

"گنگا رام! چائے لے جاؤ اوئے"۔

وہ اپنے اس دہشت گرد ساتھی کو آواز دے رہا تھا جسے ہمارا ایک کمانڈو موت کی نیند سلا چکا تھا...... جب گنگا رام نے بھی کوئی جواب نہ دیا تو مکان سے باہر نکلنے والے دہشت گرد نے ذرا بلند آواز سے دوسرے دہشت گرد کو آواز دی۔

"اوئے رگھوناتھ! بشمبر داس! اوئے سو مر گئے ہو؟"۔

اس پر بھی جب گنگا رام...... رگھوناتھ اور بشمبر داس نے کوئی جواب نہ دیا تو اسے کچھ شک سا پڑ گیا...... اس نے فوراً چائے کا گلاس ایک طرف پھینک کر سٹین گن سنبھالی اور پوزیشن بنا کر درختوں کی طرف بڑھا...... اس دہشت گرد سے پہلے نمٹنا ضروری

ہو گیا تھا...... شیر خان نے اپنے ایک کمانڈو ساتھی کو اشارہ کیا...... کمانڈو نے اپنی جیکٹ کی سامنے والی جیب سے سائی لینسر چڑھی ہوئی پستول نکالی اور اندھیرے میں سٹین گن پکڑے درختوں کی طرف جاتے دہشت گرد کے موونگ یعنی حرکت کرتے ٹارگٹ کو نشانے میں لے کر فائر کر دیا۔

پستول پر چڑھے ہوئے سائی لنیسر کی وجہ سے فائر کا دھماکہ نہ ہوا...... موونگ ٹارگٹ گر پڑا...... یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کمانڈو شیر خان موونگ یعنی حرکت کرتے ٹارگٹ پر فائر کرے اور گولی ٹارگٹ پر نہ لگے...... جیسے ہی دہشت گرد زمین پر گرا...... کمانڈر شیر خان نے خفیہ ٹھکانے پر اٹیک کا اشارہ کیا اور سب سے پہلے خود دوڑتا ہوا مکان کے دروازے کے پاس آیا...... اس نے زور سے لات مار کر دروازہ چوپٹ کھول دیا...... اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اندر گھس کر اندھادھند سٹین گن کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے...... باقی کے کمانڈو بھی کمرے میں گھس چکے تھے اور جلتی ہوئی لالٹین کی روشنی میں زمین پر بچھی ہوئی دری پر بیٹھے دہشت گردوں پر سٹین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کر رہے تھے...... صرف چھ سات سیکنڈ کے اندر اندر بھارتی دہشت گردوں کی خون میں نہائی ہوئی لاشیں ایک دوسرے کے اوپر پڑی سسک اور تڑپ رہی تھیں...... تین کمانڈو دوڑ کر دروازے کے باہر گئے اور پوزیشنیں سنبھال لیں کہ فائرنگ کی آواز پر ان کے ساتھی کسی طرف سے نکل کر نہ آ جائیں۔

شیر خان نے جھک کر دیکھا...... دری پر ایک رجسٹر کے سائز کا مومی کاغذ پڑا ہوا تھا...... اس پر نیلی اور سرخ لکیروں اور دائروں میں نقشہ بنا ہوا تھا...... ظاہر ہے یہ ان جگہوں کا نقشہ تھا جہاں ان دہشت گردوں نے بموں کے دھماکے کرنے تھے اور دوسری تخریبی کارروائیاں کرنی تھیں...... شیر خان نے وہ نقشہ تہہ کر کے کمانڈو دلدار خان کو دیا اور کہا۔

"یہ نقشہ تم کمانڈنگ افسر صاحب کو پیش کرو گے"۔

اس کمرے یا کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی...... چارپائی اٹھا کر پرے پھینک دی گئی...... اس کے نیچے بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود کا ذخیرہ اور سات کلاشن کوفیں اور ان کے میگزین پڑے تھے...... کمانڈو شیر خان نے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دی۔

"میاں خان...... دلدار احمد...... باہر پڑی ہوئی لاشوں کو گھسیٹ کر اندر لے آؤ...... جلدی"۔

یہ ان دہشت گردوں کی لاشیں تھیں جنہیں اپنے کمانڈوز نے ایکشن شروع ہونے سے پہلے ہلاک کیا تھا...... شیر خان نے اپنے نائب کمانڈو گل خان سے کہا۔

"لاشوں کو چیک کرو...... اگر کوئی ابھی زندہ ہے تو اس کے سر میں شوٹ کرو"۔

کمانڈو میاں خان اور کمانڈو دلدار احمد درختوں کے نیچے الگ الگ پڑی ہوئی دہشت گردوں کی لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے کوٹھڑی کے اندر لے آئے...... گل خان نے کوٹھڑی کے اندر والی دہشت گردوں کی لاشوں کو چیک کرنے کے بعد شیر خان کو رپورٹ کی۔

"سر! دشمن کا کوئی آدمی زندہ نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے...... کوٹھڑی کو بند کر کے اپنا تالا لگاؤ لالٹین کو بجھا دو"۔

لالٹین اسی وقت بجھا دی گئی...... کمانڈو پارٹی کوٹھڑی سے باہر آگئی...... کمانڈو گل خان نے کوٹھڑی کو تالا لگا دیا...... شیر خان نے کمانڈو دلدار خان سے کہا۔

"دلدار خان! تم دن نکلنے سے پہلے پہلے ٹرک لے کر آؤ گے اور اسلحہ اور لاشیں اس میں ڈال کر ٹرک کو اچھی طرح سے ڈھک کر ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرو گے"۔

"ٹھیک ہے سر!" دلدار خان نے کہا۔

کمانڈو شیر خان نے سٹین گن والا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

"ہمارا مشن اللہ کے فضل سے مکمل ہو گیا ہے...... واپس ہیڈ کوارٹر کی طرف

چلو"۔

شیر خان کی کمانڈ میں یہ کمانڈو پارٹی پچھلی رات کی تاریکی میں ترکئی ڈومیلی کے جنگل سے نکل کر ایک قصبے میں پہنچی جہاں ایک چاروں طرف سے بند غیر فوجی ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ڈرائیور ان کا انتظار کر رہا تھا...... کمانڈو پارٹی وہاں پہنچتے ہی ٹرک میں سوار ہوئی اور ٹرک رات کے اندھیرے میں ایک طرف روانہ ہو گیا...... ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ وہ کون سا قصبہ تھا اور ٹرک کس شہر کی طرف روانہ ہوا، کیونکہ مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ان جگہوں کو صیغہ راز میں رکھیں۔

دن کافی نکل چکا تھا جب کمانڈو شیر خان اپنے نائب گل خان کے ساتھ ایک پرانی عمارت کے سادہ سے کمرے میں پہنچا جہاں ان کا کمانڈنگ آفیسر ان کا انتظار کر رہا تھا...... ہم اس کمانڈنگ آفیسر کا نام بھی نہیں لکھیں گے...... آپ انہیں سی او کہہ سکتے ہیں...... جیسے ہی کمانڈو شیر خان اپنے نائب کمانڈو گل خان کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا اور انہوں نے السلام و علیکم کہا...... سی او نے اپنے سامنے میز پر پڑے ہوئے مومی کاغذ پر بنے ہوئے نقشے پر سے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا اور اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا اور کہا۔

"مبارک ہو مجاہدو! تمہارا مشن کامیاب رہا...... بیٹھو"۔

شیر خان اور گل خان کرسیوں پر بیٹھ گئے، سی او نے نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"اس نقشے سے ہمیں ان جگہوں کا علم ہو گیا ہے جنہیں دہشت گرد اپنا نشانہ بنانے والے تھے...... ہم نے وہاں سکیورٹی کا پورا بندوبست کر لیا ہے...... جو اسلحہ ہمیں ہائیڈ آؤٹ سے ملا ہے وہ اسرائیل کی آرڈیننس فیکٹری کا بنا ہوا ہے...... یہ اسلحہ اسرائیلی حکومت نے بھارت کو سپلائی کیا ہے...... باقی باتیں کل ہوں گی...... ابھی تم لوگ جا کر آرام کرو"۔

کمانڈو شیر خان اور کمانڈو گل خان السلام و علیکم کہہ کر سی او کے کمرے سے باہر

نکل آئے...... وہاں سے وہ واپس اپنے اپنے کوارٹر میں آگئے...... کھانا کھانے کے بعد وہ سو گئے اور شام کو بیدار ہوئے...... رات کے کھانے کے بعد کمانڈو گل خان جو شیر خان کا نائب تھا شیر خان کے کوارٹر والے کمرے میں آگیا...... اس نے دیکھا کہ کمرے کی بتی جل رہی تھی اور کمانڈو شیر خان چارپائی پر نیم دراز دیوار سے ٹیک لگائے ایک البم دیکھ رہا تھا...... شیر خان البم میں لگی ہوئی ایک فوٹو دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ اس نے گل خان کی طرف کوئی توجہ نہ دی...... گل خان شیر خان کا نائب بھی تھا اور اس کا دوست بھی تھا...... وہ خاموشی سے چارپائی کے ساتھ لگی ہوئی چھوٹی میز کے پاس آرام کرسی پر بیٹھ گیا...... کچھ دیر کے بعد شیر خان نے نگاہیں اٹھا کر گل خان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم نے مجھ سے کئی بار سوال کیا تھا کہ میں جو ملک کی ایک مشہور فرم میں اتنے اچھے عہدے پر ملازم تھا اور ایک ماہ بعد میری ترقی بھی ہونے والی تھی، ایک دم سب کچھ چھوڑ کر ملک میں جرائم اور دہشت گردی کے خلاف جہاد کرنے والی تنظیم کے کمانڈو ٹریننگ سینٹر میں کیوں آگیا...... میں نے تمہیں کبھی اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا...... آج میرا جی چاہتا ہے کہ تمہیں بتادوں کہ یہ انقلاب میرے اندر کیسے آیا اور میں نے اتنی اچھی ملازمت چھوڑ کر اس کمانڈو تنظیم میں شرکت کیوں کی"۔

شیر خان نے البم میں سے ایک فوٹو نکال کر گل خان کو دکھائی...... اس فوٹو میں ایک خوش شکل خاتون ڈھائی تین سال کے لڑکے کو اپنے ساتھ لگائے مسکرا رہی تھی...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ میری بیوی عارفہ اور میرے اکلوتے بیٹے عامر کی فوٹو ہے...... میری شادی کو ساڑھے تین سال ہوئے تھے...... ہم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے...... اللہ نے ہمیں عامر کی شکل میں ایک پیارا سا لڑکا عطا کیا تو ہماری محبت کے رشتے اور گہرے ہو گئے...... مجھے یاد ہے جب کبھی مجھے ملازمت کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر جانا پڑتا تھا تو میری بیوی عارفہ خط میں لکھتی تھی...... شیری! تم گھر میں

نہیں ہوتے تو گھر کی ایک ایک چیز مجھے تمہاری یاد دلاتی ہے...... عامر بار بار مجھ سے پوچھتا ہے...... ڈیڈی کہاں ہیں ماما...... ڈیڈی کو بلاؤ میں ڈیڈی کے پاس جاؤں گا...... وہ تمہیں بہت یاد کرتا ہے...... میں اسے اِدھر اُدھر کی باتوں سے بہلانے کی کوشش کرتی رہتی ہوں...... وہ دن کب آئے گا جب تم گھر میں داخل ہو گے اور میں تمہارا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھوں گی اور تم عامر کو گود میں اٹھا کر پیار کرو گے"۔

کمانڈو شیر خان نے گہرا سانس لیا اور خاموش ہو گیا...... گل خان اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا شیر خان کا فیملی فوٹو دیکھ رہا تھا...... شیر خان کہنے لگا۔

"اس روز ہمارے بیٹے عامر کی سالگرہ تھی...... کمرہ مہمانوں سے بھرا ہوا تھا...... رنگ برنگ جھنڈیاں اور غبارے لگے تھے...... میرے بیٹے عامر نے بڑے خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے تھے...... اسے ڈھیر سارے تحفے ملے تھے...... عامر کو کھلونا مشین گن بڑی پسند تھی...... میں نے اسے کھلونا مشین گن کا ہی تحفہ دیا تھا...... وہ اپنی دادی کی گود میں بیٹھا مسکرا رہا تھا...... سارا گھر روشنیوں میں جگ مگ کر رہا تھا...... عارفہ نے بھی خوبصورت کپڑے پہن رکھے تھے وہ مہمان عورتوں سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی...... میز پر کیک پڑا تھا جس پر ننھی ننھی موم بتیاں روشن تھیں...... پھر عارفہ نے بیٹے عامر کو گودی میں اٹھایا اور کیک کے پاس لے جا کر کہا...... عامر بیٹا! پھونک مار کر موم بتیاں بجھاؤ...... عامر نے آہستہ سے پھونک ماری...... صرف ایک موم بتی بجھی...... باقی کی موم بتیاں عارفہ نے بجھادیں...... سب نے تالیاں بجا کر سالگرہ کی مبارکباد دی۔

پپی برتھ ڈے ٹو یو...... مہمانوں میں کیک کاٹ کر تقسیم کیا گیا...... چائے آگئی...... ننھا عامر دادی کی گودی میں بیٹھا کھلونا مشین گن کا ٹریگر بار بار دبانے لگا...... مشین گن کی نالی میں سے تڑ تڑ کی آواز کے ساتھ شرارے سے نکلتے جنہیں دیکھ کر عامر بہت خوش ہوتا...... سالگرہ کی تقریب رات گئے تک جاری رہی...... پھر ایک ایک

کر کے سارے مہمان سالگرہ کی مبارکیں دیتے رخصت ہو گئے...... میں، میری والدہ اور عارفہ بیٹے عامر کو لے کر اپنے بیڈروم میں آ گئے...... بیٹا عامر بار بار کھولنا مشین گن کو چلا رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا...... پھر اچانک کھولنا مشین گن بند ہو گئی...... بیٹا عامر رونے لگا...... ڈیڈی! یہ خراب ہے...... ڈیڈی! یہ خراب ہے" عارفہ نے کہا...... لاؤ مجھے دکھاؤ...... اس نے بھی چلانے کی کوشش کی مگر کھلونا مشین گن نہ چلی...... پھر میں نے اسے چیک کیا...... معلوم ہوا کہ اس کے سیل پرانے تھے جواب کام نہیں کر رہے...... میں نے کہا...... میں ابھی مارکیٹ میں جا کر نئے سیل خرید کر لاتا ہوں...... اس وقت باہر آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور ہلکی ہلکی بجلی بھی چمکنے لگی تھی جس کی چمک بیڈروم کی کھڑکی میں سے نظر آ جاتی تھی...... والدہ اور عارفہ نے مجھے روکا کہ اتنی رات ہو گئی ہے...... بارش بھی آنے والی ہے...... میں نہ جاؤں...... صبح سیل آ جائیں گے، لیکن مجھے اپنے بیٹے کی خوشی منظور تھی جو کھلونا مشین گن کے نہ چلنے سے اداس ہو گیا تھا...... میں اس کی سالگرہ کے دن اسے اداس نہیں دیکھ سکتا تھا...... میں نے عارفہ سے کہا...... چوک والا سٹور کھلا ہو گا...... میں ابھی سیل لے کر آ جاؤں گا اور میں سب کے منع کرنے کے باوجود مکان سے باہر نکل آیا...... باہر بجلی کسی وقت ضرور چمک رہی تھی مگر بارش نہیں ہو رہی تھی...... مجھے کیا معلوم تھا کہ اس رات مجھ پر کتنی بڑی قیامت گزرنے والی ہے"۔

اس کے بعد المناک داستان ہم آپ کو سناتے ہیں...... شیر خان اپنے مکان سے نکل کر تیز تیز قدموں سے مارکیٹ کی طرف چل پڑا...... رات کے گیارہ بجے کا وقت ہو گا...... بجلی چمک رہی تھی...... بادلوں کی ہلکی ہلکی گرج بھی سنائی دینے لگی تھی...... شہر کی سڑک سنسان پڑی تھی...... دور کچھ فاصلے پر مارکیٹ کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں...... شیر خان اسی مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا...... عین اس وقت شیر خان کے مکان کی کھڑکی کے پاس چار بھارتی دہشت گرد نمودار ہوئے...... انہوں نے سیاہ

چادروں میں اپنے منہ سر چھپا رکھے تھے...... ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں...... بجلی چمک چمک کر ان کے خوفناک چہروں کو دکھا رہی تھی، مگر وہاں رات کے سناٹے میں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا...... ایک دہشت گرد کھڑکی کے شیشے کے قریب منہ لے جا کر اندر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے...... کھڑکی کے اندر کی جانب پردہ لٹک رہا تھا، لیکن درمیان میں تھوڑی سی جگہ خالی ہے جہاں سے اندر کا منظر دکھائی دے رہا ہے...... کمرہ خالی ہے...... اس وقت بیڈروم میں شیر خان کی والدہ صوفے پر بیٹھی تحفے میں ملے ہوئے ڈبوں کو کھول کر دیکھ رہی ہے...... شیر خان کی بیوی عارفہ پلنگ پر بیٹے عامر کے پاس بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی ہے...... عامر کھلونا مشین گن کو چلانے کی بار بار ناکام کوشش کر رہا ہے...... عارفہ کچھ کچھ پریشان ہے...... باہر بادلوں کی ہلکی گرج سنائی دیتی ہے...... شیر خان کی والدہ پریشان ہو کر کہتی ہے۔

"خدا خیر کرے...... شیر بیٹے کو اس وقت باہر نہیں جانا چاہئے تھا"۔

عارفہ پریشان سی ہو کر کہتی ہے۔

"میں نے تو انہیں منع بھی کیا تھا، مگر عامر ضد کرنے لگا"۔

اس وقت چاروں دہشت گرد ایک ایک کر کے کھڑکی میں سے کود کر بیڈروم کے ساتھ والے کمرے میں آ چکے تھے...... دوسرے کمرے سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آتی ہے...... شیر خان کی والدہ نے گھبرا کر کہا۔

"یا اللہ! یہ کیسی آواز تھی؟"۔

ابھی یہ جملہ اس بوڑھی خاتون کی زبان پر ہی تھا کہ بیڈروم کا بند دروازہ دھڑاک سے کھلا اور چاروں دہشت گرد اندھا دھند کلاشن کوفوں کے برسٹ فائر کرتے بیڈروم میں داخل ہو گئے...... ایک لائن میں کھڑے ہو کر انہوں نے شیر خان کی بوڑھی والدہ، اس کی بیوی عارفہ اور بیٹے عامر پر گولیاں برسانی شروع کر دیں...... چند سیکنڈ کے اندر اندر بیڈروم میں خون میں نہائی ہوئی تین لاشیں پڑی تھیں...... اس کے فوراً بعد

چاروں دہشت گرد جس طرف سے آئے تھے اسی طرف فرار ہو جاتے ہیں...... بیڈ روم میں موت کا سناٹا طاری ہو جاتا ہے...... شیر خان کی والدہ کی لاش صوفے پر پڑی ہے...... عارفہ کی خون میں لت پت لاش پلنگ پر اپنے بیٹے عامر کو سینے سے لگائے بے حس و حرکت پڑی ہے...... جیسے ہی دہشت گردوں نے فائرنگ شروع کی تھی عارفہ نے چیخ مار کر عامر کو اپنے سینے سے لگالیا تھا...... عامر کا جسم اپنی ماں کے جسم کے ساتھ ہی گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا۔

صرف بجلی چمک رہی ہے...... بادل گرج رہے ہیں۔

اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی...... مکان کے صدر دروازے پر شیر خان نمودار ہوتا ہے...... اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا لفافہ ہے جس میں کھلونا مشین گن کے نئے سیل پڑے ہوئے ہیں...... اسے کوئی خبر نہیں کہ اس کے خاندان پر کیا قیامت گزر گئی ہے...... وہ دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے پکار کر کہتا ہے۔

"بیٹا عامر! میں تمہارے سیل لے آیا ہوں"۔

وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا...... اس کو عجیب قسم کی خاموشی کا احساس ہوا...... اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھول دیا...... اندر اسے جو خونیں منظر نظر آیا اس نے شیر خان پر سکتہ طاری کر دیا...... دو سیکنڈ کے لئے وہ جیسے بالکل پتھر ہو گیا...... پھر پلاسٹک کا لفافہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ چیخ مار کر والدہ کی لاش کی طرف بڑھا...... پھر پاگلوں کی طرح پلنگ پر عارفہ اور اپنے بیٹے کی خون میں نہائی ہوئی لاشوں کے پاس آکر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا...... اس کی بیوی عارفہ مر چکی تھی...... اس کی والدہ مر چکی تھی...... اس نے بیٹے کی لاش کو اپنے سینے سے لگالیا اور پاگلوں کی طرح رونے اور بیٹے کو آوازیں دینے لگا...... اچانک اس کے بیٹے کے حلق سے ہچکی کی سی آواز نکلی...... شیر خان کو کوئی ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور جہاں ہے وہاں کیا ہو چکا ہے...... کیا ہو رہا ہے...... اس کا دماغ بند ہو گیا تھا...... اس کے کانوں میں آندھیاں چل رہی تھیں...... بیٹے کی ہچکی کی

آواز پر اس نے چیخ کر کہا۔

بیٹے عامر...... بیٹے عامر۔

اور اسے سینے سے لگا کر دیوانہ وار بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا...... وہاں سے بچے کی نیم جاں لاش کو سینے سے چمٹائے دوڑتا ہوا مکان کے دروازے سے باہر نکل کر سڑک پر آ گیا...... اس نے سڑک پر ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا...... بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی...... بادل گرج رہے تھے...... پیچھے سے کسی گاڑی کی روشنی اس پر پڑی، وہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"میرے بیٹے کو بچالو...... میرے بیٹے کو بچالو...... مجھے ہسپتال پہنچادو"۔

لیکن گاڑی اس کے پہلو سے ہو کر آگے نکل گئی...... شیر خان بچے کی لاش کو اٹھائے دوڑنے لگا...... پیچھے سے ایک اور گاڑی آرہی تھی...... شیر خان وہیں رک گیا، اس نے ہاتھ دے کر چیخ چیخ کر کہا۔

میرے بیٹے کو ہسپتال پہنچادو...... میرا بیٹا ابھی زندہ ہے...... خدا کے لئے ہمیں ہسپتال پہنچادو۔

گاڑی اس کے قریب آکر رک گئی...... ایک بزرگ خود گاڑی چلا رہے تھے...... انہوں نے دروازہ کھول کر کہا۔

"جلدی سے اندر آجاؤ"۔

شیر خان خون میں ڈوبی ہوئی اپنے بچے کی نیم جاں لاش کو لے کر گاڑی میں داخل ہو گیا...... گاڑی تیزی سے ایک ہسپتال کی طرف دوڑنے لگی...... دو تین سنسان سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد گاڑی ایک ہسپتال کے پورچ میں آکر رک جاتی ہے...... شیر خان بچے کو سینے سے لگائے تیزی سے گاڑی میں سے نکلتا ہے اور ہسپتال کے کاریڈور میں دوڑتے ہوئے چیخ چیخ کر پکارنے لگا۔

"ڈاکٹر! ڈاکٹر! میرے بچے کو بچالو"۔

ایک کمرے میں سے ایک ڈاکٹر اور ایک نرس باہر نکل آئے...... شیر خان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر! میرے بچے کو گولیاں لگی ہیں...... یہ ابھی زندہ ہے اسے بچالو"۔

دیوار کے ساتھ ایک سٹریچر لگا ہوا تھا...... نرس جلدی سے سٹریچر کو کھینچ کر لے آئی...... ڈاکٹر نے شیر خان سے نیم مردہ عامر کو لے کر سٹریچر پر ڈالا اور نرس سے کہا۔

"نرس آپریشن تھیٹر"۔

ڈاکٹر اور نرس سٹریچر کو دھکیلتے ہوئے کچھ فاصلے پر ایک کمرے میں داخل ہو گئے جس کے باہر آپریشن تھیٹر لکھا ہوا تھا...... شیر خان کے اپنے بدن سے جیسے جان نکل گئی تھی...... وہ بے جان سا ہو کر آپریشن تھیٹر کے باہر خالی بنچ پر بیٹھ گیا...... پھر جلدی سے اٹھ کر پاگلوں کی طرح اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا...... اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر آنے جانے والے کو دیکھ رہا تھا...... بار بار اس کی نگاہیں آپریشن تھیٹر کے دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں...... اتنے میں دروازہ کھلا...... ڈاکٹر باہر نکلا...... شیر خان دوڑ کر اس کے پاس گیا...... اس نے بے تابی سے پوچھا۔

ڈاکٹر صاحب میرا بچہ زندہ ہے نا؟"۔

ڈاکٹر نے شیر خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر افسردگی سے کہا۔

"حوصلہ کرو...... خدا کو یہی منظور تھا"۔

شیر خان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا...... پھر اسے محسوس ہوا کہ وہ اندھیرے کی تاریک لہروں کے بگولوں میں پھنس گیا ہے...... وہ دیوانہ وار آپریشن تھیٹر میں گھس گیا...... سٹریچر پر اس کے اکلوتے بیٹے عامر کی لاش پڑی تھی...... نرسیں اور دوسرے ڈاکٹر اس کی طرف لپکے...... مگر شیر خان کو کسی کی کچھ خبر نہیں تھی...... اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے اور اس کے سامنے اس کے بیٹے کی لاش ہے...... اس نے بیٹے کی لاش اٹھائی اور اسے سینے سے لگائے...... سر

جھکائے آپریشن تھیٹر سے باہر آ گیا...... نہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نہ اس کے حلق سے کوئی آواز نکل رہی تھی...... چہرہ زرد پتھر کی طرح ساکت تھا...... وہ یوں چل رہا تھا جیسے کوئی اسے دھکیل رہا ہے...... یہ غم کی انتہائی شکل تھی...... وہ ہسپتال سے باہر آیا تو بارش ہو رہی تھی...... جیسے آسمان اس کے غم پر آنسو بہا رہا تھا۔

دوسرے روز شیر خان کی والدہ...... اس کی پیاری بیوی اور پیارے بیٹے کو اس کی آنکھوں کے سامنے قبرستان میں دفنا دیا گیا...... جب وہ اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ اپنے پیاروں اور اپنے جگر کے ٹکڑے کی قبر پر پھول چڑھانے لگا تو اس کی چیخ نکل گئی اور وہ وہیں بیٹے کی قبر سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا...... اس کے عزیزوں اور دوستوں نے اسے سنبھالا اور حوصلہ دینے لگے...... اس سے اگلے روز شیر خان کے گھر میں سب عزیز و اقارب اور اس کے دوست جمع تھے...... سب سوگوار تھے...... کبھی کبھی کوئی اٹھ کر شیر خان کے پاس آکر اسے حوصلہ دیتا...... شیر بھائی! حوصلہ کرو...... اللہ کو یہی منظور تھا...... خدا کی امانتیں تھیں، اس نے واپس لے لیں...... شیر خان چپ تھا...... اس کے ہونٹوں پر مہر سکوت ثبت تھی...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر ایک کو تک رہا تھا۔

لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے...... شیر خان کا ایک رشتے دار دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"یہ سب دشمن کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کا کام ہے"۔

شیر خان کو اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بیوی بچوں کو بھارت کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں نے قتل کیا ہے...... اس لئے کہ شیر خان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی...... اس سے پہلے بھی ملک میں ایک جگہ ایسی المناک واردات ہوئی تھی جس میں بھارت کے دہشت گردوں نے پورے کے پورے خاندان کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا...... آہستہ آہستہ سب رشتے دار دوست عزیز و اقارب شیر خان کو حوصلے اور

صبر کی تلقین کرتے ہوئے چل دیئے...... شیر خان گھر میں اکیلا رہ گیا...... کچھ دیر تک وہ صوفے پر بیٹھا خالی کمرے کے درودیوار کو تکتا رہا...... پھر اسے ایسے لگا جیسے ساتھ والے بیڈ روم سے اس کے بیٹے عامر نے اسے آواز دے کر بلایا ہو...... "ڈیڈی! ڈیڈی"...... شیر خان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا...... "عامر بیٹے! میں آرہا ہوں"۔ وہ دوڑ کر بیڈ روم میں گیا...... بیڈ روم خالی پڑا تھا...... پلنگ کے پاس میز پر اس کی بیوی عارفہ اور بیٹے عامر کی فریم کی ہوئی تصویر رکھی ہوئی تھی...... وہ اکھڑے اکھڑے قدموں سے تصویر کی طرف بڑھا...... پلنگ کے پاس جا کر اس کے پاؤں کسی چیز سے ٹکرائے...... اس نے جھک کر دیکھا...... دری پر کھلونا مشین گن پڑی تھی جو شیر خان نے اپنے بیٹے کو سالگرہ کے تحفے کے طور پر دی تھی...... شیر خان نے کھلونا مشین گن اٹھالی...... کھلونا مشین گن ہاتھ میں لے کر وہ اسے دیکھتا رہا...... اس کے دل و دماغ میں جیسے آندھیاں چلنے لگیں...... کانوں میں بادلوں کے دھماکے گونجنے لگے...... آنکھوں میں بجلیاں سی چمکنے لگیں۔

شیر خان کھلونا مشین گن لئے بیڈ روم سے باہر نکل گیا۔

یہاں سے ہم آپ کو مجاہدوں اور کمانڈوز کی الجہاد تنظیم کے اس چھوٹے سے کوارٹر میں لئے چلتے ہیں جہاں کمانڈو شیر خان اپنے نائب کمانڈو گل خان کو اپنی زندگی کی داستان غم سنا رہا تھا...... اس نے کہا۔

"مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا گیا...... میری شفیق ماں...... میری محبت کرنے والی بیوی...... میرا معصوم اکلوتا بیٹا عامر...... میرا ہنستا مسکراتا گھر دیکھتے دیکھتے برباد کر دیا گیا، جس گھر میں ایک لمحہ پہلے سالگرہ کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں...... ہر طرف قہقہے گونج رہے تھے وہاں دوسرے لمحے میرے پیاروں کی خون آلود لاشیں پڑی تھیں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ دشمن ملک کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کی لائی ہوئی بربادی تھی، جن کا مقصد ریلوے سٹیشنوں...... شاپنگ سنٹروں...... بسوں کے

اڈوں...... سینما گھروں...... چلتی لاریوں میں بموں کے دھماکے کرنا اور گھروں میں عبادت گاہوں میں گھس کر اندھا دھند فائرنگ کر کے بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے تاکہ ملک انتشار کا شکار ہو جائے...... ملک میں خوف و ہراس پھیل جائے اور ملک ترقی نہ کر سکے تو میری آنکھوں کے سامنے سے جیسے ایک پردہ ہٹ گیا...... میں نے اپنے اصلی دشمن کو پہچان لیا...... پھر مجھے پاکستان کی ہر ماں اپنی ماں...... ہر بہن اپنی بہن اور ہر بچہ اپنا بچہ لگنے لگا...... میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ جب تک زندہ ہوں جرائم...... دہشت گردی اور دشمن کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کے خلاف جنگ کرتا رہوں گا اور جب تک ملک سے دہشت گردی اور جرائم کا خاتمہ نہیں کر لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا...... اور پھر میں ایک روز اس تنظیم کے کمانڈو ٹریننگ سینٹر پہنچ گیا جس کا نعرہ ہے...... ملک سے جرائم اور دہشت گردی کا خاتمہ اور اس کے خلاف مسلسل جہاد...... یہ ہے میری داستانِ حیات اور یہ وہ وجہ ہے کہ میں نے ایک اعلیٰ ملازمت چھوڑ کر اس تنظیم میں شرکت کر لی اور قلم چھوڑ کر سٹین گن کیوں اُٹھالی"۔

شیر خان خاموش ہو گیا...... نائب گل خان پر شیر خان کی زندگی کے دردناک حادثے نے گہرا اثر کیا تھا...... چھوٹے سے کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی...... اس خاموشی میں گزرے ہوئے واقعات و حادثات کی اداسی بھی تھی اور آنے والے سنہری مستقبل کا پیغام مسرت بھی تھا...... شیر خان نے گل خان سے اپنی فیملی گروپ والی فوٹو لے کر البم میں لگائی اور البم کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اور پرجوش لہجے میں بولا۔

"میں نے غم کی داستان کا یہ باب بند کر دیا ہے...... اب میرے سامنے ایک نیا دروازہ کھل چکا ہے جس کے آسمان پر میں اپنے وطن کے سنہری مستقبل کے سورج کو طلوع ہوتے دیکھ رہا ہوں...... ہم نے اپنے اصلی دشمن کو پہچان لیا ہے...... ہمارا اصلی

دشمن بھارت ہے جس نے آج تک پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور جو پہلے دن سے پاکستان کو ختم کرنے کی سازشوں میں مصروف عمل ہے، لیکن وہ اسے نہیں معلوم کہ پاکستان اللہ اور اس کے دین اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے اور اس کے لئے ہمارے آباؤاجداد نے اپنے اور اپنے بچوں کے خون کے نذرانے پیش کئے ہیں اور وہ قربانیاں دی ہیں کہ جس کی مثال تاریخ میں بھی نہیں ملتی...... دشمن چاہے جتنے ہتھکنڈے استعمال کرلے...... جس قدر چاہے تخریبی کارروائیاں اور سازشیں کرلے، پاکستان کا بچہ بچہ ان کے خلاف جنگ کرے گا اور انہیں ناکام بنادے گا...... پاکستان کی تاریخ گواہ ہے...... دشمن نے جب بھی وطن عزیز پر حملہ کیا اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا...... ہم اپنے وطن پاک کے سپاہی ہیں...... غازی ہیں...... ہم میدان جہاد میں ہیں اور جب تک زندہ ہیں دشمن کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے اور اس کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتے رہیں گے"۔

شیر خان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... اس نے اپنے نائب گل خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب تم بھی جاکر آرام کرو...... صبح ہمیں اپنی تنظیم کے کمانڈنگ افسر سے ملنا ہے...... میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں کسی اہم مشن پر بھیجنے والے ہیں"۔

نائب گل خان نے بڑی گرم جوشی سے شیر خان سے ہاتھ ملایا اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

کمانڈو شیر خان کا اندازہ صحیح تھا...... اگلے روز تنظیم کے کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان اور گل خان کو اپنے آفس میں بلایا...... دونوں مجاہد کمانڈو سی او کے آفس میں آگئے...... اس وقت کمانڈنگ آفیسر میز پر اپنے سامنے شہر کا نقشہ پھیلائے اسے غور سے دیکھ رہے تھے...... کمانڈو شیر خان اور گل خان نے السلام وعلیکم کہہ کر سلیوٹ کیا اور کھڑے رہے...... کمانڈنگ آفیسر نے ہاتھ کے اشارے سے سلیوٹ کا جواب دے

کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ شیر خان اور گل خان"۔

دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بھارت نے ہمارے ملک میں تخریبی کارروائیوں کی خاطر دہشت گردوں کی ایک پارٹی سمگل کی ہے جو ہماری رپورٹ کے مطابق اس وقت شہر کے اس علاقے میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے...... یہ دیکھو"۔

کمانڈنگ آفیسر نے شہر کا نقشہ شیر خان اور گل خان کے سامنے رکھ دیا...... دونوں نقشے پر اس گول سرخ نشان کو دیکھنے لگے جو سی او نے لگایا تھا...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"یہ دہشت گرد ہندو ہیں، مگر انہوں نے اپنا حلیہ مسلمانوں کا بنایا ہوا ہے...... تمہیں سب سے پہلے اس علاقے میں جاکر یہ سراغ لگانے کی کوشش کرنی ہے کہ اس علاقے کے کسی مکان میں کوئی نئے کرائے دار آئے ہیں یا نہیں...... اگر آئے ہیں تو کس مکان میں رہتے ہیں...... اس تصدیق کے بعد تمہیں کمانڈو پارٹی لے جاکر انہیں قابو کرنا ہوگا...... اگر وہ تم پر فائر کھول دیتے ہیں تو تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"سر! ان دہشت گردوں کی نفری کتنی ہے؟"۔

کمانڈنگ آفیسر نے جواب دیا۔

"یہ بھی تمہیں معلوم کرنا ہوگا...... ہمیں صرف یہ رپورٹ ملی ہے کہ بھارت کی یہ دہشت گرد پارٹی اس علاقے میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے...... کوئی اور سوال؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"کوئی سوال نہیں سر!"۔

کمانڈنگ آفیسر نے پوچھا۔

"کوئی اعتراض؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"کوئی اعتراض نہیں سر!"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"او کے...... جاؤ...... خدا حافظ!"۔

دونوں کمانڈو سلیوٹ کرنے کے بعد کمانڈنگ آفیسر کے دفتر سے باہر نکل آئے...... شیر خان نے گل خان سے کہا۔

"میرے کوارٹر میں آجاؤ...... ہمیں بہت سی باتوں پر غور کرنا ہے"۔

دونوں کوارٹر کے کمرے میں جاکر بیٹھ گئے...... شیر خان کہنے لگا۔

"سی او صاحب نے رپورٹ کے مطابق شہر کے جس علاقے کی نشان دہی کی ہے وہ شہر کی چار دیواری کے باہر ایک پرانی بستی ہے...... اس بستی کے گلی کوچوں سے ہم دونوں واقف ہیں"۔

نائب گل خان نے کہا۔

"لیکن ہمیں سراغ رسانی کے لئے کوئی بھیس بدل کر وہاں جانا چاہئے، لیکن بھیس ایسا ہونا چاہئے کہ کسی کو ہم پر شک نہ پڑے"۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں" شیر خان نے کہا...... "تمہارے خیال میں تمہیں کس بھیس میں وہاں جانا چاہئے۔

گل خان سوچنے لگا...... شیر خان بھی سوچنے لگا...... گل خان نے کہا۔

"بھیس ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے ہمیں لوگوں کی ہمدردیاں بھی حاصل ہوں اور وہ کچھ بتاتے ہوئے کترانے کی کوشش نہ کریں"۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر اس کے لئے سب سے اچھا بھیس ملنگوں کا ہی ہو سکتا ہے...... ملنگوں کو

ویسے بھی لوگ بے ضرر سمجھتے ہیں"۔

"یہ ٹھیک رہے گا" گل خان بولا۔

شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں آج دوپہر کے بعد اس مہم پر نکل جانا چاہئے"۔

"او کے" گل خان نے جواب دیا۔

دوپہر کے بعد کمانڈو شیر خان اور نائب کمانڈو گل خان نے وہیں تنظیم کے ایک خاص کمرے میں جاکر ملنگوں والا حلیہ بنایا اور کمانڈنگ آفیسر کو رپورٹ کرنے کے بعد ایک خفیہ دروازے سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑے...... دونوں نے لمبے لمبے بالوں کی وگیں لگا رکھی تھیں...... لمبے چولے پہنے ہوئے تھے...... گلے میں رنگ برنگے منکوں کی مالائیں تھیں...... ہاتھوں میں چمٹے پکڑے ہوئے تھے اور سڑک کے کنارے کنارے بڑی مسکین صورتیں بنائے اس بستی کی طرف جا رہے تھے جہاں رپورٹ کے مطابق بھارت کی دہشت گرد پارٹی نے کسی مکان میں اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا...... دونوں نے کندھوں کے ساتھ پرانے تھیلے لٹکائے ہوئے تھے جن میں پہلے ہی سے تھوڑا تھوڑا آٹا ڈال دیا گیا تھا...... نشان زدہ بستی مشرق کی جانب تھی اور وہاں قریب سے ریل گاڑیاں بھی گزرتی تھیں اور ایک پھاٹک بھی تھا...... چلتے چلتے دونوں کمانڈو ریلوے لائن پر آگئے اور اپنا رخ نشان زدہ بستی کے ریلوے پھاٹک کی طرف کر لیا...... موسم خوشگوار تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... دونوں کو ریلوے لائن پر چمٹے بجا کر گانے کی ضرورت نہیں تھی...... یہ کام انہوں نے بستی میں جاکر شروع کرنا تھا۔

ریلوے پھاٹک پر پہنچنے کے بعد دونوں کمانڈو اس کچی سڑک پر ہو گئے جو شارٹ کٹ تھی اور مطلوبہ بستی میں جاتی تھی...... یہ پرانی بستی تھی...... پرانے مکان اور حویلیاں بھی تھیں اور نئے مکان بھی بنے ہوئے تھے...... بازار میں دکانیں کھلی تھیں...... دونوں کمانڈو بستی کے ایک سرے سے اس میں داخل ہوئے...... شیر خان

نے گل خان کو بتادیا تھا کہ ہم ملنگوں کی طرح نہ تو دھمال ڈالیں گے اور نہ گانا وغیرہ گائیں گے اور نہ چمٹا بجائیں گے...... اس طرح خواہ مخواہ ہمارے اِرد گرد لوگ جمع ہو جائیں گے اور بچے ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگیں گے اور ہمیں کھوج لگانے میں دشواری ہو گی...... بہتر ہو گا کہ ہم خاموشی سے دکانداروں کی بجائے مکانوں کے آگے جاکر تھوڑا چمٹا بجاکر خیرات کے لئے آواز لگائیں گے اور دیکھیں گے کہ کس گھر میں کون رہتا ہے۔

چنانچہ وہ بستی کے بازار میں سے خاموشی سے گزر گئے...... باہر کی طرف کچھ نئے اور پرانے مکان الگ الگ کھڑے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"پہلے ان مکانوں کا مشاہدہ کرتے ہیں"۔

چنانچہ وہ ملنگوں کے بھیس میں ہی ایک مکان کے دروازے پر آکر رک گئے......

گل خان نے تھوڑا سا چمٹا بجانے کے بعد آواز بلند کی۔

"سبز پیر کے ملنگوں کو اللہ کے نام پر کچھ خیرات مل جائے، اللہ بھلا کرے گا"۔

دوسری آواز پر ایک عورت نے دروازہ کھول کر گل خان کو ایک روپیہ دے کر کہا۔

"بابا جی! اس وقت یہی قبول کرو"۔

"اللہ بھلا کرے گا بی بی"۔

گل خان نے روپیہ لے کر دعا دی اور وہ آگے چل پڑے...... دوسرے مکان پر بھی اس نے آواز لگائی...... وہاں بھی ایک بوڑھی عورت نے انہیں خیرات میں دو روپے دیئے اور وہ اگلے مکان کی طرف چل پڑے...... شیر خان نے کہا۔

"دہشت گرد ضرور کسی ایسی جگہ اور ایسے مکان میں ہوں گے جو باہر سے پرانا لگتا ہو اور جسے دیکھ کر یہی خیال آئے کہ یہ پرانا مکان ہے اس میں جدی پشتی لوگ رہتے ہوں گے"۔

اسی دوران ان کی نگاہ کچھ فاصلے پر ایک پرانے مکان کی طرف گئی جو ایک چھوٹے

سے جوہڑ کے کنارے پر تنہا کھڑا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"گل! مجھے یہ مکان مشکوک لگتا ہے"۔

گل خان نے کہا۔

"چلو اس مکان پر جاکر آواز لگاتے ہیں...... اندر سے کوئی نہ کوئی تو نکلے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"نہیں...... ہمیں یہ غلطی نہیں کرنی ہوگی...... ذرا ٹھہرو...... وہ سامنے ایک ریڑھی والا کھڑا ہے...... اس سے بات کرتے ہیں"۔

دونوں ریڑھی والے کے پاس چلے آئے...... یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو سبزی بیچ رہا تھا...... شیر خان نے ریڑھی والے کے پاس جاکر چمٹا بجاکر خیرات مانگی...... بوڑھے نے انہیں ایک روپیہ دیا...... شیر خان نے اسے دعا دی اور پوچھا۔

"بابا جی! ہمارے پیرومرشد اس بستی میں آئے ہیں...... کسی نے کہا ہے کہ وہ یہیں کسی مکان میں رہ رہے ہیں"۔

ریڑھی والا بولا۔

"بابا ہمیں کیا پتہ تمہارے پیرومرشد یہاں کہاں ٹھہرے ہیں...... کسی دکاندار سے جاکر معلوم کرو"۔

شیر خان نے مشکوک مکان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"اس سامنے والے مکان میں کون رہتا ہے؟"۔

کہیں ہمارے پیرومرشد اسی مکان میں ہی نہ اترے ہوں"۔

ریڑھی والے نے کہا۔

"ایک ہفتہ ہوا یہاں ایک نئے کرائے دار آئے ہیں...... آدمی ہیں...... دن کو تالا لگا کر چلے جاتے ہیں...... شام کو آتے ہیں...... جاکر معلوم کرلو شاید تمہارے پیرومرشد ہوں"۔

"یہ لوگ محلے میں کسی سے ملتے جلتے نہیں؟" گل خان نے پوچھا۔

ریڑھی والا بولا۔

"کہا نا کہ دن کے وقت تالا لگا کر چلے جاتے ہیں...... اندھیرا ہونے کے بعد آتے ہیں...... کبھی کسی سے نہیں ملتے...... تم خود جا کر معلوم کر لو"۔

"اچھا بابا! ہم خود ہی پتہ کر لیتے ہیں"۔

یہ کہہ کر شیر خان چمٹا بجاتا آگے بڑھا...... گل خان اس کے ساتھ ساتھ تھا...... گل خان نے پوچھا۔

"کیا خیال ہے؟ ابھی دن ہے...... ان لوگوں کا انتظار کر لیں...... وہ شام کو آتے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"ان کا ہر حالت میں انتظار کرنا پڑے گا...... اس طرف آ جاؤ"۔

وہ پرانے جوہڑ والے اس مشکوک مکان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ مکان پر تالا پڑا ہوا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"ریلوے لائن کے پار ایک تکیہ ہے...... وہاں چل کر بیٹھ جاتے ہیں...... سورج غروب ہونے کے فوراً بعد یہاں آکر کسی جگہ چھپ جائیں گے"۔

وہ وہیں سے ریلوے لائن کی طرف ہو گئے...... ریلوے لائن کی دوسری طرف بوہڑ کے درختوں کے سائے میں ایک پرانا تکیہ تھا جہاں پہلے ہی سے کچھ فقیر لوگ بیٹھے حقہ وغیرہ پی رہے تھے...... شیر خان اور گل خان بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور جس قسم کی باتیں ملنگ لوگ کیا کرتے ہیں ان سے اسی قسم کی باتیں کرنے لگے...... سورج غروب ہونے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا...... دونوں کمانڈو ملنگوں کے بھیس میں تکیے میں ہی بیٹھے رہے...... جب سورج مغرب کی طرف مکانوں کے پیچھے ڈوب گیا اور شام کے ہلکے ہلکے سائے اترنے لگے تو دونوں چمٹا بجاتے اٹھے اور بستی کی طرف

چل پڑے...... پرانے جوہڑ والے مشکوک مکان کے قریب آکر وہ درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... انہوں نے ادھر ادھر سے سوکھے پتے اور جھاڑیاں اکٹھی کر کے وہاں دھونی لگائی...... چمٹے زمین میں گاڑ دیئے اور ملنگوں کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے...... وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ ان کا رخ مشکوک مکان کی طرف تھا۔

مکان کا دروازہ اس درخت سے جس کے نیچے شیر خان اور گل خاں بیٹھے تھے...... پچاس فٹ کے فاصلے پر ہوگا...... ابھی دن کی دھندلی روشنی باقی تھی کہ انہیں ریلوے پھاٹک کی طرف سے پانچ چھ آدمی آتے نظر آئے...... ان کا رُخ مشکوک مکان کی طرف تھا...... گل خان نے شیر خان کی توجہ اس طرف دلائی اور کہا۔

"شیر خان! اس طرف دیکھو"۔

شیر خان نے بھی دیکھا کہ کچھ آدمی مکان کی طرف چلے آ رہے ہیں...... ان میں سے کچھ آدمیوں نے ٹخنوں سے اوپر تک کی شلواریں اور لمبے کرتے پہنے ہوئے تھے...... دو آدمیوں نے سفید دھوتیاں باندھ رکھی تھیں...... کچھ کی شرعی داڑھیاں بھی تھیں...... ایک آدمی کے ہاتھ میں تسبیح تھی...... شکل صورت سے وہ کسی مسجد کے امام لگتے تھے...... یہ کل پانچ آدمی تھے...... وہ لوگ شیر خان اور گل خان کے قریب سے گزر گئے...... ایک نے آگے بڑھ کر مکان کا تالا کھولا اور پھر باری باری پانچوں آدمی مکان میں داخل ہو گئے...... ان کے ساتھ ہی مکان کا دروازہ بند ہو گیا۔

گل خان نے شیر خان سے کہا۔

"کیا خیال ہے شیر خان؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے لوگ مشکوک لگتے ہیں...... عین ممکن ہے یہی بھارتی دہشت گرد ہوں...... ہمیں سی او صاحب کو رپورٹ کرنی چاہئے"۔

اسی وقت دونوں وہاں سے اٹھے اور اپنی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی طرف چل

پڑے...... کمانڈنگ آفیسر کو معلوم تھا کہ دونوں کمانڈو سراغ رسانی پر نکل چکے ہیں...... وہ ان کا انتظار کر رہے تھے...... کمانڈو شیر خان اور نائب گل خان نے جاتے ہی انہیں پوری رپورٹ دے دی...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"تم لوگوں نے جس مکان کی نشان دہی کی ہے مجھے دو گھنٹے پہلے اطلاع مل چکی ہے کہ بھارتی دہشت گرد اسی مکان میں رہتے ہیں...... اس سے پہلے کہ وہ کوئی تخریبی کارروائی کریں...... ہمیں انہیں فوراً گرفتار کر لینا چاہئے"۔ تم آج رات پچھلے پہر اپنی پارٹی لے کر چھاپہ مارو گے اور دشمن کے ان دہشت گردوں کا خاتمہ کرو گے...... کوئی چانس لینے یا انتظار کرنے کا وقت نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے سر!" شیر خان نے کہا۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"مشن ہر حالت میں کامیاب ہونا چاہئے"۔

"انشاءاللہ سر!" شیر خان نے کہا۔

شیر خان نے اسی وقت اپنے اور گل خان سمیت چھ مجاہدوں کی کمانڈو پارٹی ترتیب دی اور بتا دیا کہ سب کو رات کے پچھلے پہر اذان کے وقت کس مقام پر جمع ہونا ہو گا...... شیر خان نے کہا۔

"ہمارے پاس فل میگزین ہونا چاہئے...... وہ لوگ یونہی مکان میں نہیں رہ رہے...... ان کے پاس بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود ہو گا...... ہو سکتا ہے دستی بم بھی ہوں، لیکن ہم انہیں دستی بم پھینکنے کا موقع نہیں دیں گے...... اب تم لوگ جا کر آرام کرو...... صبح اذان کے ساتھ ہی اس جگہ پہنچ جانا جہاں تمہیں کہا گیا ہے"۔

سب کمانڈو گل خان اور شیر خان سمیت اپنے اپنے کوارٹروں میں چلے گئے...... شیر خان نے رات کے چار بجے کا الارم لگایا اور سو گیا...... رات کے پچھلے پہر ٹھیک چار بجے کلاک کے الارم نے اسے جگا دیا...... اس نے فوراً منہ ہاتھ دھویا...... کمانڈو کی سیاہ

یونیفارم پہنی...... اسلحہ نکال کر میگزین وغیرہ چیک کیا اور صبح کی اذان کا انتظار کرنے لگا، جس وقت مسجد سے فجر کی اذان کی آواز بلند ہوئی تو شیر خان فوراً کوارٹر سے نکل کر پچھلے پہر کے اندھیرے میں ایک طرف کو تیز تیز چلنے لگا...... یہ ایک خاص جگہ تھی جہاں علاقہ ویران تھا...... گل خان اور ان کی پارٹی کے دوسرے کمانڈو وہاں پہلے سے پہنچ چکے تھے...... انہوں نے مل کر فجر کی نماز پڑھی اور اپنے مشن کی کامیابی کے لئے خدا کے حضور دعا مانگی اور اس درخت کی طرف چلے جہاں چاروں طرف سے بند جیپ ان کا انتظار کر رہی تھی...... وہ فوراً جیپ میں سوار ہوئے اور جیپ شہر سے باہر ریلوے لائن والی بستی کی طرف روانہ ہو گئی...... شیر خان خود جیپ چلا رہا تھا...... اس کے ساتھ گل خان بیٹھا تھا...... سٹین گنیں انہوں نے نیچے رکھی ہوئی تھیں...... پارٹی کے باقی چاروں کمانڈو بند جیپ کے اندر بیٹھے تھے...... رات کے پچھلے پہر شہر کے بازار خالی پڑے تھے...... ان کی جیپ تیزی سے فاصلہ طے کرتی ہوئی ریلوے لائن کے پھاٹک پر آ گئی...... یہاں سے وہ جیپ کو لے کر بستی کے مشکوک مکان کی طرف جانے والی کچی سڑک پر آ گئے...... شیر خان نے جیپ کی بتیاں گل کر دی تھیں...... جیپ کی رفتار بھی کم کر دی تھی...... جیپ آہستہ آہستہ چلتی مشکوک مکان کے عقب میں درختوں کی ایک جانب آ کر رک گئی...... فوراً ساری کمانڈو پارٹی جیپ میں سے نکلی اور شیر خان کی کمانڈ میں اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھی۔

ان سب کو معلوم تھا کہ انہیں کیا کیا کرنا ہے۔

چاروں طرف اندھیرا تھا...... کچھ فاصلے پر بستی کے مکانوں میں کہیں کہ
روشنی ہورہی تھی...... خاموشی چھائی ہوئی تھی...... وہ چھ چھ فٹ کا فاصلہ ڈال کر
کی عقبی دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے...... شیر خان اور گل خان آگے آگے تھے۔
خاموشی اور رازداری کے ساتھ مکان کی عقبی دیوار کے پاس آکر بیٹھ گئے......
کے ساتھ ایک پائپ چھت سے نیچے تک آرہا تھا...... اس کی نشان دہی کردی
تھی...... تین کمانڈو سب سے پہلے آہستہ آہستہ چلتے پائپ کے پاس آئے اور پائپ
ذریعے دیوار پر چڑھنے لگے...... شیر خان آگے تھا...... گل خان اس کے پیچھے تھا......
چھت پر پہنچتے ہی بیٹھ گئے...... اتنے میں باقی کے تینوں کمانڈو بھی پائپ کے ذریعے
کر چھت پر آگئے...... وہ بھی وہیں بیٹھ گئے...... شیر خان نے ایک خاص اشارہ کیا
پہلے خود اٹھ کر دبے پاؤں چھت کی دوسری منڈیر کی طرف چلنے لگا...... گل خان
کے پیچھے آرہا تھا...... وہ اس طرح پاؤں چھت پر رکھ رہے تھے کہ ذرا سی آہٹ
نہیں ہوتی تھی...... ان کے پیچھے چاروں کمانڈو بھی دبے پاؤں چلے آرہے تھے۔
منڈیر کے پاس آکر شیر خان نے نیچے صحن میں نگاہ ڈالی...... پچھلے پہر کے چھٹتے ہو
اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ صحن خالی پڑا ہے...... کونے میں ایک زینہ چھت
نیچے صحن کو جاتا تھا...... شیر خان نے اس جانب اشارہ کیا اور شیر خان کے پیچھے

سارے کمانڈو نیچے صحن میں آگئے...... وہ صحن میں آتے ہی زینے کی دیوار کے ساتھ
لگ کر کھڑے ہوگئے...... وہاں اندھیرا تھا...... سامنے ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا
مگر اس کی درزوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آرہی تھی...... شیر خان نے اپنے
آدمیوں کو انگلی کے اشارے سے وہ روشنی دکھائی...... سب نے اپنی اپنی سٹین گنوں کا
رخ دروازے کی طرف کرلیا اور سٹین گنوں کے بٹ اپنے کولہوں کے ساتھ
لگالئے...... وہ ایکشن سے پہلے کے جوش کو بڑی مشکل سے قابو میں کئے ہوئے تھے......
ہر ایک کمانڈو کی انگلی سٹین گن کے ٹریگر کے اوپر تھی...... شیر خان اور گل خان بھی
اندھیرے میں زینے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے...... آسمان پر صبح کی
کافوری روشنی ہونے لگی تھی...... کمرے کے اندر سے دو آدمیوں کے بولنے کی دھیمی
دھیمی آواز آنے لگی...... شیر خان نے جیب سے کانچ کی ایک گولی نکال کر صحن کے
فرش پر پھینک دی...... اس سے آواز پیدا ہوئی...... کمرے سے آدمیوں کے بولنے کی
آواز ایک دم رُک گئی...... کمانڈو پارٹی چارج کرنے کے لئے تیار ہوگئی...... ان کی
انگلیوں نے سٹین گنوں کے ٹریگر کا پہلا دباؤ لے لیا تھا۔

ان سب کو معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے...... اتنے میں کمرے کے دروازے کی
اندر والی کنڈی کھلنے کی آواز آئی...... اس کے بعد دروازے کا ایک پٹ ذرا سا کھلا اور اندر
سے ایک آدمی نے جھانک کر صحن میں نظر ڈالی...... کاؤنٹ ڈاؤن ختم ہوچکی تھی......
شیر خان کو اسی لمحے کا انتظار تھا...... جیسے ہی وہ آدمی صحن میں جھانکنے کے بعد سر اندر
کر کے دروازہ بند کرنے لگا شیر خان نے گرج کر کہا۔

"ہالٹ!"۔

"اس آدمی نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگانے کی کوشش کی مگر اسی دوران
کمانڈو پارٹی اس کے سر پر پہنچ چکی تھی...... شیر خان اور گل خان نے پاؤں کی ٹھوکر سے
دروازہ چوپٹ کھول دیا اور چلا کر کہا۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے"۔

گل خان اور دوسرے کمانڈو دروازے کی آڑ میں ہو کر شیر خان کو حفاظتی کور دے رہے تھے...... جیسے ہی شیر خان نے ہالٹ کیا اندر سے فائرنگ شروع ہو گئی...... شیر خان چھلانگ لگا کر ایک طرف ہو گیا...... کمرے میں اس وقت چار دہشت گرد ایک چھوٹی میز کے گرد بیٹھے ایک انتہائی طاقتور بم کو پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال رہے تھے...... تین آدمی کمرے میں ایک طرف بنے ہوئے لکڑی کے کاؤنٹر کے پیچھے موجود تھے...... خدا جانے وہ کیا کر رہے تھے...... انہوں نے شیر خان کی آواز سنتے ہی اپنی سٹین گنوں سے دروازے کی طرف فائرنگ شروع کر دی تھی...... یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ یہ دہشت گرد ہی ہیں...... شیر خان نے اپنی پارٹی کو بلند آواز میں کہا۔

"کوئی بچ کر نہ نکلنے پائے"۔

وہاں اندھا دھند گولیاں برسنے لگیں...... جو چار دہشت گرد میز کے گرد بیٹھے تھے...... وہ سب سے پہلے شیر خان اور اس کی کمانڈو پارٹی کی فائرنگ کی زد میں آئے...... وہ اٹھ کر اپنے اپنے پستول نکالنے لگے تھے کہ مجاہدوں نے ان کے جسم گولیوں سے چھلنی کر دیئے اور وہ چاروں گر پڑے...... کاؤنٹر کے پیچھے چھپے ہوئے دو دہشت گرد ابھی تک فائرنگ کر رہے تھے...... شیر خان نے اونچی آواز میں کہا۔

"اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو...... تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو"۔

لیکن دونوں دہشت گرد برابر فائرنگ کرتے رہے...... شیر خان گل خان اور دوسرے کمانڈو مجاہد دروازے کی آڑ لے کر ان پر فائر کر رہے تھے...... شیر خان کو یقین تھا کہ جب دونوں دہشت گردوں کا میگزین ختم ہو جائے گا تو وہ انہیں زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے گا...... ان میں سے کسی ایک کا زندہ گرفتار ہونا ضروری تھا...... پوچھ گچھ کے بعد ان سے بھارت کے تخریبی عزائم کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں، لیکن خدا جانے ان دونوں بھارتی دہشت گردوں کو کیا

سوجھی کہ وہ فائرنگ کرتے کاؤنٹر سے باہر نکل آئے اور فائرنگ کرتے ہوئے شیر خان اور گل خان کی طرف بڑھے...... عین اس وقت پیچھے سے کمانڈو پارٹی کے مجاہدوں نے انہیں اپنی فائرنگ کی زد میں لے کر وہیں ڈھیر کر دیا...... شیر خان نے غصے میں کہا۔

"تم کو ان پر فائرنگ کا کس نے آرڈر دیا تھا؟"۔

مگر جو ہونا تھا ہو چکا تھا...... دونوں دہشت گرد مر چکے تھے...... ایک کی کھوپڑی اڑ گئی تھی...... دوسرے کی گردن میں سے نہ جانے کتنی گولیاں نکل گئی تھیں اور وہ بھی خون میں لت پت فرش پر پڑا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"دوسری لاشوں کو دیکھو...... کوئی زندہ تو نہیں ہے؟"۔

جب فرش پر پڑی تین لاشوں کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ دو دہشت گرد تو مر چکے تھے مگر ایک دہشت گرد ابھی زندہ تھا...... سٹین گن کا برسٹ اس کے کندھے اور بازو میں سے گزر گیا تھا...... وہ شدید زخمی تھا مگر ابھی تک سانس لے رہا تھا...... شیر خان نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے فوراً جیپ میں ڈال کر تنظیم کے ہسپتال میں لے چلو...... دو کمانڈو مجاہدوں نے اسی وقت زخمی اور نیم بے ہوش بھارتی دہشت گرد کو اٹھایا اور اٹھا کر باہر لے جا کر جیپ میں ڈال دیا...... شیر خان اور گل خان کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں کاؤنٹر کے پیچھے آہٹ سی سنائی دی...... وہ وہیں رک گئے...... شیر خان نے گل خان کو اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر کاؤنٹر کے پیچھے دیکھے...... شیر خان نے سٹین گن کا رخ کاؤنٹر کی طرف کر دیا...... گل خان سٹین گن آگے کیے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھا...... جیسے ہی اس نے سٹین گن کاؤنٹر کی دوسری جانب نیچے کی کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک نوجوان عورت نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لئے مجھے نہ مارنا...... میں مسلمان ہوں...... یہ کافر مجھے اغوا کر کے لائے تھے"۔

شیر خان نے عورت سے پوچھا۔

“کیانام ہے تمہارا؟”۔

عورت نے روتے ہوئے کہا۔

“میرا نام حشمت بی بی ہے”۔

“انہوں نے تمہیں کہاں سے اغوا کیا تھا؟” گل خان نے پوچھا۔

عورت نے کہا۔

“ساتھ والے گاؤں سے...... میں سکول میں استانی ہوں...... سکول جارہی کہ انہوں نے مجھے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور یہاں لے آئے...... خدا کے لئے مجھے جا دو...... میرے ماں باپ غم سے مر جائیں گے”۔

شیر خان نے کہا۔

“فکر نہ کرو...... ہم تمہیں تمہارے گاؤں پہنچا دیں گے...... آؤ ہمارے ساتھ”

شیر خان اور گل خان نوجوان عورت کو ساتھ لئے مکان سے باہر آ گئے اور م کی عقبی دیوار والے راستے سے تیز تیز چلتے ان درختوں کے پاس آئے جہاں ان کی جیپ کھڑی تھی اور ایک مجاہد ان کا انتظار کر رہا تھا...... اس وقت صبح کی روشنی چار طرف پھیل چکی تھی اور لوگوں کا ایک ہجوم مکان سے کچھ فاصلے پر کھڑا مکان کی طر دیکھ رہا تھا...... یہ لوگ فائرنگ کی آواز پر وہاں جمع ہو گئے تھے...... شیر خان نے عور کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھایا...... گل خان سے کہا کہ وہ پیچھے جا کر بیٹھ جائے اور ا جیپ سٹارٹ کی اور جیپ کو پوری رفتار پر چلاتے ہوئے اس علاقے سے نکل آیا......

جیپ شہر کے باہر والی سڑک پر تیز رفتاری سے جا رہی تھی...... شیر خان کو احساس کہ ایک دہشت گرد زخمی حالت میں گاڑی میں بے ہوش پڑا ہے...... اسے جتنی جلد ہو سکے تنظیم کے ہسپتال میں ابتدائی طبی امداد مہیا کرنی ہے تاکہ وہ زندہ بچ جائے ا س سے پوچھ گچھ کی جا سکے...... سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی...... وہ گاڑی کو تیز ہا تھا...... نوجوان عورت جسے بقول اس کے بھارتی دہشت گرد اغوا کر کے لے آ

تھے...... شیر خان کی ساتھ والی سیٹ پر خاموش بیٹھی ہاتھ جوڑ کر خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی...... شیر خان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

“گھبراؤ نہیں...... ہم پہلے تمہیں تمہارے گاؤں پہنچائیں گے”۔

عورت شیر خان کو دعائیں دینے لگی۔

“اللہ تمہارا بھلا کرے...... تم نے مجھے کافروں سے بچالیا...... اللہ تمہارا بھلا کرے”۔

جیپ ایک گاؤں کے قریب سے گزری تو عورت نے کہا۔

“بس بھائی جان مجھے یہیں اتار دیں...... وہ سامنے میرا گاؤں ہے”۔

شیر خان نے بریک لگا دی اور کہا۔

“ہم تمہیں تمہارے گاؤں چھوڑ آتے ہیں”۔

عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

“نہیں نہیں بھائی جان...... میں خود ہی چلی جاؤں گی آپ میرے ساتھ گئے تو پولیس کو دیکھ کر لوگ باتیں بنائیں گے...... میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی...... اللہ تمہارا دونوں جہان میں بھلا کرے”۔

اور عورت جلدی سے دروازہ کھول کر جیپ سے اتر گئی اور کھیتوں کے درمیان پگ ڈنڈی پر تیز تیز چلنے لگی...... شیر خان کو خود بھی جلدی تھی، جیپ میں بھارتی دہشت گرد زخمی حالت میں پڑا تھا...... اس نے عورت کو جانے دیا اور جیپ تیزی سے آگے بڑھا دی...... وہ عورت جس نے اپنا نام حشمت بی بی بتایا تھا کھیتوں میں کچھ دور تک چلتی رہی...... پھر ایک جگہ رک کر اس نے پیچھے دیکھا...... سڑک پر سے کمانڈوز کی جیپ اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی...... اس عورت نے راستہ بدل لیا اور بائیں جانب والے کھیت کے ساتھ ساتھ چلتی اس گاؤں سے آگے نکل گئی جس کے متعلق اس نے شیر خان کو بتایا تھا کہ وہ اس گاؤں میں رہتی ہے...... گاؤں کو پیچھے چھوڑ کردہ

ایک سڑک پر آ گئی...... سڑک کے پار شہر کی ایک مشہور کالونی کی کوٹھیاں اور مکان دور تک پھیلے ہوئے تھے...... عورت ایک بس سٹاپ پر آ کر بنچ پر بیٹھ گئی...... ایک خالی رکشا قریب سے گزرا تو اس نے اسے ہاتھ دے کر روک لیا...... جلدی سے اس میں سوار ہوئی اور رکشے والے کو ایک علاقے میں جانے کا کہا...... رکشا وہیں سے گھوم کر واپس روانہ ہو گیا...... رکشا شہر کی کالونی کی سڑکوں پر سے گزرتا شہر کے شمالی علاقے میں آ گیا جہاں دریا کا پل تھا...... دریا کا پل عبور کرنے کے بعد رکشا آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ دونوں جانب کھیت شروع ہو گئے...... پھر ایک ویران میدان آ گیا...... یہاں سے بھی رکشا آگے نکل گیا...... آگے شیشم کے درختوں کا ایک بڑا گنجان ذخیرہ شروع ہو گیا...... عورت نے وہیں رکشا رکوا لیا...... رکشے والے کو پچاس روپے کا نوٹ دیا اور درختوں کے ذخیرے کی طرف چل پڑی...... اس علاقے میں آبادی نہ ہونے کے برابر تھی...... عورت درختوں کے ذخیرے میں چلتی رہی...... ایک جگہ ذخیرہ ختم ہو گیا...... اب سامنے ایک ویران زمین تھی جہاں سوائے جھاڑیوں اور گھاس کے اور کچھ نہیں تھا...... عورت ان جھاڑیوں کے پاس آ کر ایک لمحے کے لئے رکی...... اس نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے ایک نگاہ ڈالی...... شاید وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا...... جب اسے تسلی ہو گئی کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو وہ آگے کو چل پڑی...... ویران میدان میں مٹی کا ایک بہت بڑا ٹیلا تھا جس کو بھوری جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... اس کے عقب میں کسی پرانی عمارت کا کھنڈر تھا...... عورت اس کھنڈر کے پاس آ کر ایک پرانی اینٹوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئی...... جیسے چلتے چلتے تھک گئی ہو اور ذرا آرام کرنے کے لئے رکی ہو، لیکن ایسی بات نہیں تھی...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کے پیچھے تو کوئی نہیں لگا ہوا۔

عورت چھ سات منٹ تک اسی جگہ بیٹھی رہی...... تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ پیچھے درختوں کے ذخیرے کی طرف دیکھ لیتی تھی...... وہاں دور دور تک کو

انسان نظر نہیں آ رہا تھا...... عورت اٹھ کر پرانی عمارت کے کھنڈر کی طرف چلی...... یہ کسی قدیم تاریخی عمارت کا کھنڈر معلوم ہوتا تھا جو بہت شکستہ حالت میں تھا...... عورت کھنڈر کے عقب میں آ گئی...... یہاں کھنڈر کی ایک دیوار میں شگاف پڑا ہوا تھا...... وہ اس میں سے ہو کر کھنڈر میں داخل ہو گئی...... آگے کھنڈر کی عمارت کا ویران صحن تھا جہاں اینٹ پتھر ادھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے...... سامنے والی شکستہ دیوار میں کھنڈر کے اندر جانے کا تنگ سا راستہ بنا ہوا تھا...... عورت اس میں سے گزر کر کھنڈر کے اندر چلی گئی...... جیسے ہی وہ اندر گئی دوسری جانب سے ایک آدمی اچانک نکل کر اس کے سامنے آ گیا اور اس نے اسے وہیں دبوچ لیا...... عورت نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"بھیکو! بندے کو پہچان لیا کرو...... پیچھے ہٹو...... مکند لال اندر ہی ہے کہ کہیں گیا ہوا ہے؟"۔

وہ آدمی جس کا نام بھیکو تھا اور جو بھارتی دہشت گردوں کے اس خفیہ ٹھکانے کا محافظ تھا جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

"اندر ہی ہے"۔

اس کوٹھڑی میں سے ایک زینہ نیچے تہہ خانے میں اترتا تھا...... یہ عورت اس زینے سے اتر کر نیچے تہہ خانے میں آ گئی...... تہہ خانے میں فرش پر ایک طرف دو بڑی موم بتیاں روشن تھیں...... دو آدمی دری کے فرش پر بیٹھے تھے...... ایک آدمی شاٹ گن پکڑے زینے کے پاس ہی کھڑا تھا...... اس نے عورت کو زینہ اترتے دیکھ کر پہچان لیا تھا اور پیچھے ہٹ گیا تھا، جو دو آدمی دری پر بیٹھے تھے ان میں سے ایک کلاشن کوف کو صاف کر رہا تھا...... دوسرا سٹین گن میں میگزین ڈال رہا تھا...... اس آدمی کی چھوٹی مسلمانوں ایسی داڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں...... اس کا نام مکند لال تھا اور یہ پاکستان میں بھارتی تخریب کاروں کے نیٹ ورک کا سرغنہ تھا...... اس نے عورت کو دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

"رام دُلاری تم کیسے آ گئیں؟ باقی لوگ کہاں ہیں؟"۔

یہ عورت جس نے شیر خان اور گل خان کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا اور اپنا نام حشمت بی بی بتایا تھا ان بھارتی دہشت گردوں کی ساتھی تھی اور اس کا اصل نام رام دُلاری تھا...... رام دُلاری مکند لال کے پاس بیٹھ گئی، کہنے لگی۔

"پولیس کو ہمارے خفیہ ٹھکانے کا کھوج مل گیا تھا...... آج تڑکے تڑکے اچانک چھاپہ پڑ گیا...... باقی سارے مارے گئے ہیں...... جمنا داس بہت زخمی ہو گیا...... وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں"۔

دونوں بھارتی دہشت گرد پریشان ہو گئے...... مکند لال نے رام دُلاری سے کہا۔

"تم کیسے بچ گئی ہو؟"۔

اس عورت یعنی رام دُلاری نے کہا۔

"میں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے روتے ہوئے کہا کہ میرا نام حشمت بی بی ہے...... یہ لوگ مجھے اغوا کر کے یہاں لے آئے ہیں، اس طرح میری جان بچ گئی...... میں نے یونہی کہہ دیا کہ میرا گاؤں قریب ہی ہے...... میں وہاں سکول میں استانی ہوں...... انہوں نے مجھے جیپ میں بٹھایا اور میں ایک گاؤں کے قریب اُتر گئی اور یہاں پہنچ گئی ہوں"۔

ایک دہشت گرد نے پوچھا۔

"تمہارا پیچھا تو نہیں ہو رہا تھا؟"۔

"نہیں" رام دُلاری نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں نے تسلی کر لی تھی"۔

مکند لال سر ہلاتے ہوئے افسوس کے ساتھ بولا۔

"یہ بہت برا ہوا...... جمنا داس مورکھ ہے...... بے وقوف ہے...... ان لوگوں کی وجہ سے اب ہم بھی یہاں خطرے میں ہیں"۔

دوسرا بھارتی دہشت گرد جس کا نام راموتھا...... کہنے لگا۔

"مکندے! ہمیں فوراً کوئی دوسرا خفیہ ٹھکانہ تلاش کرنا ہوگا"۔

مکند لال بولا۔

"ایسا کرنا پڑے گا"۔

اس نے رام دُلاری سے پوچھا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کون تھے...... پولیس تھی یا کمانڈو تھے؟"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ پولیس کی کمانڈو پارٹی تھی"۔

مکند لال نے دوسرا سوال کیا۔

"ان لوگوں کی باتوں سے کچھ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جمنا داس کو کہاں لے جا رہے ہیں؟"۔

رام دُلاری نے ایک سیکنڈ کے توقف کے بعد کہا۔

"وہ کسی ہسپتال کا ذکر کر رہے تھے کہ اس کافر کو جلدی ہسپتال لے چلو"۔

"ہسپتال کا نام نہیں لے رہے تھے؟" رامو نے پوچھا۔

رام دُلاری بولی۔

"نہیں...... وہ ہسپتال کا نام نہیں لے رہے تھے...... ہاں کسی تنظیم کا ذکر کر رہے تھے اور ان کے پارٹی لیڈر نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ اسے تنظیم کے ہسپتال لے جانا ہے"۔

مکند لال فوراً بولا۔

"اب میں سمجھ گیا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ یہ کون سی تنظیم ہے اور اس کا ہسپتال کس جگہ پر ہے"۔

یہاں ہم ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں...... آپ نے محسوس کیا ہوگا

کہ بھارت کے یہ ہندو دہشت گرد بڑی صحیح اُردو بول رہے ہیں...... ایسی اُردو جو پاکستان میں بولی جاتی ہے اور جس میں ہندی کے الفاظ بالکل نہیں ہوتے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت کی حکومت جن دہشت گردوں کو پاکستان میں سمگل کرتی ہے، انہیں پاکستانی مسلمانوں کے رہن سہن کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں...... ان کا حلیہ بھی مسلمانوں والا بنایا جاتا ہے اور انہیں اسلام کے بارے میں ضروری معلومات بھی مہیا کی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ ایسی اُردو سکھائی جاتی ہے جس میں ہندی کے الفاظ نہیں ہوتے اور جو پاکستان میں بولی جاتی ہے...... انہیں سختی سے تاکید کی جاتی ہے کہ جب تک وہ پاکستان میں رہیں پاکستان میں بولی جانے والی اُردو پنجابی میں ہی ایک دوسرے سے بات کریں گے...... یہ سارے کے سارے بھارتی پنجاب کے رہنے والے ہندو تھے اور انہیں وہ پنجابی زبان اور لب و لہجے کی بھی ٹریننگ دی گئی تھی جو پنجابی پاکستان کے صوبہ پنجاب میں بولی جاتی ہے...... رام دُلاری بھی بھارتی پنجاب کی رہنے والی تھی...... اس نے امرتسر کے ایک کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا تھا اور دلی جا کر بھارت کی پاکستان دشمن آرگنائزیشن "را" میں شامل ہو گئی تھی...... وہ انگریزی کے علاوہ پاکستانی، پنجابی اور پاکستانی اُردو میں بڑی مہارت سے بات چیت کر سکتی تھی...... جب رام دُلاری نے اپنے پارٹی لیڈر دہشت گرد مکند لال کو ساری کہانی سنا دی تو مکند لال نے رام دُلاری سے کہا۔

"میں تمہارے سپرد ایک کام کر رہا ہوں...... جسے اپنی جان پر کھیل کر تم نے کرنا ہے" اور اس کام کو کامیابی سے پورا کرنے کے واسطے جتنی آسانیاں اور سہولتیں تمہیں مل سکتی ہیں ہم میں سے کسی کو نہیں مل سکتیں"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"مکند لال جی آپ کام بتائیں"۔

مکند لال نے کہا۔

"یہ بات ہمیں بھی معلوم ہے اور تم بھی جانتی ہو کہ اس وقت ہماری پارٹی کا ایک اہم ترین آدمی پاکستانی کمانڈو پولیس کی قید میں ہے اور پولیس اس سے پوچھ گچھ ضرور کرے گی...... اگر اس کی زبان کھل گئی اور پولیس کے تشدد سے گھبرا کر اس نے ہمارے راز اُگل دیئے تو نہ صرف یہ کہ ہم میں سے کوئی زندہ بچے گا بلکہ ہمارا سارا مشن برباد ہو جائے گا اور ہمارے ملک بھارت کو زبردست دھچکا لگے گا...... اس لئے تمہیں ہر حالت میں پاکستان کی اس کمانڈو تنظیم کے ہسپتال میں جا کر اپنے آدمی جمنا داس کو قتل کرنا ہے تاکہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اور سارا خطرہ ہمیشہ کے لئے ٹل جائے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"لیکن مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ یہ ہسپتال کہاں پر ہے"۔

"وہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں" مکند لال نے کہا...... "میں اس شہر کے بھی کونے کونے سے واقف ہوں اور میں نے یہ ہسپتال دیکھا ہوا ہے...... تم وہاں وہی مسلمان عورت حشمت بی بی بن کر جاؤ گی جس کو پولیس کمانڈوز نے بھارتی دہشت گردوں سے آزاد کرایا تھا...... وہ لوگ تمہاری شکل صورت سے واقف ہیں...... انہیں تم پر یقین ہے کہ تم ایک مسلمان عورت ہو اور دہشت گرد تمہیں اغوا کر کے لے گئے تھے...... وہ تم پر بھروسہ کریں گے...... تم ان کے اس بھروسے سے فائدہ اٹھا کر ہسپتال کے اس وارڈ یا اس کمرے تک پہنچو گی جہاں جمنا داس بستر پر زخمی حالت میں پڑا ہے"۔

رام دُلاری کہنے لگی۔

"مگر میں اسے کیسے قتل کروں گی؟"۔

مکند لال بولا۔

"اس کا طریقہ میں تمہیں بتاتا ہوں"۔

اس نے دہشت گرد رامو سے کہا۔

"کونے والے بکس میں سے پلاسٹک : چھوٹا ڈبہ نکال کر میرے پاس لے آؤ"۔

دہشت گرد راموجو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اٹھ کر کونے میں گیا اور وہاں جو بکس رکھا ہوا تھا اس میں سے پلاسٹک کا نیلے رنگ کا ڈبہ نکال کر لے آیا...... دہشت گردوں کے لیڈر مکند لال نے ڈبے کو کھولا...... اس کے اندر سے ایک اور لمبی سی ڈبی نکالی...... اس ڈبی کو کھول کر اس میں سے زرد رنگ کے ٹشو پیپر میں لپٹا ہوا انگلی کے برابر سائز کا سرنج نکال کر رام دُلاری کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"تم دیکھ رہی ہو کہ اس میں پہلے ہی سے سفید رنگ کی ایک دوائی بھری ہوئی ہے...... یہ دوائی نہیں زہر ہے...... ایسا زہر جو انسان کے جسم میں داخل ہوتے ہی اس کے اعصابی نظام کو توڑ پھوڑ کر ایک سیکنڈ کے اندر اندر اسے موت کی نیند سلا دیتا ہے...... تمہیں یہ انجکشن اپنے پاس چھپا کر رکھنا ہوگا...... تم ہسپتال جا کر ان کمانڈوز کو اپنا آپ دکھاتے ہوئے ان کے سامنے سے اس طرح گزرو گی جیسے تم نے انہیں نہیں دیکھا...... اگر فرض کر لیا کہ ان میں سے جو کوئی بھی وہاں موجود ہوگا وہ تمہیں کسی وجہ سے نہیں دیکھ سکے گا تو تم خود اس کے پاس چلی جاؤ گی اور ان لوگوں کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرو گی کہ انہوں نے دہشت گردوں سے تمہاری جان بچائی...... تم ان پر اپنی باتوں سے یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرو گی کہ جیسے تمہیں بھارتی دہشت گردوں کے کئی ایک ٹھکانوں کا علم ہے جہاں وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر پھرتے رہے ہیں...... وہ لوگ ضرور تم سے یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو جائیں گے اور ممکن ہے تمہیں اپنے ساتھ بھی چلنے کے لئے کہیں لیکن ان کے ساتھ جانے سے پہلے تمہیں یہ معلوم کر کے کہ جمنا داس کس وارڈ میں ہے، وہاں جا کر اس کو یہ انجکشن لگا کر اس کا کام تمام کرنا ہوگا...... اگر فرض کر لیا کہ تمہیں اس وقت جمنا داس کے قریب جانے اور اسے ہلاک کرنے کا موقع نہیں ملتا تو تم پولیس کمانڈو کے ساتھ جہاں وہ لے جائیں چلی جاؤ گی...... تم ایک تو ان کی دہشت گردوں یعنی ہمارے خلاف جو بھی سرگرمیاں اور سکیمیں ہیں وہ معلوم کر کے ہمیں ان سے آگاہ کرو گی اور دوسرے خود

ان کے کمانڈوز کے بارے میں معلومات حاصل کرو گی کہ وہ کہاں کہاں پر رہتے ہیں تاکہ ہم وہاں وہاں جا کر انہیں قتل کر دیں...... باقی تم تربیت یافتہ دہشت گرد عورت ہو...... تمہیں خود معلوم ہے کہ تمہیں اور کیا کیا کچھ کرنا ہوگا"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"اگر فرض کر لیا کہ ہسپتال میں مجھے ان لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں ملتا تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہوگا"۔

مکند لال نے زہریلے انجکشن کو ٹشو پیپر میں دوبارہ لپیٹتے ہوئے کہا۔

"اس صورت میں تم یہاں واپس آ جاؤ گی اور دوسرے دن پھر ہسپتال جا کر ان پولیس کمانڈوز کا سراغ لگاؤ گی...... وہ لوگ ابھی ابھی جمنا داس کو ہسپتال لے کر گئے ہیں...... مجھے یقین ہے کہ جن چھ سات پولیس کمانڈوز کو تم نے دیکھا ہے اور جنہوں نے تمہیں دیکھا ہوا ہے ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہسپتال کے کسی وارڈ میں ہوگا، بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے پولیس کمانڈوز نے جمنا داس کو کسی سپیشل کمرے میں سخت حفاظتی انتظامات کے تحت رکھا ہوگا...... یہ ہسپتال زیادہ بڑا ہسپتال نہیں ہے...... وہاں چھ سات ہی پرائیویٹ کمرے ہیں...... تمہیں آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ وہ لوگ کہاں پر ہیں اور جمنا داس کا کمرہ کون سا ہے...... میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ ہسپتال کس جگہ پر ہے"۔

اس کے بعد مکند لال نے رام دلاری کو تنظیم کے ہسپتال کا سارا پتہ اور محل وقوع بتایا اور کہا۔

"یہ ایک نیم خیراتی ہسپتال ہے...... تم وہاں اپنی بیمار والدہ کے لئے دوائی لینے کے بہانے بھی جا سکتی ہو...... وہ لوگ تمہیں وہاں دیکھ کر تم سے ضرور پوچھیں گے کہ ابھی صبح کو وہ لوگ تمہیں تمہارے گاؤں کے پاس چھوڑ کر آئے تھے تو اب تم ہسپتال کیسے آ گئیں...... تم انہیں کہنا کہ میری ماں میری جدائی میں سخت بیمار پڑ گئی تھی...... میں

جب گھر پہنچی تو اس کی حالت خراب تھی...... میں اس کے لئے ہسپتال سے دوا لینے آئی ہوں...... یہ بھی کہنا کہ ہم غریب لوگ ہیں...... کسی ڈاکٹر کو گھر نہیں بلا سکتے...... وغیرہ وغیرہ...... آگے تم بہتر اداکاری کر سکتی ہو...... میرا خیال ہے کہ جمنا داس ابھی جیسا کہ تم نے بتایا ہے شدید زخمی حالت میں ہے...... ابھی پولیس کمانڈو نے اس سے پوچھ گچھ شروع نہیں کی ہوگی، اس لئے ہم بے خوف و خطر ہو کر اس خفیہ تہہ خانے میں رہ سکتے ہیں...... ہم اسی جگہ تمہارا انتظار کریں گے...... اس دوران اگر خطرے کی کوئی بات ہوئی تو تم ہمیں جیسے بھی ہو سکے گا فوراً اطلاع کرو گی ٹھیک ہے؟"۔

"ٹھیک ہے" رام دُلاری نے کہا۔

مکند لال نے زہریلے انجکشن کی سوئی کے اوپر پلاسٹک کی چھوٹی سی ٹوپی چڑھا کر اسے ٹشو پیپر میں لپیٹ دیا تھا...... اس کے بعد اسے کپڑے کے چھوٹے رومال میں لپیٹا اور رام دُلاری کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنے لباس میں کسی ایسی جگہ چھپا کر رکھ لو جہاں آسانی سے کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے"۔

رام دلاری نے رومال میں لپٹا ہوا سرنج لیا اور اسے بڑے آرام سے اپنے گریبان کے اندر انگیا میں چھپا لیا...... مکند لال نے کہا۔

"اب تم پیچھے جا کر منہ ہاتھ دھو لو...... کپڑے یہی رہنے دینا...... ان کپڑوں میں پولیس کمانڈو تمہیں جلدی سے پہچان لیں گے...... ناشتہ وغیرہ بھی کر لینا...... تمہیں معلوم ہے کہ صبح کے وقت ہم کہاں اور کس طرح ناشتہ کرتے ہیں"۔

حشمت بی بی جو اصل میں بھارتی دہشت گردوں کی ساتھی رام دُلاری تھی، اٹھ کر تہہ خانے سے باہر نکلی اور کھنڈر کے صحن میں سے ہی گزر کر پیچھے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں گھس گئی جس کے اوپر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور کوٹھڑی باہر سے بالکل دکھائی نہیں دیتی تھی...... اس کوٹھڑی میں ایک جالی دار چھوٹی الماری تھی جس

کے اندر ایک میٹھی چٹنی کا ڈبہ اور ایک آم کے اچار کا ڈبہ پڑا تھا...... ایک پتیلی کے اندر رومال میں لپٹی ہوئی چھ سات چھوٹی روٹیاں تھیں...... پاس ہی پانی سے بھری ہوئی مٹی کی جھجھری پڑی تھی...... رام دُلاری نے اس میں سے پانی ایک پیالے میں ڈال کر سب سے پہلے منہ ہاتھ دھویا...... بالوں کو انگلیوں سے کنگھی کی...... پھر وہیں بیٹھ کر آم کے اچار سے روٹی کھائی...... پانی پیا اور واپس مکند لال کے پاس تہہ خانے میں آگئی، کہنے لگی۔

"میں جا رہی ہوں"۔

مکند لال نے بٹوے میں سے ساٹھ ستر کے قریب پاکستانی کرنسی کے نوٹ نکال کر دیئے اور کہا۔

"اسے بھی سنبھال کر رکھ لو...... میں نے تمہیں زیادہ پیسے اس لئے نہیں دیئے کہ پولیس کمانڈو کو شک پڑ سکتا ہے کہ ایک غریب استانی ہو، تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آگئی...... اب جاؤ، بھگوان تمہاری مدد کرے گا"۔

رام دُلاری نے ہاتھ جوڑ کر مکند لال اور رامو کو پرنام کیا اور تہہ خانے کا زینہ چڑھنے لگی...... تہہ خانے سے نکل کر وہ کھنڈر کے صحن میں آگئی...... صحن اسی طرح اُجاڑ پڑا تھا...... وہ اس راستے سے باہر نہ نکلی جس سے کھنڈر میں داخل ہوئی تھی بلکہ ایک دوسرے خفیہ راستے سے باہر نکل گئی...... اس طرف بھی ایک اُجاڑ میدان تھا...... وہ میدان کے کنارے کنارے اُگی ہوئی جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلتی اس کچے راستے پر آگئی جو ٹاہلی کے درختوں کے ذخیرے کے پہلو سے ہو کر آگے سڑک پر نکل جاتا تھا...... سڑک پر ٹریفک چل رہی تھی...... یہاں سے رام دُلاری نے ایک رکشا لیا اور کمانڈو تنظیم کے نیم خیراتی ہسپتال پہنچ گئی۔

رام دُلاری کو نئی دلی میں خفیہ ایجنسی "را" کی طرف سے جو کام وہ کر رہی تھی اس کی بڑی زبردست ٹریننگ ملی ہوئی تھی...... اسے معلوم تھا کہ ایسے موقع پر اسے کیا کرنا

ہے اور کیا نہیں کرنا...... اس نے ماں کی بیماری کے بہانے ہسپتال آنے کی جگہ ایک اور سکیم ذہن میں سوچ لی تھی...... ہسپتال ایک بڑی کوٹھی کی طرح کا تھا جس کے باہر صحن میں ایک دو سکوٹر اور ایک دو گاڑیاں کھڑی تھیں...... وہ ہسپتال میں داخل ہو گئی اور چہرے پر پریشانی کے آثار طاری کر کے ہسپتال کی راہ داری میں سے گزرنے لگی...... وہ ایک وارڈ کے باہر سے بھی گزری...... ہسپتال کے کل تین وارڈ تھے...... اس نے تینوں وارڈ پھر کر دیکھ لئے...... اسے پولیس کمانڈو کے وہ آدمی جنہوں نے خفیہ ٹھکانے پر صبح کے وقت چھاپہ مار کر اس کے ساتھیوں کو ہلاک کیا تھا اور اسے وہاں سے نکالا تھا یعنی شیر خان اور گل خان اور دوسرے کمانڈو کہیں نظر نہ آئے...... ان سب کی شکلیں رام دُلاری کو اچھی طرح سے یاد تھیں...... وہ ایک دوسری راہداری میں آ گئی...... وہاں خاموشی تھی...... ایک جگہ اسے پولیس کا ایک سپاہی کمرے کے دروازے کے باہر سٹول پر بیٹھا نظر آیا۔

رام دُلاری فوراً سمجھ گئی کہ جمنا داس اسی کمرے میں زیر علاج ہے، ورنہ اس کمرے کے باہر پولیس کا پہرہ بٹھانے کی ضرورت نہیں تھی...... وہاں اور کوئی نہیں تھا...... رام دُلاری منہ لٹکائے پولیس کانسٹیبل کے پاس آ کر رک گئی...... اس نے پوچھا

”بھائی! میاں محمد بشیر نام کا ایک کمپوڈر ہے...... وہ کس وارڈ میں ملے گا“۔

کانسٹیبل نے کہا۔

”بی بی! ہسپتال کے کسی آدمی سے پوچھو...... مجھے معلوم نہیں ہے“۔

رام دُلاری جان بوجھ کر وہاں کھڑی رہی...... کہنے لگی۔

”محمد بشیر میرے پھوپھڑ کا بھانجا ہے...... وہ اسی ہسپتال میں کمپوڈر ہے...... سا ہسپتال چھان مارا ہے...... خدا جانے کہاں چلا گیا ہے“۔

کانسٹیبل نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

”بی بی! وہاں ہسپتال کا دفتر ہے...... وہاں جا کر معلوم کرو“۔

اتنے میں سامنے سے سویلین کپڑوں والے دو آدمی آتے نظر آئے...... اگرچہ رام دُلاری نے شیر خان اور گل خان کو کمانڈو کی یونیفارم میں دیکھا ہوا تھا مگر اس نے سویلین کپڑوں میں بھی انہیں پہچان لیا...... شیر خان اور گل خان جب قریب آئے تو انہیں دیکھ کر کانسٹیبل اٹھ کر کھڑا ہو گیا...... شیر خان اور گل خان نے بھی رام دُلاری کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔

”حشمت بی بی! تم یہاں کیا کر رہی ہو...... صبح تو ہم نے تمہیں تمہارے گاؤں چھوڑا تھا“۔

رام دُلاری نے چہرے پر پریشانی طاری کرتے ہوئے شیر خان اور گل خان کو سلام علیکم کہا، پھر بولی۔

”بھائی جان جی کیا بتاؤں ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے...... آپ نے تو خدا خوفی کر کے مجھے ان کافر کتوں سے بچا لیا تھا لیکن جب میں گھر پہنچی تو مکان پر تالا لگا ہوا تھا...... ایک ہمسائی نے مجھے بتایا کہ میرے گم ہو جانے کے بعد میرے بوڑھے ماں باپ کی کمر ٹوٹ گئی...... غم سے ان کا برا حال ہو گیا...... گھر میں اور کوئی نہیں تھا...... ان غریبوں کی کون سنتا...... گاؤں والے باتیں بنانے لگے تھے کہ لڑکی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے...... تنگ آ کر میرے ماں باپ مکان کو تالا لگا کر کہیں چلے گئے“۔

شیر خان نے کہا۔

”بی بی! تم نے معلوم نہیں کیا کہ وہ کہاں گئے ہیں؟ ہو سکتا ہے تمہارے کسی رشتے دار کے گھر چلے گئے ہوں“۔

رام دُلاری نے کہا۔

”نہیں جی! یہاں ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے...... آگے پیچھے کوئی نہیں ہے...... میں ہی ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی...... اللہ جانے میرے بوڑھے ماں باپ کہاں مارے مارے پھرتے ہوں گے“۔

"تم یہاں ہسپتال میں کیا کر رہی ہو؟" گل خان نے پوچھا۔

رام دُلاری نے رونی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"ماں جی نے ایک بار بتایا تھا کہ اس ہسپتال میں ہمارا ایک دور کے رشتے دار کمپوڈر لگا ہوا ہے، بس صبح سے اس کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں"۔

"وہ ملا نہیں؟" شیر خان نے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"جس سے پوچھتی ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ اس نام کا یہاں کوئی کمپوڈر نہیں ہے، اس کا نام محمد بشیر ہے...... بھائی تمہاری مہربانی ہوگی...... تم مجھے محمد بشیر کا پتہ کردو... اگر وہ نہ ملا تو میں کہاں جاؤں گی...... گاؤں والے تو مجھے اپنے مکان میں گھسنے نہیں دیں گے، وہ کہتے ہیں کہ میری وجہ سے سارے گاؤں کی بدنامی ہوئی ہے"۔

شیر خان نے پہرے پر کھڑے پولیس کانسٹیبل سے کہا کہ وہ ہسپتال کے دفتر میں جا کر محمد بشیر کمپوڈر کے بارے میں پتہ کرے...... کانسٹیبل رائفل سنبھالتا ایک طرف چل دیا...... شیر خان نے رام دُلاری سے کہا۔

"حشمت بی بی! یہاں سٹول پر بیٹھ جاؤ"۔

رام دُلاری یا اللہ میرے گناہ معاف کردے کہتی ہوئی سٹول پر بیٹھ گئی اور تھوڑی سی غصیلی آواز بنا کر پوچھنے لگی۔

"وہ کتا کافر جس کو تم ہسپتال لے کر گئے تھے مرا ہے کہ نہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"وہ ابھی زندہ ہے لیکن بے ہوش پڑا ہے"۔

رام دُلاری نے ہاتھ جوڑ کر واسطے ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرے خدا کا واسطہ ہے...... اس کافر کتے کو زندہ نہ چھوڑنا"۔

پھر وہ زار و قطار جھوٹے آنسو بہانے لگی، بولی۔

"ان کافروں نے میری عزت خراب کی ہے...... خدا جانے مجھے کہاں کہاں لے کر پھرتے رہے ہیں...... ان کے آدمیوں نے ہر جگہ میری عزت لوٹی ہے...... میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی"۔

اور رام دُلاری ہچکیاں لینے لگی...... وہ بڑی ماہر اداکارہ کی طرح اداکاری کر رہی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"بی بی! تم فکر نہ کرو...... ہم نے کچھ تو مار دیئے ہیں باقی کافروں کو بھی ختم کردیں گے"۔

گل خان نے پوچھا۔

"بی بی! یہ لوگ تمہیں کون کون سے شہر میں لے گئے تھے...... کیا تمہیں کچھ یاد ہے؟"۔

رام دُلاری نے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو چھپا کر رکھتے تھے...... بند گاڑی میں پھرتے رہتے تھے...... اتنا یاد ہے...... کراچی بھی گئے تھے اور ایک بار راولپنڈی بھی مجھے لے گئے تھے...... ہر جگہ ان کافروں کے ساتھی خفیہ جگہوں پر موجود ہوتے تھے"۔

شیر خان نے انگریزی میں اپنے نائب گل خان سے کہا۔

"اس عورت سے ہمیں بڑی مفید معلومات مل سکتی ہیں...... میرا خیال ہے ہمیں اسے ہیڈ کوارٹر لے چلنا چاہئے"۔

رام دُلاری انگریزی زبان سمجھتی تھی...... وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ ان کے ساتھ جا کر ان کا ہیڈ کوارٹر دیکھے...... ان کا بھرپور اعتماد حاصل کرے اور دہشت گردوں کے خلاف وہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں ان سے مکند لال کو آگاہ کردے، تاکہ جہاں چھاپہ پڑنا ہو انہیں پہلے سے معلوم ہو جائے اور وہ وہاں سے فرار ہو کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں...... اتنے میں پولیس کانسٹیبل واپس آگیا...... اس نے بتایا کہ ہسپتال کے دفتر

والے کہتے ہیں کہ محمد بشیر نام کا کوئی کمپوڈر ہسپتال میں نہیں ہے...... رام دُلاری نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور روتے ہوئے بولی۔

"ہائے اب میں کیا کروں گی...... کہاں جاؤں گی...... میرا تو اس شہر میں کوئی بھی نہیں ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں حشمت بی بی! اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ چلو...... ہماری ایک بہن یہاں قریب ہی رہتی ہے...... وہاں تمہیں رہنے کو جگہ مل جائے گی...... جب تک تمہارے ماں باپ کا کچھ پتہ نہیں چلتا تم آرام سے وہاں رہنا...... وہاں تمہارے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا"۔

رام دُلاری نے محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت وہ جمنا داس کو زہریلا انجکشن نہیں لگا سکتی...... یہ اسے معلوم تھا کہ وہ ہسپتال کے اسی کمرے میں زیر علاج ہے، لیکن کمرے کے باہر پہرہ لگا تھا...... اس نے یہی سوچا کہ فی الحال وہ شیر خان وغیرہ کے ساتھ چلی جاتی ہے...... اس کے بعد دوسرے دن کوئی بہانہ بنا کر اکیلی ہسپتال آئے گی...... پولیس کانسٹیبل نے تو اسے شیر خان کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ ہی لیا ہے...... وہ اسے جمنا داس کے کمرے میں جانے کی شاید اجازت دے دے...... اتنی دیر میں وہ جمنا داس کو زہریلا انجکشن لگا کر اس کا کام تمام کر دے گی...... شیر خان نے اسے جو پیش کش کی اس کے جواب میں رام دُلاری نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔

"آپ میرے بڑے بھائی ہیں...... جیسا آپ کہتے ہیں ٹھیک ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"تھوڑی دیر یہیں بیٹھو...... ابھی چلتے ہیں"۔

شیر خان اور گل خان کمرے میں چلے گئے...... بھارتی دہشت گرد کو ابھی تک پوری طرح سے ہوش نہیں آیا تھا...... ایک نرس اس کے پاس بیٹھی تھی...... شیر خان

نے دھیمی آواز میں نرس سے پوچھا۔

"اب اس کا کیا حال ہے؟"۔

نرس نے کہا۔

"سر! ڈاکٹر صاحب ابھی چیک کر کے گئے ہیں...... میرا خیال ہے کل تک اسے ہوش آ جائے گا"۔

شیر خان اور گل خان ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے...... شیر خان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہم حشمت بی بی کو مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں کمرہ لے دیتے ہیں...... کیا خیال ہے"۔

"میرا خیال ہے یہی ٹھیک رہے گا" گل خان نے کہا...... جب تک شیر خان اور گل خان مریض کے کمرے میں رہے رام دُلاری باہر سٹول پر بیٹھی بڑے غور سے کمرے کے بند دروازے کا جائزہ لیتی رہی...... زہریلا انجکشن اس کے گریبان کے اندر لباس کے پیچھے موجود تھا، مگر اس وقت انجکشن کو استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا......

شیر خان اور گل خان کمرے سے باہر آ گئے...... انہوں نے دروازے کے پاس کھڑے پولیس کانسٹیبل کو ہدایت کی کہ سوائے ڈاکٹر اور نرس کے اور کسی کو کمرے کے اندر نہ جانے دیا جائے...... پھر رام دُلاری سے کہا۔

"آؤ حشمت بی بی ہمارے ساتھ"۔

باہر آ کر وہ گاڑی میں بیٹھے اور سیدھے شہر کی ایک ماڈرن کالونی میں واقع مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں آ گئے...... شیر خان نے رام دُلاری کو مسز انجم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہماری مہمان ہے...... یہ کچھ دن آپ کے ہوسٹل میں رہے گی"۔

مسز انجم ادھیڑ عمر کی خاتون تھیں...... اسے معلوم تھا کہ شیر خان کون ہے......

اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں...... انشاء اللہ اس بی بی کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی"۔

رام دُلاری بھی حشمت بی بی کی پوری پوری اداکاری کر رہی تھی...... شیر خان کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔

"بھائی جان جی! میں ہاتھ جوڑتی ہوں...... میرے ماں باپ کا ضرور پتہ کرادیں...... اللہ جانے ان پر کیا بیت رہی ہو گی...... کس حال میں ہوں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم ان کو تلاش کر لیں گے بی بی! تم حوصلہ رکھو"۔

شیر خان اور گل خان رام دُلاری کو مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں چھوڑ کر اپنی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر میں آ گئے اور سارا واقعہ کمانڈنگ آفیسر کو بیان کیا...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"اس عورت کی مدد سے ہمیں ملک میں بھارتی دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانوں کا سراغ مل سکتا ہے"۔

گل خان نے کہا۔

"سر! ہم اسے کل یہاں لے آئیں گے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"نہیں...... یہاں اسے لایا گیا تو ہو سکتا ہے وہ گھبرا جائے...... ہم خود گرلز ہوسٹل چلے جائیں گے...... مسز انجم کے آفس میں بیٹھ کر حشمت بی بی سے بات کریں گے"۔

دوسرے دن کمانڈنگ آفیسر، شیر خان اور گل خان مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں پہنچ گئے...... کمانڈنگ آفیسر نے مسز انجم سے کہا۔

"ہمیں حشمت بی بی سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، اسے آفس میں بلا دیں"۔

مسز انجم سمجھ گئی کہ یہ کوئی نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے، کہنے لگی۔

"میں اسے بلواتی ہوں...... آپ ساتھ والے کمرے میں بیٹھ جائیں"۔

تینوں مجاہد ساتھ والے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ گئے...... تھوڑی ہی دیر بعد رام دُلاری بھی آ گئی...... شیر خان نے اس سے کمانڈنگ آفیسر کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"حشمت بی بی! یہ سرکاری افسر ہیں...... ان کا کام گمشدہ لوگوں کا کھوج لگانا ہے...... یہ تمہارے ماں باپ کو تلاش کر لیں گے، جو یہ پوچھیں انہیں بتاتی جاؤ"۔

"اچھا جی! اللہ آپ کا بھلا کرے"۔

رام دُلاری نے معصوم سی صورت بناتے ہوئے کہا...... اندر سے وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ ان لوگوں کی کمانڈو آرگنائزیشن کا کوئی آفیسر ہے جو اس کے ساتھی دہشت گردوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہے...... کمانڈنگ آفیسر پہلے تو رام دُلاری یعنی حشمت بی بی کے ماں باپ کے بارے میں پوچھتا رہا کہ ان کا حلیہ کیا ہے...... تمہارے خیال میں وہ تمہارے کن رشتے داروں کے پاس جا سکتے ہیں...... تمہارے رشتے دار کہاں کہاں پر رہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ...... رام دُلاری عرف حشمت بی بی ہر سوال کا جواب اپنے حساب سے دیتی رہی...... آخر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کمانڈنگ آفیسر نے اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے رام دُلاری عرف حشمت بی بی سے کہا۔

"بی بی! آج کل ملک میں دشمن کے کچھ ایسے خطرناک آدمی سرحد پار کر کے آ گئے ہوئے ہیں جن کا کام ملک میں دھماکے کر کے، بے گناہ لوگوں پر حملے کر کے یہاں خوف و ہراس پھیلانا ہے...... یہ لوگ بچوں کے علاوہ بڑے بوڑھوں کو بھی اغوا کر کے لے جاتے ہیں...... تم ان دہشت گردوں کے ساتھ کچھ دیر رہی ہو...... کیا تمہیں یاد ہے ان لوگوں کے خفیہ ٹھکانے ملک میں کہاں کہاں تھے؟ ہو سکتا ہے تمہارے ماں باپ کو ان لوگوں نے ہی اغوا کیا ہو اور کسی خفیہ جگہ پر رکھا ہوا ہو"۔

رام دُلاری سب کچھ سمجھ رہی تھی کہ یہ آفیسر اس سے کیا معلوم کرنا چاہتا
ہے...... اس نے پہلے ہی سے اپنے ذہن کو تیار کر لیا ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں کو بھول
بھلیاں میں ڈال کر خود ان کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گی...... اس نے یہی
کیا، کہنے لگی۔

"خدا ان کافروں کا بیڑا غرق کرے...... یہ مجھے اغوا کر کے سب سے پہلے کراچ
لے گئے تھے...... وہاں سمندر کے کنارے ایک ویران جگہ پر ایک اصطبل میں ان کا خفیہ
ٹھکانہ تھا...... وہاں پہلے سے کچھ لوگ جو ہندو تھے موجود تھے...... اس کے بعد یہ مجھے
راولپنڈی لے آئے...... وہ مجھے بند گاڑی میں لاتے لے جاتے تھے...... مجھے ان ک
باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ یہ فلاں شہر ہے...... وہاں انہوں نے مجھے ہفتہ دس دن رکھ
اس کے بعد جہلم کے قریب ایک جنگل میں لے آئے جہاں بڑے درخت تھے......
وہاں بھی پہلے سے ان کے ساتھی موجود تھے...... وہاں انہوں نے مجھے چار پانچ دن رکھ
اور پھر لاہور لے آئے...... لاہور سے وہ کسی اور جگہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے ک
آپ لوگوں نے مجھے ان کافروں کی قید سے رہائی دلائی...... اللہ آپ کے بال ب
سلامت رکھے...... میں تو ہمیشہ آپ کو دعائیں دیتی رہوں گی"۔

کمانڈنگ آفیسر نے پوچھا۔

"کیا تم ہمیں وہ جگہیں دکھا سکتی ہو جہاں جہاں یہ دہشت گرد تمہیں لے
جاتے رہے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ وہیں کسی جگہ سے ہمیں تمہارے ماں باپ کا سرا
مل جائے"۔

رام دُلاری کہنے لگی۔

"یہ لوگ جہاں جاتے تھے مجھے کوٹھڑی میں بند رکھتے تھے...... اتنا یاد ہے کہ یہ
سے باہر ویران علاقے میں ٹھہرتے تھے...... پہلی بار لاہور میں آ کر یہ ایک آبا
والے علاقے میں ٹھہرے تھے...... راولپنڈی جہاں یہ مجھے لے کر گئے تھے...... وہ

مجھے یاد ہے"۔

"یہ جگہ پنڈی میں کہاں پر تھی؟" شیر خان نے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"کچھ کچھ یاد ہے...... وہاں ٹیلے تھے چاروں طرف...... درخت بھی تھے......
راستے میں کسی بزرگ کا مزار بھی آیا تھا...... میں نے بند گاڑی کے ایک سوراخ میں سے
دیکھا تھا...... اگر آپ مجھے وہاں لے جائیں تو میں مزار شریف کو پہچان لوں گی"۔

اب کمانڈنگ آفیسر...... شیر خان اور گل خان نے ایک دوسرے سے انگریزی
میں گفتگو شروع کر دی...... وہ اپنی باتیں رام دُلاری عرف حشمت بی بی سے چھپانا
چاہتے تھے...... ان کو کیا معلوم کہ رام دُلاری ان کی انگریزی کی گفتگو کا ایک ایک لفظ
سمجھ رہی ہے۔

کمانڈنگ آفیسر شیر خان سے کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے جس دہشت گرد کو ہم نے پکڑا ہے اس سے
پوچھ گچھ کرنی چاہئے...... یہ خاتون ہمیں جو کچھ بتا رہی ہے وہ اس کے محض اندازے
ہیں...... ممکن ہے گرفتار شدہ دہشت گرد سے ہمیں ان کے ٹھکانوں کی صحیح معلومات
مل جائیں"۔

شیر خان نے انگریزی میں جواب دیا۔

"ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس خاتون نے بھی سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ مسلمان خاتون ہے اور ہم سے پورا پورا تعاون کرے
گی اور جو کچھ اسے معلوم ہو گا ہمیں اپنی ذمے داری سمجھ کر بتائے گی"۔

گل خان نے انگریزی میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی اس خاتون کو یہاں گرلز ہوسٹل میں ہی رکھنا چاہئے
اور سب سے پہلے گرفتار شدہ دہشت گرد سے پوچھ گچھ شروع کر دینی چاہئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ خاتون اپنے ماں باپ کی گمشدگی سے بے حد پریشان ہے...... زیادہ دن گزر گئے تو ہو سکتا ہے یہ ہماری طرف سے مایوس ہو کر خود ہی اپنے ماں باپ کی تلاش میں یہاں سے چلی جائے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"ہم اس خاتون کی نگرانی کریں گے...... آج ہی سے دو آدمی گرلز ہوسٹل کے باہر اس کی نگرانی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں"۔

"یہ ٹھیک رہے گا سر!" شیر خان نے انگریزی میں ہی کہا۔

شیر خان نے انگریزی میں اپنے سی او سے کہا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ ہم نے جس دہشت گرد کو گرفتار کیا ہے اسے ہسپتال سے اٹھا کر اپنے سیکرٹ ہیلتھ سینٹر میں لے جاتے ہیں...... ہسپتال میں عام لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے...... خطرہ ہے کہ اس دہشت گرد کے ساتھی کہیں اسے ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، کیونکہ انہیں اس دہشت گرد کی طرف سے خطرہ لگا ہوگا کہ اگر تشدد سے گھبرا کر اس نے زبان کھول دی تو ان کے سارے خفیہ ٹھکانوں کا ہمیں پتہ چل جائے گا"۔

گل خان کہنے لگا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا سر! کیونکہ اس کے ساتھی دہشت گرد تو ضرور اس کو قتل کرنے کے لئے اس کے پیچھے لگے ہوں گے"۔

"اچھی تجویز ہے" کمانڈنگ آفیسر نے کہا...... "تم ایسا کرو کہ اسے آج ہی ہسپتال سے اپنے سیکرٹ ہیلتھ سینٹر میں منتقل کر دو...... وہاں اس کی بہتر دیکھ بھال بھی ہوگی اور اس کی جان کو کوئی خطرہ بھی نہیں ہوگا"۔

یہ لوگ بڑی بے تکلفی سے انگریزی میں باتیں کر رہے تھے...... ان کا خیال تھا کہ

جو عورت یعنی رام دُلاری حشمت بی بی کے بھیس میں ان کے پاس بیٹھی ہے، ان کی کوئی بات نہیں سمجھ رہی ہو گی...... انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ رام دُلاری ان کی ایک ایک بات سمجھ رہی تھی...... جب رام دُلاری نے یہ سنا کہ وہ جمناداس کو ہسپتال سے اٹھا کر اپنے کسی سیکرٹ ہیلتھ سنٹر میں لے جا رہے ہیں تو اسے فکر ہوئی...... اسے جمناداس جس کو وہ قتل کرنے وہاں آئی تھی اپنے ہاتھ سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا...... لیکن وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ کسی طریقے سے ان لوگوں سے یہ معلوم کرے کہ ان کا سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کہاں ہے جہاں وہ زخمی دہشت گرد جمناداس کو لے جا رہے تھے...... وہ اس بات سے بھی پریشان ہو گئی تھی کہ یہ لوگ اس کی نگرانی شروع کر رہے ہیں...... اس کا مطلب تھا کہ اب اگر وہ گرلز ہوسٹل سے نکل کر اپنے ساتھیوں مکند لال وغیرہ سے ملنے جائے گی تو اس کا پیچھا کیا جا رہا ہو گا اور یہ بڑی خطرناک بات تھی...... کمانڈنگ آفیسر نے اب اردو میں رام دلاری سے کہا۔

"بی بی! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... تھوڑا وقت ضرور لگے گا لیکن ہم تمہارے ماں باپ کو تلاش کر لیں گے...... ابھی تم اطمینان سے یہاں رہو...... یہاں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے گا...... اب ہم جاتے ہیں...... بہت جلد تمہیں کوئی خوشخبری دیں گے"۔

حشمت بی بی عرف رام دُلاری کو مسز انجم کے پاس چھوڑ کر تینوں مجاہد یعنی کمانڈنگ آفیسر، شیر خان اور گل خان واپس اپنے ہیڈ کوارٹر آ گئے...... وہاں پہنچتے ہی کمانڈنگ آفیسر نے اپنے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر والوں کو فون کیا اور کہا کہ تنظیم کے ہسپتال میں جو بھارتی دہشت گرد زخمی حالت میں زیر علاج ہے اسے اسی وقت ایمبولینس میں ڈال کر ہیلتھ سنٹر پہنچا دیا جائے...... فون بند کر کے انہوں نے شیر خان سے کہا۔

"شیر خان! تم فوراً ہسپتال پہنچو اور اپنی نگرانی میں دہشت گرد کو وہاں سے نکال کر ہیلتھ سنٹر پہنچاؤ"۔

"او کے سر!" شیر خان نے جواب دیا۔

اس کے فوراً بعد شیر خان جیپ لے کر ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا...... کمانڈنگ آفیسر نے گل خان سے کہا۔

"گل خان! تم ایسا کرو کہ اپنے دو کمانڈو کی سویلین کپڑوں میں مسز انجم کے گرلز ہوسٹل کے باہر ڈیوٹی لگا دو...... انہیں کسی طریقے سے حشمت بی بی کی شکل دکھا دو اور انہیں حکم دو کہ وہ اس عورت کی نگرانی کریں...... وہ اگر ہوسٹل سے نکل کر کسی طرف جاتی ہے تو اس کا پیچھا کریں گے"۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

یہ کہہ کر گل خان بھی کمرے سے چلا گیا...... اسی وقت اس نے دو بڑے تجربہ کار سراغ رساں کمانڈوز کو اپنے ساتھ جیپ میں بٹھایا اور سیدھا مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں آ گیا...... اس نے اپنے ساتھ ایک لفافہ دفتر کی الماری سے نکال کر رکھ لیا تھا۔

انہوں نے گرلز ہوسٹل کے باہر ہی گاڑی کھڑی کر دی...... گل خان نے دونوں سراغ رساں کمانڈوز کو ہوسٹل کے لان میں ایسی جگہوں پر کھڑا ہونے کو کہا جہاں سے وہ حشمت بی بی (رام دُلاری) کو دیکھ کر چہرہ شناسی کر سکتے تھے...... اس کے بعد وہ سیدھا مسز انجم کے آفس میں گیا...... وہاں مسز انجم سے کہہ کر حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو کمرے سے بلوایا...... جب رام دُلاری نیچے آئی تو گل خان اس سے اس کے ماں باپ کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے اسے باہر برآمدے میں اور پھر برآمدے سے لان میں پودوں کے پاس لے آیا...... یہ وہ مقام تھا جہاں سے دونوں سراغ رساں حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو دیکھ سکتے تھے...... رام دُلاری کو کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کی چہرہ شناسی کرائی جا رہی ہے...... گل خان نے لفافے میں سے چھ سات پاسپورٹ سائز کی تصویریں نکال کر رام دُلاری کو دکھائیں...... یہ بوڑھی عورتوں اور بوڑھے مردوں کی تصویریں تھیں...... گل خان نے کہا۔

"حشمت بی بی! یہ کچھ ایسے گم شدہ افراد کی تصویریں ہیں جو پولیس نے اسی ہفتے تلاش کئے ہیں اور جنہیں پولیس نے اپنی تحویل میں رکھا ہوا ہے...... تم دیکھو ان میں تمہارے ماں باپ کی تو کوئی تصویر نہیں ہے"۔

رام دُلاری نے ایک سرسری سی نظر تصویروں پر ڈالی اور کہا۔

"نہیں بھائی جان...... ان میں میری ماں اور باپ کی کوئی فوٹو نہیں ہے"۔

اس دوران نگرانی کرنے والے سراغ رساں حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو اچھی طرح سے دیکھ چکے تھے...... گل خان نے تصویریں لفافے میں ڈال دیں اور کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں...... ہم تلاش کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں...... اللہ نے چاہا تو اسی ہفتے تمہارے ماں باپ کا بھی سراغ مل جائے گا"۔

یہ کہہ کر گل خان وہاں سے واپس آ گیا...... رام دُلاری اپنے کمرے میں چلی گئی...... اسے مکند لال نے جو زہریلا ٹیکہ دیا تھا...... وہ رام دُلاری نے اپنے کمرے میں ایک پوشیدہ جگہ پر چھپایا ہوا تھا...... وہ ایک نئی اُلجھن میں مبتلا ہو گئی تھی...... پہلی بات تو یہ تھی کہ جس آدمی یعنی جمنا داس کو ہلاک کرنے کے لئے اسے بھیجا گیا تھا پولیس کمانڈو اسے ہسپتال کے کمرے سے نکال کر ہیلتھ سنٹر میں لے گئے تھے جس کا اتا پتہ رام دُلاری کو قطعی طور پر معلوم نہیں تھا...... وہ شیر خان وغیرہ سے اس ہیلتھ سنٹر کے بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتی تھی...... اندیشہ تھا کہ اگر وہ اس کے بارے میں پوچھتی ہے تو انہیں شک پڑ سکتا تھا کہ حشمت بی بی کیوں پوچھ رہی ہے...... دوسری مصیبت یہ تھی کہ گرلز ہوسٹل کے باہر اس کی نگرانی شروع ہو چکی تھی...... اب وہ وہاں سے اگر مکند لال کے پاس اس کو سارے حالات سے باخبر کرنے کے لئے جاتی ہے تو نگرانی کرنے والے ضرور اس کے پیچھے پیچھے آئیں گے اور خود اس کا راز فاش ہو جائے گا اور پولیس کمانڈوز کو دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کا بھی علم ہو جائے گا۔

یہ بات بھارتی دہشت گردوں کی تباہی کا باعث بن سکتی تھی۔

رام دُلاری کو محسوس ہو رہا تھا کہ ایک طرف جمنا داس اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور دوسری طرف وہ خود مصیبت میں پھنس گئی ہے اور شیر خان وغیرہ کی قیدی بن کر رہ گئی ہے...... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرف قدم اٹھائے...... اسے اپنے سامنے ایک ہی راستہ نظر آ رہا تھا کہ کسی طریقے سے شیر خان اور اس کے ساتھیوں سے یہ معلوم کرے کہ ان لوگوں کا سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کہاں ہے اور پھر وہاں پہنچنے کے بعد جمنا داس کو انجکشن لگا کر ہلاک کرنے کی کوشش کرے...... بظاہر یہ کام بھی اسے سخت مشکل معلوم ہو رہا تھا، کیونکہ اس کے پاس شیر خان اور گل خان ہی آتے تھے جن سے ہیلتھ سنٹر کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرنا خواہ مخواہ انہیں شک میں مبتلا کرنا تھا۔

دوسری طرف جب تین دن گزر گئے تو کمانڈنگ آفیسر نے کمانڈو شیر خان سے کہا۔

”اس عورت حشمت بی بی سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے...... اگر اس کی بتائی ہوئی معلومات ہمارے کسی کام نہیں آ سکتیں تو بہتر ہے کہ اسے دارالامان میں بھجوا دیا جائے...... گرلز ہوسٹل میں ہم اسے زیادہ دیر اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتے“۔

یہ حکم پا کر شیر خان گرلز ہوسٹل رام دُلاری کے پاس پہنچ گیا...... اسے مسز انجم کے ساتھ والے اکیلے کمرے میں بلوا کر اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں...... اسے بتایا کہ ابھی تک اس کے ماں باپ کا کوئی سراغ نہیں ملا...... اس کے بعد شیر خان نے اسے کہا۔

”حشمت بی بی! کیا تمہیں ان دہشت گردوں کا کوئی ایسا خفیہ ٹھکانہ معلوم ہے جہاں انہوں نے مستقل طور پر اپنا اڈہ بنایا ہوا ہو اور جہاں وہ اکثر آتے جاتے رہتے ہوں“۔

رام دُلاری بھی اب اس معاملے کو لٹکانا چاہتی تھی تا کہ وہ ان لوگوں کے قریب رہ کر جتنی جلدی ہو سکے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کا پتہ معلوم کر سکے...... اس نے کہا۔

”ایک جگہ ضرور تھی، مگر اب یاد نہیں آ رہا کہ وہ جگہ کس شہر میں تھی...... ایک پرانا قلعہ سا تھا...... جنگل تھا...... وہاں انہوں نے ایک تہہ خانے میں اپنا اڈہ بنایا ہوا تھا...... وہاں انہوں نے گولہ بارود اور اسلحہ بھی جمع کر رکھا تھا اور دوسرے ہندو دہشت گرد بھی آتے تھے جو وہاں سے ہدایات اور اسلحہ وغیرہ لے کر واردات کرنے چلے جاتے تھے“۔

شیر خان نے کہا۔

”ذہن پر زور دے کر یاد کرو کہ یہ جگہ کس شہر میں تھی اور کہاں پر تھی...... شاید تمہیں یاد آ جائے، کیونکہ اگر ہم وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو یقین کرو کہ تمہارے ماں باپ کا سراغ ضرور مل جائے گا...... ہمیں خفیہ ذریعوں سے یہ اطلاع مل چکی ہے کہ تمہارے ماں باپ ان کافر دہشت گردوں کی قید میں ہی ہیں“۔

رام دُلاری دل میں ہنس پڑی کہ یہ آدمی شیر خان اسے کس طرح بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے، مگر مقام ایسا تھا کہ وہ بے وقوف بن کر ہی اپنا مطلب حاصل کر سکتی تھی، جس طرح بجلی چمک جاتی ہے بالکل اسی طرح رام دُلاری کے ذہن میں ایک خیال آ گیا...... اس نے شیر خان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دم سے کہا۔

”ایک بات ہو سکتی ہے“۔

”وہ کیا...... شیر خان نے جلدی سے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"کسی وقت ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی کو کوئی خاص شکل یا کوئی خاص جگہ یاد نہ آ رہی ہو تو اس سے ملتی جلتی کوئی شکل یا کوئی جگہ اسے دکھا دی جائے یا وہ خود دیکھ لے تو اسے ایک دم خاص شکل یا خاص جگہ یاد آ جاتی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں تمہاری بات سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہتی ہو"۔

رام دُلاری بولی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں بھائی جان کہ تم لوگوں نے کافروں کا جو ایک آدمی پکڑا ہوا ہے اور جو زخمی حالت میں ہے، اگر میں ایک نظر اس کی شکل دیکھ لوں تو ممکن ہے اس کو دیکھ کر مجھے وہ شہر اور وہ جگہ یاد آ جائے جہاں ان لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنایا ہوا تھا...... کیونکہ یہ آدمی جو اس وقت زخمی حالت میں تمہاری قید میں ہے اس اڈے میں باہر سے آنے والے کافروں کو گولہ بارود اور بم وغیرہ دیا کرتا تھا اور پہلے سے وہیں رہ رہا تھا...... جب مجھے وہاں لے جایا گیا تھا تو یہ پہلے سے وہاں موجود تھا...... اس کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ ہی لاہور آ گیا تھا...... میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتی لیکن میرا خیال ہے کہ شاید اس کی صورت دیکھ کر میرے ذہن میں وہاں کی ساری یاد اور وہاں کا سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جائے اور وہ شہر بھی یاد آ جائے جہاں یہ خفیہ اڈہ تھا"۔

شیر خان کو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئی کہ وہ حشمت بی بی کو سیکرٹ ہیلتھ سنٹر لے جا کر اسے گرفتار شدہ زخمی بھارتی دہشت گرد کی شکل دکھا دے...... پھر بھی اس نے اپنے کمانڈنگ آفیسر سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے حشمت بی بی! میں اپنے ساتھی سے مشورہ کر کے تمہیں کل بتاؤں گا"۔

شیر خان نے گرلز ہوسٹل سے واپس آ کر گل خان سے مشورہ کیا...... اس نے کہا۔

"اس خاتون کو ہیلتھ سنٹر لے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے...... ہو سکتا ہے زخمی دہشت گرد کو دیکھ کر اسے واقعی وہ شہر یاد آ جائے اور وہ جگہ بھی یاد آ جائے جہاں ان بھارتی دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے...... اس کا یہ کہنا بہت حد تک صحیح ہے، کیونکہ عام زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک شکل کو دیکھ کر دوسری شکل یاد آ جاتی ہے اور ایک شہر کی تصویر دیکھ کر کوئی اسی سے ملتا جلتا دوسرا شہر یاد آ جاتا ہے...... پھر بھی ہمیں سی او صاحب سے بات کرنی ہو گی، ان کی اجازت کے بغیر ہم اس خاتون کو سیکرٹ ہیلتھ سنٹر نہیں لے جا سکتے"۔

کچھ دیر کے بعد شیر خان اور گل خان دونوں اپنے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے ان کے آفس میں بیٹھے تھے...... کمانڈنگ آفیسر نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"یہ بات ہمارے ضابطے کے خلاف ہے...... ہم اپنی خفیہ جگہوں پر کسی باہر کے آدمی کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتے، لیکن یہ صورت حال ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں تھوڑی دیر کے لئے اپنے قاعدے قانون کو بھلانا ہی پڑے گا...... صرف ایک احتیاط کرنا، حشمت بی بی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ہیلتھ سنٹر میں لے جانا"۔

"ایسا ہی کریں گے سر!" شیر خان نے کہا۔

اس وقت رات ہو رہی تھی...... دوسرے دن شیر خان نے گل خان کو ساتھ لیا اور گرلز ہوسٹل آ گیا...... رام دُلاری یعنی حشمت بی بی کو بلوا کر شیر خان نے اسے کہا۔

"بی بی! ہم نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا ہے...... ہم تمہیں اس جگہ لئے چلتے ہیں جہاں وہ دہشت گرد زیر علاج ہے، جسے ہم نے زخمی حالت میں گرفتار کیا تھا اور جسے تم ایک نظر دیکھنا چاہتی ہو...... ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر تمہیں اور بہت کچھ یاد آ جائے"۔

رام دُلاری کے دل کی مراد پوری ہو گئی تھی...... اسے ایسے لگا جیسے اندھیرے میں چلایا ہوا اس کا تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا ہے، مگر چہرے سے اس نے کسی قسم کے خوشی کے تاثر کا اظہار نہ ہونے دیا، بلکہ الٹا غصے میں آ کر بولی۔

"میں اس منحوس کتے کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن یہ میرے ملک پاکستان کا معاملہ ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس کافر کتے کی شکل دیکھ کر مجھے وہ جگہ اور وہ شہر ضرور یاد آ جائے گا جہاں ان لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنا رکھا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"بیٹی، تمہیں ایک تکلیف ہم ضرور دیں گے، اس کے لئے تم ہمیں ضرور معاف کر دینا"۔

رام دُلاری نے اپنے دماغ میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کو دھکا تو ضرور لگا لیکن وہ انہیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی...... یہ اس کی مجبوری تھی۔

گل خان نے کہا۔

"اگر تم تیار ہو تو اسی وقت ہمارے ساتھ چلی چلو...... ہماری گاڑی باہر کھڑی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"میں کمرے کو تالا لگا کر ابھی آتی ہوں"۔

رام دُلاری نے اپنے کمرے میں آ کر جہاں اس نے زہریلے انجکشن کا سرنج رومال میں لپیٹ کر چھپایا ہوا تھا وہاں سے اسے نکالا اور اسے اپنے سینے کے اندر انگیا میں اچھی طرح سے چھپا لیا اور کمرے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے آ گئی...... باہر ان کی جیپ کھڑی تھی جو ترپال سے چاروں طرف سے بند تھی...... ایک طرف چھت کے پاس ہوا کیلئے دو

چوکور چھوٹے چھوٹے طاق رکھے گئے تھے...... شیر خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... گل خان حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو ساتھ لے کر جیپ کے اندر بیٹھ گیا۔

گاڑی تنظیم کے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... رام دُلاری کو باہر کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا...... اس نے اپنی سماعت یعنی سننے والی حس کو پوری طرح سے بیدار کر دیا، جس طرح کوئی کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اسی طرح باہر کی آوازیں سننے لگی...... جیپ مختلف جگہوں پر سے موڑ کاٹتی ہوئی چلی جا رہی تھی...... باہر سے صرف موٹر گاڑیوں، رکشوں اور سکوٹروں وغیرہ کی آوازیں ہی آ رہی تھیں...... یہ ایسی آوازیں تھیں جو ایک بڑے شہر کے ہر بازار سے آتی ہیں...... ان آوازوں کی مدد سے وہ راستے کی نشاندہی نہیں کر سکتی تھی کہ اسے کن کن راستوں سے گزار کر سیکرٹ ہیلتھ سنٹر لے جایا گیا تھا...... یہ وہ اس لئے کر رہی تھی کہ عین ممکن تھا کہ جس وقت شیر خان وغیرہ اسے جمنا داس کے پاس لے کر جائیں اور اس کا چہرہ اسے دکھائیں تو یہ دونوں وہاں پر موجود ہوں اور جمنا داس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع ہی نہ مل سکے اور اسے اس کام کے لئے وہاں خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح اکیلی ہی آنا پڑ جائے۔

اتنا رام دلاری نے یاد رکھا تھا کہ گرلز ہوسٹل کے احاطے سے نکلنے کے بعد ان کی گاڑی دائیں طرف کو مڑی تھی اور پھر چھ سات منٹ تک بالکل سیدھی چلتی رہی تھی اور اس کے بعد ایک بار پھر دائیں طرف کو مڑ گئی تھی...... اس کے بعد کا راستہ وہ یاد نہ رکھ سکی تھی...... جیپ کوئی پندرہ منٹ تک سڑک پر سے گزرتی رہی...... اب سڑکوں پر ٹریفک کا شور بالکل ہی کم ہو گیا تھا، جس سے رام دلاری نے اندازہ لگایا کہ یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے...... جیپ ایک جگہ رُک گئی...... وہ یہی سمجھی کہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر آ گیا ہے، لیکن اندر سے گل خان نے آواز دے کر پوچھا۔

"شیر خان جی! گاڑی کیوں روک لی؟"۔

ترپال کی دیوار کے پیچھے سے شیر خان کی آواز آئی۔

"ریلوے پھاٹک بند ہے"۔

یہ ایک بہت بڑی اور مستقل نشانی تھی جسے رام دُلاری نے اسی وقت اپنے ذہن میں بٹھالیا کہ ہیلتھ سنٹر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک ریلوے پھاٹک بھی آتا ہے...... تھوڑی دیر بعد ٹرین دھڑ دھڑاتی ہوئی گزر گئی...... اس کے بعد پھاٹک کھل گیا اور ان کی جیپ آگے کو چل پڑی...... تھوڑا آگے جانے کے بعد رام دُلاری کو بڑی تیز بو محسوس ہوئی...... اس نے گل خان سے پوچھا۔

"بھائی جان جی! یہ کس چیز کی بد بو ہے؟"۔

وہاں ایک چمڑا رنگنے کی فیکٹری تھی...... یہ بو اس فیکٹری کی طرف سے آرہی تھی، لیکن گل خان نے اسے صرف اتنا ہی کہا۔

"پتہ نہیں کس چیز کی بو ہے...... کبھی کبھی یہاں سے گزرتے ہوئے آیا کرتی ہے"۔

وہ اسے چمڑا رنگنے کی فیکٹری کا بتا کر علاقے اور راستے کی نشاندہی نہیں کرانا چاہتا تھا...... اگرچہ اسے حشمت بی بی سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن یہ ان کے اصول کے خلاف تھا...... گل خان اور شیر خان کو کیا خبر تھی کہ وہ بھارت کی نمبرون جاسوسہ اور خطرناک دہشت گردوں کی ساتھی رام دُلاری کو اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں۔

دو تین منٹ کے بعد بو آنی بند ہو گئی...... گاڑی ایک دو موڑ مڑنے کے بعد ایک جگہ رُک گئی...... گل خان نے جیب سے کپڑے کی کالی پٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"بی بی! یہاں مجھے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اور گل خان نے اس کی آنکھوں پر اس طریقے سے پٹی باندھی کہ جب وہ گل خان کا ہاتھ پکڑ کر جیپ سے باہر دن کی روشنی میں آئی تو اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا......

شیر خان بھی گاڑی سے نکل آیا تھا...... گاڑی ایک تین چار کمروں والی اِک منزلہ عمارت کے احاطے میں کھڑی تھی جس کو چاروں طرف سے درختوں نے گھیر رکھا تھا...... گل خان نے رام دُلاری کا ہاتھ تھام رکھا تھا...... یہ تنظیم کا خصوصی خفیہ ہیلتھ سنٹر تھا جہاں ان مجاہدوں کا علاج معالجہ ہوتا تھا جن کی شناخت بعض مصلحت کے تحت خفیہ رکھنی ہوتی تھی...... عمارت کی پیشانی پر کوئی بورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا...... دروازہ بند تھا...... اس کے باہر کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا...... شیر خان آگے تھا...... وہ دروازہ کھول کر عمارت میں داخل ہو گئے...... یہاں پہلی مرتبہ رام دُلاری کو ڈیٹول اور دوسری دوائیوں کی بو محسوس ہوئی جس سے وہ سمجھ گئی کہ یہی سیکرٹ ہیلتھ سنٹر ہے...... رام دُلاری کو ایک کمرے میں کرسی پر بٹھا دیا گیا...... پھر اس کی آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی۔

رام دُلاری نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ہے جہاں صرف ایک دھیمی روشنی والا بلب جل رہا ہے...... گل خان اس کے پاس ہی بیٹھا ہے...... شیر خان وہاں نہیں ہے...... کمرے کی صرف ایک ہی کھڑکی ہے جس کے آگے پردہ گرا ہوا ہے...... رام دُلاری نے حشمت بی بی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خدا جانتا ہے...... اس ہندو کافر کا منحوس چہرہ میں ساری زندگی نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن اب دیکھنا ضروری ہو گیا ہے...... کہاں ہے وہ ذلیل کافر؟"۔

گل خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ابھی تمہیں اس کے پاس لے جائیں گے"۔

رام دُلاری کو یقین ہو گیا تھا کہ جب وہ اپنے دہشت گرد ساتھی جمنا داس کے قریب جائے گی تو یہ دونوں پولیس کمانڈو اس کے ساتھ ہوں گے اور اسے جمنا داس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا...... پھر بھی اس نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا...... اتنے میں شیر خان کمرے میں آیا، کہنے لگا۔

"حشمت بی بی! آجاؤ...... اس بھارتی دہشت گرد کو بہت گولیاں لگی ہیں اور بہت ساخون بہہ گیا تھا...... ابھی تک وہ پوری طرح سے بات نہیں کر سکتا"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"مجھے اس کافر سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں تو صرف اس ایک نظر دیکھوں گی...... شاید اس کی مکروہ صورت دیکھ کر مجھے یاد آجائے کہ ان لوگوں کا مستقل ہیڈ کوارٹر کہاں اور کس شہر میں تھا"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں...... میرے ساتھ آؤ"۔

رام دُلاری شیر خان کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آئی...... باہر آمنے سام تین چار کمروں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ تھا...... ایک دروازے کے باہر کمانڈو سٹین گن لئے کھڑا تھا...... قریب جا کر شیر خان نے اسے اشارہ کیا...... گارڈ ڈیو پر کھڑے کمانڈو نے کمرے کا دروازہ آدھا کھول دیا...... شیر خان رام دُلاری کو لے کمرے میں داخل ہو گیا...... گل خان ان کے پیچھے تھا...... کمرے میں گہری خامو چھائی ہوئی تھی...... درمیان میں لوہے کے پلنگ پر دہشت گرد جمناداس بالکل سیدھا تھا...... اس کا بایاں بازو اور شانہ سینے تک پٹیوں میں چھپا ہوا تھا...... دائیں بازو پر ڈر لگا تھا...... ناک میں آکسیجن کی نالی لگی تھی...... اس کی آنکھیں بند تھیں۔

رام دُلاری نے ایک سیکنڈ میں اسے پہچان لیا...... یہ ان کا دہشت گرد سا جمناداس ہی تھا...... ایک ادھیڑ عمر نرس پلنگ کی پائنتی کی طرف کھڑی چارٹ پر کچھ رہی تھی...... کمرے میں ایک ہی کھڑکی تھی...... اس پر گہرے رنگ کا پردہ گرا ہوا لیکن دونوں پردوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ اوپر سے نیچے تک خالی تھی جس سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی...... رام دُلاری ابھی تک دروازے کے پاس ہی دیو کے ساتھ کھڑی تھی...... اس کی ایک جانب گل خان تھا اور دوسری جانب شیر خا

تھا...... شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"بی بی! اس کی شکل غور سے دیکھو...... شاید تمہیں کچھ یاد آجائے"۔

وہ رام دُلاری کو ساتھ لے کر پلنگ کے قریب آگیا...... رام دُلاری نے جمناداس کی شکل کیا دیکھنی تھی...... اس شکل کو تو وہ تقریباً روز ہی دیکھا کرتی تھی...... صرف ایک بات کا اسے افسوس تھا کہ وہ جمناداس کو زہریلا انجکشن دے کر موت کی نیند نہیں سلا سکتی تھی، جس مقصد کو لے کر وہ وہاں آئی تھی کہ جیسے وہ دہشت گرد کی شکل کو دیکھ کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے...... حقیقت میں وہ کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں پردے کے درمیان جو خالی جگہ تھی اس میں سے اسے دور کھیتوں میں کسی مسجد کا اونچا مخروطی مینار نظر آرہا تھا...... پھر ایک ریل گاڑی دور سے گزرتی دکھائی دی...... رام دُلاری کے لئے اس خفیہ ہیلتھ سنٹر کی یہ نشانیاں کافی تھیں۔

دہشت گرد جمناداس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا...... نرس نے شیر خان کو اشارہ کیا...... شیر خان نے رام دُلاری کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"اب چلو"۔

اور وہ تینوں کمرے سے باہر آگئے...... رام دُلاری کو دل میں افسوس لگ رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد کے بالکل قریب پہنچ کر اسے حاصل نہیں کر سکی تھی...... ساتھ والے کمرے میں واپس آکر شیر خان نے رام دُلاری کو جسے وہ سب حشمت بی بی ہی سمجھ رہے تھے، اپنے سامنے کرسی پر بٹھالیا اور اس سے پوچھا۔

"کچھ یاد آیا؟"۔

جس طرح شیر خان اور گل خان اس عورت سے کچھ مفید معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے اسی طرح رام دُلاری بھی ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی، جس میں وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی تھی...... اس کو بہت جلد محسوس ہو گیا تھا کہ یہ کمانڈو لوگ اپنے منصوبوں کے بارے میں کسی کے سامنے ایک دوسرے سے بھی کوئی

بات نہیں کرتے...... وہ انتہائی رازداری سے کام لیتے تھے...... پھر بھی رام دُلاری ابھی اپنے آپ کو ان کے ساتھ لگائے رکھنا چاہتی تھی...... اس امید پر کہ شاید کسی وقت اسے ان لوگوں کا کوئی راز ہاتھ آ جائے...... اس نے کہا۔

"مجھے اس کافر کی شکل دیکھ کر کچھ کچھ یاد آ رہا ہے...... میں زیادہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں"۔

گل خان نے شیر خان کو انگریزی میں کہا۔

"میرا خیال ہے اسے ایک دو دن کی مہلت دینی چاہیے، ہو سکتا ہے اسے سب کچھ یاد آ جائے"۔

شیر خان نے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو"۔

اس کے بعد گل خان نے رام دُلاری کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھی اور اسے بنا گاڑی میں بٹھا کر واپس چل پڑے۔

گرلز ہوسٹل کے ایک کمرے میں آ کر رام دُلاری نے جمنا داس کو قتل کرنے کی سکیم پر غور شروع کر دیا...... جمنا داس کا کام تمام کرنے کے لئے اس کا گرلز ہوسٹل سے نکلنا ضروری تھا...... مصیبت یہ تھی کہ اس کی نگرانی ہو رہی تھی...... اگر وہ باہر نکلتی ہے اور ہیلتھ سنٹر کی طرف چلتی ہے تو اس کی نگرانی کرنے والے جاسوس ضرور اس کا پیچھا شروع کر دیں گے...... اس کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں تھا کہ وہ اپنا حلیہ بدل کر ہوسٹل سے نکلے...... حلیہ بدلنے اور بھیس بدلنے کا سازوسامان ان کے مکند لال والے خفیہ ٹھکانے پر تھا...... رام دُلاری وہاں بھی نہیں جا سکتی تھی...... اس طرف جانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان لوگوں کو اپنے گروہ کے خفیہ ٹھکانے کا پتہ بتا دے گی۔

رام دُلاری کے ذہن نے بڑی تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا...... اس کو گرلز ہوسٹل کے کمرے میں ہی اپنا حلیہ تبدیل کرنا تھا...... سوال یہ تھا کہ سازوسامان کے نہ

ہوتے ہوئے وہ حلیہ کیسے بدل سکتی تھی...... رام دُلاری کے عیار ذہن میں آخر ایک ترکیب آ گئی...... اسے یاد آ گیا کہ کسی ڈیری فارم کا ایک ٹرک گرلز ہوسٹل میں دودھ دینے صبح صبح منہ اندھیرے آتا ہے...... اگر وہ کسی طرح اس ٹرک میں چھپ کر بیٹھ جائے تو نگرانی کرنے والوں کی نظروں سے بچ کر نکل سکتی تھی...... اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ وہ کسی ایسے طریقے سے باہر نکلے کہ اس کی نگرانی کرنے والوں کو خبر نہ ہو سکے کہ وہ باہر نکل گئی ہے اور وہ اس کا پیچھا نہ کر سکیں...... اگر وہ ہیلتھ سنٹر پہنچ کر اپنے مقصد میں ایک بار پھر ناکام رہتی ہے تو واپسی کی اسے فکر نہیں تھی...... واپس آنے پر اگر جاسوس اسے ہوسٹل میں داخل ہوتے دیکھ بھی لیتے ہیں تو وہ کہہ سکتی ہے کہ کمرے میں بند رہ کر وہ تنگ آ گئی تھی اور سیر کرنے کو نکل گئی تھی اور اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اسے گرلز ہوسٹل میں واپس آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

یہی ایک ترکیب تھی جس پر اگر وہ کامیابی سے عمل کر لیتی ہے تو گرلز ہوسٹل سے جاسوسوں کو جل دے کر نکل سکتی تھی...... اس نے ایک دو بار جبکہ وہ جاگ رہی تھی صبح صبح اس دودھ والے ٹرک کو ہوسٹل کے احاطے میں آ کر ایک طرف کھڑے ہوتے اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے دیکھا ہوا تھا...... ٹرک میں دو آدمی ہوتے تھے...... ایک ڈرائیور اور دوسرا آدمی اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوتا تھا...... وہ ٹرک لے کر آتے تھے...... ٹرک کو احاطے کی دیوار کے پاس کھڑا کرتے تھے...... ٹرک کے پیچھے دودھ کے کپے لدے ہوتے تھے...... دونوں آدمی ایک کپا نکال کر ہوسٹل کے کچن کی طرف لے جاتے تھے...... رام دُلاری نے ایک بار یہ پورا منظر یونہی اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے کھڑے دیکھا تھا اور اب اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا، جس وقت ڈرائیور اور اس کا ساتھی دودھ کے کپے کو اٹھا کر کچن کی طرف جاتے تھے تو ٹرک کے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا اور وہاں ہلکا ہلکا اندھیرا ابھی ہوتا تھا...... رام دُلاری نے سوچا کہ وہ اس

وقت ٹرک میں کسی جگہ چھپ سکتی ہے...... اس قسم کے کئی طریقے رام دُلاری کو نئی دہلی والوں نے ٹریننگ کے دوران سکھا رکھے تھے...... اس نے یہی طریقہ آزمانے کا فیصلہ کر لیا...... اس وقت اندھیرا ہوتا تھا...... اس کی نگرانی کرنے والے ظاہر ہے گرلز ہوسٹل کے احاطے کے باہر گیٹ کے آس پاس کسی جگہ چھپ کر بیٹھے ہوں گے...... انہیں خبر بھی نہیں ہوگی...... رام دُلاری کو مسز انجم نے ایک نیا جوڑا پہننے کو دیا تھا...... اس نے وہی جوڑا پہن رکھا تھا...... رام دُلاری نے اپنا پرس کھول کر دیکھا...... مکند لال نے جمنا داس کو ہلاک کرنے کی مہم پر بھیجتے ہوئے رام دُلاری کو جتنے پیسے کرنسی نوٹوں کی شکل میں دیئے تھے وہ اس کے پاس محفوظ تھے...... زہریلے انجکشن کی سرنج اس نے ایک الماری کے اندر پرانے کپڑوں میں چھپا کر رکھ دی تھی...... رام دُلاری نے اسے بھی نکال کر چیک کیا اور پھر وہیں چھپا کر رکھ دی، وہ کمرے کی کھڑکی کے پاس آ گئی اور پردہ ذرا سا ہٹا کر ہوسٹل کے احاطے میں وہ جگہ دیکھنے لگی جہاں صبح کے وقت ڈیری فارم کا ٹرک آ کر کھڑا ہوتا تھا۔

اس نے اپنے ذہن میں ایک نقشہ تیار کر لیا کہ اسے کس طرف سے ٹرک کے پاس جانا ہوگا...... یہ کام اسے بڑی تیزی سے کرنا تھا، کیونکہ ٹرک ڈرائیور اور اس کا کلینر جب دودھ کا کپا اٹھا کر کچن میں رکھنے جاتے تھے تو انہیں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی...... ساری سکیم ذہن میں بنانے کے بعد رام دُلاری پلنگ پر آ کر لیٹ گئی...... دن گزر گیا...... شام کو گل خان اکیلا ہی اس سے ملنے آ گیا...... اس نے پوچھا۔

”حشمت بی بی! اب تک تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور یاد آ گیا ہوگا کہ ان دہشت گردوں کا مستقل ٹھکانہ کون سے شہر میں تھا اور کس جگہ پر تھا“۔

رام دُلاری نے گہرے غور و فکر کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”بھائی جان جی! بہت یاد کرتی ہوں...... بس اتنا ہی یاد آتا ہے کہ ایک جنگل تھا...... اس میں ایک جگہ زمین کے اندر راستہ جاتا تھا...... وہاں ان لوگوں نے اپنا اڈہ بنا رکھا

تھا...... یہ یاد نہیں آ رہا کہ وہ شہر کون سا تھا...... یہ لوگ ریل گاڑیوں میں تو سفر کرتے نہیں تھے...... رات کے اندھیرے میں بند گاڑی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے...... کبھی کسی کے منہ سے شہر کا نام نکل جاتا تھا تو مجھے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ فلاں شہر ہے...... میں یاد کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہوں...... کل تک شاید کچھ یاد آ جائے“۔

گل خان کچھ دیر بیٹھ کر یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ وہ کل کسی وقت پھر آئے گا...... رام دُلاری کا کھانا اس کے کمرے میں ہی ایک نوکرانی لے کر آتی تھی...... شیر خان نے مسز انجم کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ حشمت بی بی کو ہوسٹل کی دوسری لڑکیوں سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے...... رام دُلاری خود بھی دوسری لڑکیوں سے دور ہی رہتی اور زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی تھی...... اس نے رات کا کھانا کھایا اور مسز انجم نے اسے جو چھوٹا کلاک دیا تھا اس پر صبح کے چار بجے کا الارم لگا دیا...... رات کے دس بجے تک وہ پلنگ پر لیٹی ایک رسالہ پڑھتی رہی...... اس کے بعد سو گئی۔

ٹھیک چار بجے اسے الارم نے جگا دیا...... اس نے اٹھتے ہی سب سے پہلے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا...... ابھی رات کا اندھیرا باقی تھا...... اسے احاطے میں کوئی ٹرک دکھائی نہ دیا...... اس نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... بالوں میں کنگھی کی...... اپنے کپڑوں کو درست کیا اور گہرے بادامی رنگ کی چادر اوڑھ کر الماری کے پاس آ گئی...... الماری میں سے زہریلے انجکشن کا سرنج نکال کر اسے ایک بار پھر اچھی طرح سے رومال میں لپیٹا اور اسے اپنے گریبان کے اندر پوری طرح سے چھپا کر رکھ لیا...... ایک بار پھر کھڑکی میں آ کر اس نے باہر جھانک کر دیکھا...... احاطہ اندھیرے میں خالی پڑا تھا...... کسی ٹرک کی آواز بھی نہیں آئی تھی...... اس نے کمرے کی بتی بجھا دی اور پلنگ پر بیٹھ کر ٹرک کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

رات کی تاریکی فجر کی پھیکی پھیکی سفیدی میں بدلنا شروع ہو گئی تھی، لیکن ابھی پوری طرح سے دن کی روشنی نہیں ہوئی تھی...... وہ چاہتی تھی کہ ٹرک جلدی سے

آجائے اور وہ پچھلے پہر کے اندھیرے میں ہی وہاں سے نکل جائے...... ہوسٹل کے گیٹ کے باہر تعینات جاسوسوں کی نگاہوں سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی...... کلاک پر پونے پانچ بج رہے تھے کہ رام دُلاری کو دور سے کسی ٹرک کی آواز سنائی دی...... ایک لمحے کا انتظار کئے بغیر اس نے جلدی سے چادر کو اچھی طرح سے اپنے جسم کے گرد لپیٹا اور آہستہ سے دروازہ کھول کر زینے کی طرف بڑھی...... زینے سے اتر کر وہ پہلی منزل کے برآمدے میں آگئی...... برآمدے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... صرف دوسرے کونے میں باہر کی جانب اوپر ایک بلب روشن تھا...... رام دُلاری جہاں اندھیرا تھا اس طرف سے چلتی ہوئی برآمدے کے ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی...... وہ بہت سوچ سمجھ کر اس جگہ کھڑی ہوئی تھی...... اگر ٹرک روز کی جگہ پر آکر کھڑا ہوا تو وہ اندھیرے میں چلتے ہوئے ٹرک کے عقب میں جاسکتی تھی...... یہاں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا...... ٹرک کی آواز قریب آگئی تھی...... اسے خیال آیا کہ شاید یہ کوئی اور ٹرک ہو، لیکن ٹرک سڑک پر آگے نکل جانے کی بجائے ہوسٹل کے گیٹ میں داخل ہو گیا...... اس کی بتیاں روشن تھیں۔

رام دُلاری ستون کے پیچھے ہو گئی...... ٹرک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی ستون کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف نکل گئی اور ٹرک احاطے کی دیوار کے ساتھ بیک ہو کر لگ گیا...... اس کے ساتھ ہی ٹرک کی بتیاں بجھ گئیں...... ٹرک کے اگلے حصے میں سے دو آدمی باہر نکل کر اس کے پیچھے چلے گئے...... دوسرے لمحے وہ دودھ کا کپا اٹھائے دوبارہ نمودار ہوئے...... ایک نے ایک طرف سے اور دوسرے نے دوسری طرف سے کپے کو کنڈے سے پکڑ رکھا تھا...... وہ ہوسٹل کے کچن کی طرف چل دیئے جو برآمدے کے دوسرے کونے کی طرف تھا...... رام دُلاری اسی لمحے کے انتظار میں تھی...... جیسے ہی وہ تھوڑا آگے گئے رام دُلاری خاموشی سے برآمدے سے اتری اور اندھیرے میں سے گزرتی ہوئی تیزی سے ٹرک کے پیچھے آکر اس کی لٹکتی ہوئی رسی کو پکڑ کر ٹرک کے

پچھلے حصے میں چڑھ گئی...... ٹرک کے اندر بہت سے دودھ کے کپے پڑے ہوئے تھے، جنہیں ابھی دوسری جگہوں پر سپلائی کرنا تھا...... وہ ان کپوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔

تین چار منٹ بعد اسے ان آدمیوں کی آواز سنائی دی...... وہ واپس آگئے تھے...... پھر ٹرک کے دونوں سائیڈ کے دروازوں کے بند ہونے کی آواز آئی...... ٹرک کا انجن سٹارٹ ہوا اور ٹرک ہوسٹل کے گیٹ میں سے نکل کر دائیں جانب مڑ گیا...... رام دُلاری نے کپوں کے پیچھے چھپے چھپے ہاتھ جوڑ کر اپنے بھگوان کا شکریہ ادا کیا...... وہ یہی چاہتی تھی کہ ٹرک دائیں جانب ہی مڑے...... اس کو یاد تھا کہ جب اسے شیر خان اور گل خان بند جیپ میں بٹھا کر سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کی طرف لے کر گئے تھے تو جیپ ہوسٹل سے نکل کر پہلے دائیں طرف مڑی تھی اور اس کے چھ سات منٹ کے بعد پھر دائیں جانب مڑ گئی تھی...... اس کے آگے جو نشانی اسے یاد تھی وہ ریلوے پھاٹک تھا، مگر یہ یقین سے وہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ ٹرک آگے جاکر بھی دائیں جانب مڑے گا...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ٹرک آگے نکل جائے...... اگر آگے نکل گیا تو خدا جانے وہ کہاں جاکر ٹھہرے اور ٹرک کی رفتار تیز ہو جائے اور وہ اتر نہ سکے، کہاں کی کہاں نکل جائے اور راستہ بھی بھول جائے، کیونکہ وہ اس شہر کی رہنے والی نہیں تھی...... ٹرک کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوسٹل کے سامنے سے گزرنے والی سڑک چھوٹی اور غیر ہموار تھی، جب ٹرک ہوسٹل سے کافی آگے نکل آیا اور رام دُلاری کو یقین ہو گیا کہ وہ ہوسٹل کے باہر اس کی نگرانی کرنے والے جاسوسوں کی زد سے نکل آئی ہے تو وہ کپوں کے پیچھے سے نکل کر ٹرک کے پچھلے حصے میں آگئی۔

صبح کا نور نمودار ہو رہا تھا...... سڑک دور تک خالی تھی اور ٹرک سڑک کے کھڈوں پر ہلکے ہلکے دھچکے کھاتا گزر رہا تھا...... اس کی رفتار زیادہ نہیں تھی...... ٹرک کا عقبی حصہ کھلا تھا...... وہ بڑے غور سے سڑک کی بائیں جانب دیکھ رہی تھی...... اس کا خیال تھا کہ شاید ٹرک اگلے موڑ پر دائیں جانب مڑ جائے، لیکن ایسا نہ ہوا...... سڑک پر

سے ایک چھوٹی سڑک نکل کر اسے اپنی بائیں جانب جاتی نظر آئی...... ٹرک اس طرف جانے کے بجائے دوسری جانب مڑ گیا...... جیسے ہی ٹرک نے دوسری جانب موڑ کاٹا اس کی رفتار اور دھیمی ہوگئی...... رام دُلاری نے ٹرک کے پچھلے حصے میں لٹکتی رسی کو پکڑا اور ٹرک میں سے باہر سڑک کنارے کی جھاڑیوں میں کود گئی...... گرتے ہی جھاڑیوں میں اس نے دو تین لڑھکنیاں کھائیں اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی...... یہ سڑک بھی پچھلے پہر کے دھندلکے میں خالی تھی...... وہ اٹھی اور سڑک پر اس جگہ آگئی جہاں سے سڑک دائیں جانب دوسرا موڑ کاٹتی تھی...... اسے اس طرف جانا تھا شاید شیر خان کی جیپ اسی طرف گھومی تھی...... وہ چھوٹی کچی سڑک پر آگے چل پڑی...... وہ چادر لپیٹے سڑک کے کنارے کنارے تیز قدموں سے چلی جارہی تھی...... وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس انتظار میں تھی کہ آگے ریلوے پھاٹک آتا ہے یا نہیں، کیونکہ جب اسے بند جیپ میں بیٹھا کر لے جایا گیا تو سڑک کا دوسرا موڑ گھومنے کے دس پندرہ منٹ کے بعد ریلوے پھاٹک آگیا تھا...... یہی اس کا ثبوت تھا کہ وہ ٹھیک راستے پر چل رہی ہے...... اس کی دونوں جانب کھیت بھی تھے اور دُور دُور شہر کی آبادی کے مکان بھی دن کے اُبھرتے ہوئے اُجالے میں نظر آنا شروع ہوگئے تھے...... وہ کوئی آدھا گھنٹہ چلتی رہی ہوگی کہ آخر اسے کچھ فاصلے پر ریلوے کا پھاٹک نظر آگیا۔

خوش ہو کر رام دُلاری نے اپنی رفتار تیز کردی...... ایک ٹرک اور ایک رکشا اس کی مخالف سمت سے آتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا...... صبح ہو رہی تھی اور شہر کی سڑکوں کی ٹریفک بیدار ہونے لگی تھی...... وہ ریلوے پھاٹک عبور کر کے آگے بڑھی تو سڑک ایک طرف گھوم گئی...... کچھ دُور جا کر دوسری طرف مڑ گئی...... ایک بس اس کے پیچھے سے آئی اور آگے نکل گئی...... پھر اسے فضا میں تیز بو محسوس ہوئی...... یہ بو اسے شیر خان وغیرہ کے ساتھ بند جیپ میں جاتے ہوئے بھی آئی تھی اور گل خان نے اسے بتایا تھا کہ پتہ نہیں یہ بو کس چیز کی ہے، مگر یہاں سے گزرتے ہوئے اکثر آیا کرتی

ہے...... رام دُلاری کو اچھی طرح یاد تھا کہ یہ بو دو تین منٹ تک آتی رہی تھی...... اس کے بعد بند ہوگئی تھی اور پھر بند جیپ دو تین جگہوں پر چھوٹے چھوٹے موڑ مڑنے کے بعد ایک جگہ آ کر رک گئی تھی اور گل خان نے یہ کہہ کر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی کہ وہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر پہنچ گئے ہیں۔

یہاں آ کر رام دُلاری رُک گئی...... اس نے اپنے اِرد گرد نگاہ دوڑائی...... اب صبح ہوگئی تھی اور سورج مشرق میں درختوں اور مکانوں کے پیچھے سے طلوع ہو رہا تھا...... رام دُلاری کو یہ بھی یاد تھا کہ اس نے ہیلتھ سنٹر کے اس کمرے کی کھڑکی میں سے جہاں جمنا داس زیر علاج بستر پر بے ہوش پڑا تھا، ذرا سے ہٹے ہوئے پردے میں سے دُور ایک مسجد کا مخروطی مینار اور ٹرین گزرتی نظر آئی تھی۔

رام دُلاری کی تیز نگاہیں مسجد کے مینار کو تلاش کر رہی تھیں...... دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... آخر اسے دُور ایک مینار نظر آگیا...... وہ اس کی طرف چل پڑی...... وہ کھیتوں میں سے گزر رہی تھی...... کچھ دُور چلنے کے بعد وہ کھیت کی اونچی فصل سے نکلی تو سامنے زمین اونچی تھی اور کسی بند کی طرح مغرب سے مشرق کی طرف جارہی تھی...... وہ اس کی چڑھائی چڑھ کر اوپر آئی تو دیکھا کہ وہ ریلوے لائن تھی...... اس نے دوسری جانب نگاہ اٹھائی...... اسے مسجد کا مخروطی مینار صاف دکھائی دے رہا تھا...... اس نے گھوم کر اپنی بائیں جانب دیکھا...... ہیلتھ سنٹر کی عمارت اسی طرف ہونی چاہئے تھی...... کچھ فاصلے پر اسے درختوں کا جھنڈ دکھائی دیا...... اس کے اندر سے کسی مکان کی دیوار نظر آرہی تھی۔

وہ اس کی طرف چلنے لگی...... اسے یقین ہوگیا کہ یہی وہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر ہے جہاں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے لایا گیا تھا...... چلتے چلتے وہ درختوں کے درمیان آگئی...... اب اس کے سامنے ایک پرانی سی اک منزلہ عمارت کھڑی تھی جس کے باہر کوئی آدمی نظر نہیں آرہا تھا...... عمارت کا دروازہ بند تھا...... رام دُلاری

دروازے کی طرف بڑھی...... اس نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانک کر دیکھا...... سب سے پہلے اسے ڈیٹول اور دوائیوں کی بو آئی...... اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا...... وہ اپنے ٹارگٹ پر پہنچ گئی تھی...... یہی وہ ہیلتھ سنٹر تھا جہاں اسے آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر لایا گیا تھا...... وہ اندر داخل ہو گئی...... یہ ایک راہ داری سی تھی...... ایک بوڑھی عورت جو نوکرانی معلوم ہوتی تھی دونوں ہاتھوں میں ایک تسلا پکڑے سامنے سے آ رہی تھی...... رام دُلاری خاموشی سے اس کے قریب سے گزر گئی...... اس کے بعد جمنا داس کے کمرے کی جو سب سے بڑی نشانی تھی وہ یہ تھی کہ اس کے کمرے کے باہر ایک پولیس کمانڈو پہرہ دے رہا تھا...... جب وہ موڑ گھوم کر راہ داری کی دوسری جانب آئی تو اس نے اس راہ داری کو پہچان لیا...... اس کی آنکھوں سے پٹی اتارنے کے بعد اس راہ داری سے جمنا داس دہشت گرد کے کمرے میں لے جایا گیا تھا...... اسے یاد تھا کہ یہاں آمنے سامنے تین چار کمرے ہی تھے اور ایک کمرے کے باہر جو دہشت گرد کا کمرہ ہی تھا پولیس کا کمانڈو سٹین گن پکڑے سٹول پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا اور جو شیر خان وغیرہ کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

رام دُلاری نے دیکھا کہ ایک کمرے کے باہر سٹول ضرور پڑا تھا مگر پہرہ دینے والا پولیس کمانڈو غائب تھا...... وہ بڑی حیران ہوئی کہ پولیس کمانڈو وہاں کیوں نہیں ہے...... جمنا داس ایک خطرناک بھارتی دہشت گرد تھا اور اس خفیہ ہیلتھ سنٹر میں اسے زبردست پہرے میں رکھا گیا تھا، مگر شاید رام دُلاری کی قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی...... پولیس کمانڈو اس وقت تھوڑی دیر کے لئے باتھ روم چلا گیا تھا...... رام دُلاری کے سامنے میدان صاف تھا...... راہ داری خالی پڑی تھی...... رام دُلاری اس کمرے کی طرف بڑھی جس کے باہر خالی سٹول پڑا تھا...... کونے والے کمرے سے ایک نرس نکلی اور تیز تیز قدموں سے اس کے قریب سے گزر گئی...... اس نے رام دُلاری کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی...... رام دُلاری کے پاس اب کسی کی طرف توجہ دینے کے لئے

وقت نہیں تھا...... اسے اب جتنی جلدی ہو سکے وہ کام کر ڈالنا تھا جس کے لئے وہ اتنا بڑا خطرہ مول لے کر وہاں تک پہنچی تھی...... اسے یہ بھی احساس تھا کہ باہر پہرہ دینے والا پولیس کمانڈو کسی بھی وقت نمودار ہو سکتا ہے...... وہ دہشت گرد جمنا داس کے کمرے کا دروازہ کھول کر چپکے سے اندر داخل ہو گئی...... اس نے دیکھا کہ بستر پر جمنا داس اسی طرح پٹیوں میں بندھا بے سدھ پڑا تھا...... یا وہ سو رہا تھا...... یا بے ہوش تھا...... وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا...... اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اسے اسی طرح ڈرپ اور آکسیجن لگی ہوئی تھی...... اس کے سینے تک کمبل پڑا تھا...... اندر آتے ہی رام دُلاری نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زہریلے انجکشن کا سرنج نکال لیا تھا...... اب ایک ایک سیکنڈ قیمتی...... بے حد قیمتی تھا...... رام دُلاری اب ایک تجربہ کار تربیت یافتہ دہشت گرد بن چکی تھی جنہیں یہ بتایا جاتا تھا اور ہدایت کی جاتی تھی کہ اپنے مشن کی کامیابی اور اپنے گروہ کو پکڑے جانے سے بچانے کے لئے اگر انہیں کسی اپنے ہی ساتھی کو ہلاک کرنا پڑے تو اسے فوراً موت کی نیند سلا دیا جائے...... رام دُلاری نے جمنا داس کے پلنگ کے پاس جاتے ہی اس کے بازو پر سے تھوڑا سا کمبل ہٹا دیا...... نیچے اس کا بازو ننگا تھا...... زہریلا سرنج رام دُلاری کے ہاتھ میں تھا...... اس نے فوراً سرنج کی سوئی جمنا داس کے بازو میں چبوئی اور سارے کا سارا زہر اس کے جسم میں داخل کر دیا...... جمنا داس کے حلق سے ہلکی سی کراہ کی آواز نکلی...... رام دُلاری نے سرنج وہیں پلنگ کے نیچے پھینکی اور پلٹ کر دروازے کے پاس آ کر اس کا ایک پٹ ذرا سا کھول کر باہر دیکھا...... باہر کوئی نہیں تھا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے...... وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور چادر کو جسم کے گرد اچھی طرح سے لپیٹتی ہوئی راہ داری میں جس طرف سے آئی تھی اس طرف چلنے لگی...... جہاں راہ داری کا موڑ مڑتا تھا وہ وہاں آئی تو اچانک سامنے سے وہی پولیس کمانڈو نمودار ہوا جو جمنا داس کے کمرے کے باہر اس روز

بھی پہرہ دے رہا تھا...... اس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی...... اس نے رام دُلاری پر ایک گہری نگاہ ڈالی، مگر رام دُلاری نے اپنے حواس کو اپنے کنٹرول میں رکھا اور اس کے قریب سے گزر گئی...... پولیس کمانڈو نے رام دُلاری کو پہچان لیا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جو دو ایک روز پہلے کمانڈر شیر خان اور گل خان کے ساتھ آئی تھی...... قدرتی طور پر وہ یہی سمجھا کہ یہ ان لوگوں کی اپنی جاننے والی عورت ہے...... اس نے بھی رام دُلاری سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی اور خاموشی سے چلتا زخمی دہشت گرد کے کمرے کے باہر آکر سٹول پر بیٹھ گیا...... پھر اچانک وہ اٹھا...... اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھا...... دہشت گرد اسی طرح بستر پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا...... وہ مطمئن ہو کر واپس سٹول پر آکر بیٹھ گیا۔

اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ جس بھارتی دہشت گرد کی جان کی حفاظت کی خاطر وہ وہاں پہرہ دے رہا ہے وہ مر چکا ہے۔

رام دُلاری کا مشن پورا ہو چکا تھا...... وہ جلدی جلدی ہیلتھ سنٹر کی عمارت سے نکل کر ریلوے لائن کی طرف چلنے لگی...... ریلوے لائن کو پار کر کے دوسری طرف کھیتوں میں آگئی...... وہ کھیتوں میں سے بھی گزر گئی...... پھر ریلوے پھاٹک آگیا...... کوئی گاڑی آرہی تھی...... پھاٹک بند تھا اور پھاٹک کی دونوں جانب کچھ گاڑیاں اور رکشا وغیرہ کھڑے تھے...... پیدل چلنے والے ابھی تک ریل کی پٹڑی پر سے گزر رہے تھے...... وہ بھی پھاٹک کے چھوٹے دروازے میں سے ہو کر ریلوے لائن پر سے گزر کر پھاٹک کی دوسری طرف آکر سڑک کے کنارے کنارے شہر کی طرف روانہ ہو گئی...... اب اسے کسی رکشا ٹیکسی کی ضرورت تھی...... اسے واپس مکند لال کے پاس اپنے خفیہ ٹھکانے پر جانا تھا اور اسے جا کر یہ خوش خبری سنانی تھی کہ اس نے وہ کام کر دیا ہے جس کے لئے اسے زہریلا سرنج دے کر بھیجا گیا تھا۔

رام دُلاری چلتے چلتے سڑک کے پیچھے بھی دیکھ لیتی تھی کہ شاید کوئی خالی رکشا

ٹیکسی آرہی ہو...... کافی آگے جا کر سڑک کے موڑ پر اسے ایک خالی رکشا مل گیا...... وہ رکشے میں بیٹھ گئی اور ڈرائیور کو ایک خاص جگہ چلنے کے لئے کہا...... رکشا اس طرف روانہ ہو گیا...... رکشا شہر کی آبادی کے باہر نکل چکا تھا اور ابھی تک پوری رفتار سے جا رہا تھا...... آخر وہ جگہ آگئی جہاں رام دُلاری نے رکشے والے کو چلنے کے لئے کہا تھا...... اس نے رکشا رکوا کر اسے پیسے دیئے اور پیدل ہی ایک نہر کے کنارے چل پڑی...... کافی آگے جا کر درختوں کا ایک گھنا ذخیرہ آگیا...... وہ اس میں داخل ہو گئی اور وہاں سے بھی گزرنے کے بعد اس ویران کھنڈر کی طرف چل پڑی جو کچھ فاصلے پر اجاڑ میدان میں مٹی کے ایک بہت بڑے ٹیلے کے عقب میں واقع تھا اور جس کے ایک تہہ خانے میں ان بھارتی دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔

ایک بھارتی دہشت گرد مسلمان فقیر کے بھیس میں کھنڈر کے قریب ہی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا...... اس نے رام دُلاری کو پہچان لیا تھا...... رام دُلاری بھی اسے پہچانتی تھی...... وہ اس کے قریب سے گزر گئی...... جب وہ پرانے تاریخی کھنڈر میں اس جگہ آئی جہاں سے کھنڈر کے اندر دیوار کے شگاف میں سے راستہ جاتا تھا تو وہاں ایک اور دہشت گرد جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا تھا...... رام دُلاری نے اسے اور اس دہشت گرد نے جو پہرہ دے رہا تھا...... ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا...... رام دُلاری کھنڈر میں داخل ہونے کے بعد نیچے تہہ خانے میں آئی تو وہاں ان کی پارٹی کا سرغنہ مکند لال موجود تھا...... اس کے پاس ہی دہشت گرد رامو بھی بیٹھا تھا...... دُلاری کو اپنے سامنے دیکھ کر مکند لال نے پہلا سوال یہ کیا۔

"اسے ٹھکانے لگایا کہ نہیں؟"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"اگر تمہارے دیئے ہوئے انجکشن کا زہر اصلی تھا تو جمنا داس مر چکا ہے"۔

مکند لال نے رام دُلاری کو شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"ڈُلاری! تم نے ہم سب کو آنے والی مصیبت سے بچالیا ہے...... مجھے جمناداس پر بھروسہ نہیں تھا...... وہ ایک تجربہ کار اور اپنے کام کا ماہر ضرور تھا مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ تشدد برداشت نہیں کر سکتا تھا"۔

دہشت گرد رامو کہنے لگا۔

"جن لوگوں کے پاس تم نے اتنا وقت گزارا ہے ان کے ہمارے خلاف منصوبوں کے بارے میں تمہیں کچھ معلومات ملی ہیں یا نہیں"۔

رام ڈُلاری نے کہا۔

"وہ لوگ اگر آپس میں انگریزی میں بھی کوئی بات کرتے تھے تو اس بارے میں میرے سامنے کوئی ایسا ذکر نہیں کرتے تھے کہ وہ ہمارے خلاف کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں...... میں جتنا کرید سکتی تھی کرید کر ان سے پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے یہی کہا کہ ہمیں اوپر سے جو حکم ملے گا اس کے مطابق ایکشن لیں گے...... ہم اپنے طور پر کچھ نہیں کرتے"۔

مکند لال کہنے لگا۔

"جمناداس کی موت کے بعد جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ تم بھی ہوسٹل سے غائب ہوگئی ہو تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اس قتل میں تمہارا ہاتھ ہے اور تم مسلمان حشمت بی بی کے بھیس میں صرف جمناداس کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے ان کے پاس آئی ہوئی تھیں اور انٹیلی جنس تمہاری تلاش میں سارے شہر میں پھیل جائے گی...... اس لئے تمہیں کچھ دنوں کے لئے یہاں سے باہر نہیں نکلنا چاہئے"۔

دہشت گرد رامو نے کہا۔

"کیوں نہ ہم رام ڈُلاری کو اپنے راولپنڈی والے خفیہ ٹھکانے پر پہنچادیں"۔

مکند لال بولا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے...... رام ڈُلاری کو بقول اس کے صرف شیر خان اور

اسکے ساتھی کمانڈو گل خان نے ہی غور سے دیکھا ہے...... یا پھر گرلز ہوسٹل کی عورت تھی اور یا ان کا کمانڈنگ افسر جس نے اسے دیکھا ہوا ہے...... اگر رام ڈُلاری یہاں کچھ دنوں کے بعد برقعہ پہن کر باہر نکلتی ہے تو یہ سی آئی ڈی والوں سے محفوظ ہو جائے گی...... ویسے بھی انٹیلی جنس والے رام ڈُلاری کی شکل سے ناواقف ہیں...... ان کے پاس رام ڈُلاری کی کوئی تصویر بھی نہیں ہے جسے وہ دوسرے شہروں کی پولیس کو سپلائی کریں یا اخباروں میں شائع کرائیں"۔

دہشت گرد رامو نے ڈُلاری سے پوچھا۔

"کیوں ڈُلاری...... تمہاری کوئی فوٹو تو ان لوگوں نے نہیں اتاری تھی؟"۔

رام ڈُلاری سوچنے لگی...... پھر بولی۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے میری کوئی الگ فوٹو نہیں اتاری، لیکن اتنا یاد آتا ہے کہ ایک بار جب میں شیر خان اور گل خان کے ساتھ گرلز ہوسٹل کے ایک کمرے میں بیٹھی تھی تو ایک آدمی چھوٹے کیمرے سے ہماری تصویر اتار کر چلا گیا تھا اور کمانڈو شیر خان نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا"۔

مکند لال بولا۔

"بس...... یہاں تم ان سے مار کھا گئی ہو...... انہوں نے بہانے سے تمہاری تصویر اتروالی تھی...... اگرچہ اس وقت تک ان کو تم پر کسی قسم کا شک نہیں پڑا تھا، لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ ان پولیس کمانڈوز کی ضابطے کی کارروائی کا ایک حصہ ہوتا ہے...... اب وہ اس گروپ فوٹو میں سے تمہاری تصویر کو انلارج کروا کر پاکستان کے ہر صوبے کے تھانوں میں تقسیم کر دیں گے اور ممکن ہے کہ تمہاری تصویر اخباروں میں بھی آجائے...... اب تمہیں برقعہ پہن کر بھی باہر نکلنے سے گریز کرنا ہوگا"۔

رامو نے کہا۔

"لیکن باس! ہم یہاں بند ہو کر بھی تو نہیں رہ سکتے...... ابھی ہمارے سامنے بہت

کام ہے...... ہمیں شہر کے سب سے بڑے ریلوے پل کو بھی بم سے اُڑانا ہے"۔

مکند لال بولا۔

"جمناداس کی موت کے بعد شہر کی ساری پولیس بھی چوکس ہو گئی ہو گی...... ہمیں کچھ روز انتظار کرنا پڑے گا"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کمانڈو شیر خان اور گل خان کی کمانڈو تنظیم کے ضابطے کی کارروائی تھی کہ انہوں نے رام دُلاری کی اپنے ساتھ ایک گروپ فوٹو اتروالی تھی، حالانکہ انہیں اس وقت تک قطعی طور پر علم نہیں تھا کہ یہ عورت جو حشمت بی بی کے روپ میں ان کے سامنے بیٹھی ہے، حقیقت میں بھارت کی ایک نہایت عیار دہشت گرد عورت ہے اور اس کا اصلی نام رام دُلاری ہے"۔

تنظیم کے ہیلتھ سنٹر میں زیر علاج دہشت گرد جمناداس کی موت کا علم تھوڑی دیر بعد ہی ہو گیا تھا...... جب رام دُلاری اس کو زہریلا انجکشن لگا کر جا چکی تھی تو اس کے دس پندرہ منٹ بعد ہی ڈیوٹی نرس معمول کی چیک اپ کے لئے جمناداس کے کمرے میں آئی...... اس نے دیکھا کہ دہشت گرد کی ناک سے خون رس رہا ہے اور خون کا رنگ سیاہ ہے...... اس نے گھبرا کر جمناداس کی نبض دیکھی...... نبض بند ہو چکی تھی...... اس نے اسی وقت ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کو بلا لیا...... ڈاکٹر نے آکر دہشت گرد کو چیک کیا تو حیران ہو کر نرس سے کہنے لگا۔

"اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی ہے"۔

"مگر ڈاکٹر" نرس نے کہا...... یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا...... میں چھ سات منٹ کے لئے ڈسپنسری میں گئی تھی...... اس وقت تک مریض زندہ تھا...... اگرچہ بے ہوش تھا...... ابھی واپس آکر دیکھا تو یہ مر چکا تھا اور ناک سے سیاہ خون جاری تھا"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"ہمیں ہیڈ کوارٹر فوراً خبر کرنی ہو گی"۔

"ڈاکٹر اس وقت باہر نکل گیا اور اس نے اپنے آفس میں جا کر تنظیم کے کمانڈنگ آفیسر کو فون پر بتایا کہ جس دہشت گرد کا یہاں علاج ہو رہا تھا مر گیا ہے اور میرے خیال میں موت زہر دینے کی وجہ سے ہوئی ہے...... کمانڈنگ آفیسر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"اسے کس نے زہر دیا؟ وہاں تو سوائے آپ لوگوں کے یا نوکروں کے کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے"۔

ڈاکٹر نے فون پر کہا۔

"سر! میں اپنے آفس میں تھا...... نرس کا کہنا ہے کہ وہ تین چار منٹ کے لئے ڈسپنسری میں گئی تھی"۔

"میں آرہا ہوں"۔

یہ کہہ کر کمانڈنگ آفیسر نے فون بند کر دیا اور اسی وقت کمانڈو شیر خان اور گل خان کو آفس میں بلوا کر بتایا کہ ہیلتھ سنٹر میں زیر علاج دہشت گرد مر گیا ہے اور ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ موت زہر دینے سے ہوئی ہے...... شیر خان اور گل خان حیران ہو کر رہ گئے۔

شیر خان نے کہا۔

"مگر سر! اسے کس نے زہر دیا ہو گا...... کمرے کے باہر تو چوبیس گھنٹے پہرہ لگا ہوتا ہے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"یہ وہاں چل کر معلوم ہو گا...... میرے ساتھ آؤ"۔

اور وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر اسی وقت ہیلتھ سنٹر کی طرف روانہ ہو گئے...... ہیلتھ سنٹر میں دہشت گرد جمناداس کی لاش زہر کے اثر سے نیلی ہو گئی تھی...... کمانڈنگ آفیسر نے لاش کو دیکھنے کے بعد ڈاکٹر سے پوچھا۔

"کہیں اسے کسی سانپ نے تو نہیں کاٹا؟"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"نہیں سر! یہ سانپ کا زہر نہیں ہے...... اسے انجکشن کے ذریعے زہر دیا گیا ہے"۔

اور ڈاکٹر نے وہ سرنج پلاسٹک کے لفافے میں سے نکال کر سی او کو دکھایا جو اسے پلنگ کے نیچے سے ملا تھا...... زہریلے سرنج کو سی او...... شیر خان اور گل خان نے غور سے دیکھا...... سی او نے شیر خان سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کوئی باہر سے آیا تھا"۔

اسی وقت کمرے کے باہر پہرہ دینے والے سنتری کو اندر بلا لیا گیا...... کمانڈنگ آفیسر نے اس سے پوچھا کہ صبح سے لے کر اب تک ڈاکٹر...... نرس اور ہمارے علاوہ اور کون اس کمرے میں داخل ہوا تھا...... ڈیوٹی گارڈ نے سچ بولتے ہوئے کہا۔

"سر! میں تھوڑی دیر کے لئے باتھ روم گیا تھا...... واپس آ رہا تھا کہ مجھے ایک عورت راہ داری میں ملی تھی"۔

"وہ عورت کون تھی؟" سی او نے پوچھا۔

ڈیوٹی گارڈ نے کہا۔

"سر! یہ وہی عورت تھی جو دو روز پہلے آپ کے ساتھ اس کمرے میں آئی تھی"۔

کمانڈنگ آفیسر...... شیر خان اور گل خان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں...... شیر خان نے ڈیوٹی گارڈ سے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی عورت تھی؟" اس نے گہرے رنگ کی چادر لپیٹی ہوئی تھی سر! لیکن میں نے اسے پہچان لیا تھا"۔

کمانڈنگ آفیسر نے گل خان سے کہا۔

"فوراً گرلز ہوسٹل میں مسز انجم کو فون کر کے پوچھو کہ حشمت بی بی اپنے کمرے میں ہی ہے؟ اگر وہ کمرے میں ہی ہو تو اسے کہو کہ اسے ہوسٹل سے باہر نہ جانے دے"۔

گل خان اسی وقت باہر نکل گیا۔

کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان سے کہا۔

"اگر وہ عورت حشمت بی بی ہی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دہشت گردوں کی ساتھی تھی اور ہم اس کے فریب میں آ گئے تھے"۔

اس کے بعد کمانڈنگ آفیسر نے ڈاکٹر سے کہا۔

"ڈاکٹر! لاش کے پوسٹ مارٹم میں کتنا وقت لگے گا"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"تین چار گھنٹے تو لگ جائیں گے"۔

"ٹھیک ہے"...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا...... "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہمیں فوراً مل جانی چاہئے...... دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ خبر اس ہیلتھ سنٹر سے باہر نہیں نکلنی چاہئے کہ بھارتی دہشت گرد مر گیا ہے"۔

اس نے ڈیوٹی گارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم بھی سن لو...... تم اسی طرح کمرے کے باہر پہرہ دو گے اور دہشت گرد کی موت کا کسی حالت میں کسی سے بھی ذکر نہیں کرو گے"۔

"ٹھیک ہے صاحب! ہمیں افسوس ہے صاحب کہ ہماری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا...... اگر میں اس وقت باتھ روم نہ جاتا تو وہ عورت کمرے میں داخل نہیں ہو سکتی تھی"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"اس سلسلے میں تمہارے ساتھ قانونی کارروائی ہو گی، لیکن آئندہ باتھ روم جاؤ تو یہاں کسی آدمی کو پہرے پر بٹھا کر جانا"۔

"ٹھیک ہے صاحب"۔

اور ڈیوٹی گارڈ باہر چلا گیا...... اس کے ساتھ ہی گل خان کمرے میں داخل ہوا...... اس نے کہا۔

"مسز انجم نے بتایا ہے کہ حشمت بی بی صبح ہی سے غائب ہے...... اس کا کمرہ خالی

پڑا ہے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان سے کہا۔

"ثابت ہو گیا ہے کہ حشمت بی بی دہشت گردوں کی ساتھی تھی اور وہ ہم سے ڈرامہ کر رہی تھی اور ہم اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے...... ہمیں شرم آنی چاہیے"۔

اس کے فوراً بعد تینوں مجاہد کمانڈو گرلز ہوسٹل میں آ گئے...... ہوسٹل کے صدر دروازے کے باہر جو دو آدمی حشمت بی بی کی نگرانی کے لئے تعینات کئے گئے تھے انہیں فوراً بلوایا گیا...... جب ان سے حشمت بی بی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ ہوسٹل سے نکل کر چلی گئی اور انہوں نے اس کا پیچھا کیوں نہیں کیا تو ان میں سے ایک سراغ رساں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم میں سے ایک آدمی یہاں ہر آٹھ گھنٹے کے بعد نگرانی پر موجود ہوتا ہے...... ہم نے اس عورت کو باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے سر کہ عورت باہر نکلتی اور ہم اس کا پیچھا نہ کرتے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے انہیں کچھ نہ کہا اور مسز انجم کو ساتھ لے کر حشمت بی بی کے کمرے میں آ گئے...... کمرہ خالی تھا...... چیزوں کی تلاشی لی گئی...... الماری میں حشمت بی بی کے ایک پرانے جوڑے کے علاوہ وہاں اس کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے انہیں کوئی مفید معلومات ملتی...... کمانڈنگ آفیسر نے دونوں کمانڈو مجاہدوں کو ساتھ لیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر کے آفس میں آ گئے...... وہاں آتے ہی انہوں نے اپنی سپیشل انٹیلی جنس کے چیف کو فون کر کے اپنے کمرے میں آنے کو کہا...... پانچ منٹ کے اندر اندر انٹیلی جنس چیف آ گیا۔

کمانڈنگ آفیسر نے اپنے میز کے دراز سے دو گروپ فوٹو نکال کر دکھائی جو گرلز ہوسٹل کے آفس کے ساتھ والے کمرے میں اس وقت اتاری گئی تھی جب شیر خان

اور گل خان حشمت بی بی عرف رام دُلاری سے باتیں کر رہے تھے...... کمانڈنگ آفیسر نے حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کی فوٹو پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"اس گروپ فوٹو میں سے اس عورت کی تصویر کو الگ کر کے اسے انلارج کروائیں اور اس کے بہت سے پرنٹ بنوا لیں اور یہ فوٹو صوبے کے تمام پولیس سٹیشنوں پر پہنچا دی جائیں...... اپنی انٹیلی جنس کے عہدے داروں کو بھی اس کی ایک ایک کاپی دے کر شہر کے اہم ناکوں اور مقامات پر تعینات کر دیں اور انہیں ہدایت کر دیں کہ جہاں اس شکل صورت کی عورت نظر آئے اسے وہیں گرفتار کر لیا جائے"۔

انٹیلی جنس چیف گروپ فوٹو لے کر فوراً چلا گیا۔

شیر خان نے کمانڈنگ آفیسر سے کہا۔

"سر! یہ میری اور گل خان کی نااہلیت ہے کہ ہم اس عورت کو پہچان نہ سکے اور اس کے دھوکے میں آ گئے"۔

سی او نے کہا۔

"اس عورت نے جس عیاری سے یہ ڈرامہ کھیلا ہے اس سے کوئی بھی دھوکا کھا سکتا تھا"۔

گل خان کہنے لگا۔

"سر! جب اس عورت نے کاؤنٹر کے پیچھے سے روتے ہوئے ایک دم ہاتھ کھڑے کر دیئے اور کہا کہ میں مسلمان ہوں اور یہ ہندو کافر مجھے اغوا کر کے لائے ہیں تو ہم دھوکا کھا گئے"۔

سی او نے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑو...... اس وقت ہمارے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس عورت کو جو دہشت گردوں کی ساتھی ہے اور ہندو عورت ہے، اس کو جتنی جلدی ہو سکے پکڑنے کی کوشش کی جائے...... یہ سراغ لگایا جائے کہ وہ دہشت گرد کو زہریلا

انجکشن لگانے کے بعد ہیلتھ سنٹر سے نکل کر کہاں گئی تھی...... ظاہر ہے کہ اس کے ساتھی جنہوں نے اسے زہریلا انجکشن دیا تھا وہ اسی شہر میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں...... اس سے پہلے کہ یہ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں ہمیں ان کے خفیہ ٹھکانے پر چھاپہ مار کر انہیں قابو کرنا ہوگا تم دونوں بھیس بدل کر شہر کے ان علاقوں کی طرف نکل جاؤ جہاں تمہارے خیال میں دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا ہوگا...... شہری آبادی میں ہم چھاپہ مار کر ان کے آدمی ہلاک کر چکے ہیں...... اب انہوں نے یقیناً شہر سے باہر کسی ویران جگہ پر اپنا خفیہ ٹھکانہ بنایا ہوگا...... تمہیں اپنے خاص کمانڈوز سویلین کپڑوں میں مسلح کر کے ساتھ لے جانے ہوں گے"۔

پھر سی او نے گل خان سے کہا۔

"تم شہر کے جنوبی علاقے میں جو ویران جگہیں ہیں اس طرف نکل جاؤ اور شیر خان تم شہر کے شمالی علاقے میں جاؤ گے...... ہمیں ہر حالت میں جتنی جلدی ہو سکے ان دہشت گردوں کے ٹھکانے کا سراغ لگا کر انہیں یا تو گرفتار کرنا ہے یا انہیں وہیں گولیوں سے بھون ڈالنا ہے...... جاؤ اور فوراً اپنا کام شروع کر دو"۔

شیر خان اور گل خان سلام کر کے اسی وقت کمرے سے نکل گئے...... کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے...... گل خان نے دیہاتی آدمی کا بھیس بدلا...... اپنے ساتھ چار مسلح کمانڈو مجاہدوں کے بھی دیہاتی حلیے بنا کر ساتھ لیا اور جیپ میں بیٹھ کر شہر کے جنوبی علاقے کی طرف نکل گئے...... شیر خان نے بھی اپنے ساتھ چار آدمی لئے...... خود بھی دیہاتی آدمیوں کے کپڑے پہنے...... اپنے مجاہدوں کا بھی دیہاتی حلیہ بنایا اور بند جیپ میں سوار ہو کر شہر کے شمالی علاقے کی طرف چل پڑے...... بھرا ہوا پستول شیر خان نے اپنے لباس کے اندر چھپا لیا تھا...... چاروں کمانڈو مجاہدوں نے بھی بھری ہوئی ایک ایک سٹین گن اپنے لمبے دیہاتی کرتوں کے اندر چھپا لی تھی...... اس کے علاوہ انہوں نے فالتو میگزین بھی جیپ کے

اندر رکھ لئے تھے۔

شیر خان کو اندازہ تھا کہ دہشت گرد عام طور پر ویران علاقوں میں کس قسم کی جگہ اپنے خفیہ ٹھکانوں کے لئے پسند کرتے ہیں...... ایک گھنٹے کے اندر انہوں نے شہر کے دریا پار کا سارا اجاڑ اور غیر آباد علاقہ چھان مارا...... کئی جگہوں پر اتر کر انہوں نے لوگوں سے اپنے انداز میں پوچھا اور سراغ نکالنے کی کوشش کی مگر انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

اس دوران انٹیلی جنس چیف نے حشمت بی بی کا کلوز اپ گروپ فوٹو میں سے نکال کر اس کی ایک فوٹو کی پچاس ساٹھ کاپیاں بنوا کر ان میں سے بیس پچیس تصویریں اپنے خاص خفیہ سراغ رساں کو دے دی تھیں اور انہیں شہر کے باہر کے علاقوں میں فوری طور پر بھجوا دیا تھا...... یہ خفیہ سراغ رساں شیر خان اور گل خان کو اچھی طرح سے جانتے تھے اور شیر خان گل خان بھی اپنی انٹیلی جنس کے ان عہدے داروں سے واقف تھے...... شیر خان شمال مغربی علاقے میں اور گل خان دیہاتی حلیے میں اپنے کمانڈوز کے ساتھ شہر کے جنوب مشرقی علاقے کی چھان بین کر رہا تھا...... اتنے بڑے شہر میں ایک خاص عورت کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن جس انداز سے یہ لوگ سراغ رسانی کر رہے تھے اس میں اس بات کا امکان تھا کہ وہ دہشت گردوں کے ٹھکانے کا کھوج لگانے میں یا حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے...... یہ تجربہ کار اور تربیت یافتہ سراغ رساں کمانڈوز تھے اور بھارتی دہشت گردوں کی نفسیات کو جانتے تھے...... یہ ان دہشت گردوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کا کھوج لگانے کی سر توڑ کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

شیر خان اور اس کی کمانڈو پارٹی کو حشمت بی بی عرف رام دُلاری اور بھارتی دہشت گردوں کی تلاش میں نکلے ہوئے دن کا ایک بج گیا تھا...... انہوں نے اس دوران شہر کے نصف سے زیادہ شمالی علاقے کو چھان مارا تھا مگر ابھی تک انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی، لیکن انہوں نے اپنی تلاش جاری رکھی...... شیر خان کے ساتھ جیپ میں حسن علی

سراغ رساں کمانڈو دیہاتی کپڑوں میں بیٹھا تھا...... اس نے حسن علی سے کہا۔

"ہم سے ایک غلطی ہو گئی ہے...... ہمیں اس عورت کی فوٹو ساتھ لے کر نکلنا چاہئے تھا تاکہ کسی جگہ کسی کو دکھا کر پوچھ سکتے کہ اس شکل کی عورت یہاں سے گزری تھی یا نہیں"۔

حسن علی نے کہا۔

"سر! اس وقت تک اس عورت کی فوٹو کاپیاں اپنے ہیڈ کوارٹر میں آچکی ہوں گی...... کیوں نہ ہم واپس ہیڈ کوارٹر جا کر ایک فوٹو کاپی لے آئیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"نہیں...... ہمیں تلاش کا کام جاری رکھنا چاہئے...... اللہ مالک ہے"۔

اور شیر خان نے شہر کے شمال مشرقی علاقے کی طرف جیپ کو موڑ دیا۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے بھارتی دہشت گردوں کے ویران کھنڈر والے خفیہ تہہ خانے میں آتے ہیں...... وہاں اس وقت تین بھارتی دہشت گرد یعنی رامو...... گنگو اور رام دُلاری اور ان کا لیڈر مکند لال موجود تھا اور شہر کے سب سے بڑے ریلوے پل کو اُڑانے کی سکیم تیار کر رہے تھے...... مکند لال ایک انتہائی طاقتور بم کی تاروں کو جوڑنے میں مصروف تھا...... اس نے رام دُلاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں پولیس کمانڈوز کے ہیڈ کوارٹر اور گرلز ہوسٹل کے علاقے کا ایک چکر ضرور لگانا چاہئے...... تم برقعہ اوڑھ کر جاؤ گی اور رامو تمہارے ساتھ ہو گا...... اس کی داڑھی مونچھیں مسلمانوں والی ہیں...... یہ دیہاتی لباس میں ہو گا...... تم لوگ پولیس کمانڈوز کے ہیڈ کوارٹر اور گرلز ہوسٹل کے آس پاس رہو گے...... اس کے علاوہ تم ہمارے اس ٹھکانے کے اِردگرد کا بھی جائزہ لو گے اور معلوم کرو گے کہ جمنا داس کی موت اور تمہارا راز کھل جانے کے بعد پولیس اور پولیس کمانڈوز نے کہاں کہاں ناکے لگا رکھے ہیں...... تم اپنے اپنے کام کے ماہر ہو اور لوگوں کے ہجوم میں سے

بھی سی آئی ڈی والے کو پہچان سکتے ہو"۔

رام دُلاری کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے مجھے اتنی جلدی باہر نہیں نکلنا چاہئے...... شیر خان اور اس کے آدمیوں کو علم ہو گیا ہو گا کہ جمنا داس کو میں نے ہی حشمت بی بی بن کر ہلاک کیا ہے اور وہ بڑی سرگرمی سے مجھے تلاش کر رہے ہوں گے"۔

مکند لال نے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا...... ہم لوگ اس قسم کے حالات سے نمٹنا جانتے ہیں...... تم بھی جانتی ہو...... ہم کل رات ریلوے پل کے نیچے یہ بم لگا کر اسے اُڑانے والے ہیں...... اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے اِردگرد کے علاقے میں پولیس اور سی آئی ڈی والوں کی نقل و حرکت کیا ہے اور انہوں نے کہاں کہاں ناکہ بندی کر رکھی ہے...... بس تم اس وقت یہاں سے نکل جاؤ اور پورا کھوج لگا کر مجھے رپورٹ کرو"۔

رام دُلاری کا جی نہیں چاہتا تھا لیکن مکند لال ان کا لیڈر تھا...... وہ اس کے آگے انکار نہیں کر سکتی تھی...... دوسری کوٹھڑی میں جا کر رام دُلاری نے مسلمان دیہاتی عورتوں والا لمبا سفید برقعہ نکال کر پہنا...... رامو نے دیہاتی حلیہ بنا کر ہاتھ میں ڈانگ پکڑی اور اسی وقت ایک خفیہ راستے سے نکل کر دوسری طرف سے ہو کر شہر کی طرف چل پڑے۔

اِدھر رام دُلاری اور رامو خفیہ ٹھکانے سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوئے تو دوسری طرف اس وقت شیر خان اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ بند جیپ میں سوار شہر کے شمال مشرقی علاقے کی ایک ویران سی سڑک پر چلا جارہا تھا اور دونوں جانب اور سامنے کی جانب ایک ایک درخت...... ایک ایک ٹبے کو گہری نظر سے دیکھ رہا تھا...... ایک جگہ درخت کے نیچے چائے کی ایک دکان تھی...... قریب ہی لاری کھڑی تھی...... لاری کے کچھ مسافر وہاں چائے پی رہے تھے...... شیر خان نے جیپ آہستہ کر دی...... جب وہ چائے کی دکان کے قریب سے گزرے تو حسن علی نے کہا۔

"سر! اپنا ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے"۔

"کہاں؟"۔

اور شیر خان نے جیپ روک دی...... حسن علی نے چائے کی دکان کی طرف اشارہ کیا...... شیر خان نے دیکھا کہ چائے کی دکان کے باہر سبز چولا پہنے ایک فقیر زمین پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اور چائے پیتے ہوئے لاری سے اترتے ہوئے مسافروں کو عقابی نگاہوں سے بھی دیکھ رہا تھا...... حسن علی نے کہا۔

"سر! یہ بشیر حسین سی آئی ڈی افسر ہے"۔

اب شیر خان نے بھی اسے پہچان لیا تھا...... اس نے حسن علی سے کہا۔

"سی او صاحب نے انٹیلی جنس چیف کو حشمت بی بی کی فوٹو کاپیاں تمام سی آئی ڈی

والوں کو دینے کا آرڈر کیا تھا...... ہو سکتا ہے اس کے پاس ایک فوٹو ہو...... تم جیپ میں ہی ٹھہرو میں بشیر حسین سے جا کر معلوم کرتا ہوں"۔

شیر خان نے جیپ ایک طرف کھڑی کر دی...... وہ جیپ سے اتر کر دیہاتی حلیے میں ہی سیدھا فقیر درویش کے بہروپ میں زمین پر بیٹھے بشیر حسین کے پاس جا کر بیٹھ گیا...... بشیر حسین نے دور ہی سے شیر خان کو پہچان لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ وہ بھی اپنی پارٹی کے ساتھ دہشت گرد عورت کی تلاش کی مہم پر نکلا ہوا ہے...... شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"بشیر حسین! تمہارے پاس بھارتی عورت کی فوٹو ہے؟"۔

"بشیر حسین نے بڑی رازداری سے کہا"۔

"ایک کاپی موجود ہے...... کیوں...... کیا بات ہے سر؟"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں اس کی ضرورت ہے"۔

سی آئی ڈی آفیسر بشیر حسین نے دبی زبان میں کہا۔

"سر! میرے پاس ایک ہی کاپی ہے...... مجھے بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم آگے جا رہے ہیں...... واپسی پر تمہیں فوٹو واپس کرتے جائیں گے"۔

شیر خان نے واپس جیپ میں آ کر حسن علی کو حشمت عرف رام دُلاری کی تصویر دکھائی اور کہا۔

"یہ وہ عورت ہے جس کی ہمیں تلاش ہے"۔

اور جیپ آگے بڑھا دی...... کچھ دور آگے گئے تو ان کی بائیں جانب اینٹوں کا ایک بھٹہ تھا جو ویران پڑا تھا...... بھٹے کے پیچھے بڑے درخت نظر آ رہے تھے...... حسن علی نے کہا۔

"سر! وہ درخت جو نظر آرہے ہیں یہ ٹاہلی کے درختوں کا ذخیرہ ہے...... اس کے پیچھے ایک اُجاڑ میدان ہے...... میرا خیال ہے...... اس ذخیرے میں چل کر دیکھنا چاہئے"۔

شیر خان کو حسن علی کی تجویز پسند آئی اور اس نے گاڑی کو درختوں کے ذخیرے کی طرف موڑ دیا...... عجیب اتفاق کی بات ہے کہ یہ وہی درختوں کا ذخیرہ تھا جہاں سے دو تین بار گزر کر رام دُلاری آتی جاتی رہی تھی اور اسی ذخیرے کے عقب میں جو اُجاڑ میدان تھا اس کے آخری کنارے پر وہ پراسرار ویران تاریخی کھنڈر تھا جس کے نیچے بھارتی دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔

ذخیرے کے کنارے پر پہنچ کر شیر خان نے جیپ روک دی اور حسن علی سے کہا۔

"تم گاڑی میں ہی بیٹھو...... میں اکیلا ذخیرے میں جاتا ہوں"۔

ذخیرے کے اندر گاڑی کے گزرنے کی جگہ بھی نہیں تھی...... ساتھ ساتھ درخت کھڑے تھے...... ان کے درمیان چھوٹی سی پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... شیر خان دیہاتی لباس میں اس پگ ڈنڈی پر چل پڑا...... وہ دائیں بائیں گہری نظروں سے دیکھتا جا رہا تھا...... ذخیرے میں کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا...... پگ ڈنڈی پر چلتے چلتے جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں ذخیرے کے درختوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا اور آگے اُجاڑ میدان شروع ہوتا تھا تو شیر خان کی نگاہ ایک بوڑھے پر پڑی جو ایک درخت کے نیچے کپڑا بچھائے بیٹھا اس میں سوکھی شاخیں اور پتے وغیرہ جمع کر رہا تھا۔

شیر خان نے قریب جا کر بوڑھے کو سلام کیا...... بوڑھے نے وعلیکم السلام کہہ کر شیر خان کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا...... شیر خان اس کے پاس ہی بیٹھ گیا...... اس نے رام دُلاری کی فوٹو نکال کر اس بوڑھے کو دکھائی اور پوچھا۔

"بابا جی! اس عورت کو آپ نے کہیں دیکھا ہے...... یہ ہماری رشتے دار ہے...... اس کا دماغ ٹھیک نہیں، گھر سے نکل گی ہے...... ہمیں اس کی تلاش ہے"۔

بوڑھے نے تصویر کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"اس شکل کی عورت کو میں نے آج سویرے یہاں سے گزرتے دیکھا ہے"۔

شیر خان نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ کس طرف جا رہی تھی؟"۔

بوڑھے نے ویران میدان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس رڑے میدان کی طرف گئی تھی...... آگے پتہ نہیں مجھے کہاں چلی گئی"۔

شیر خان نے اُٹھتے ہوئے بوڑھے کا شکریہ ادا کر کے اسے سلام علیکم کہا اور تیز تیز قدموں سے جیپ میں واپس آگیا...... اس نے حسن علی سے کہا۔

"حسن علی! تھوڑا سا کھوج مل گیا ہے"۔

اور پھر جیپ سٹارٹ کر کے اسے ذخیرے کے ذرا آگے لے جا کر ایک طرف روک دیا اور حسن علی سے کہا۔

"اپنے آدمیوں کو لے آؤ...... جلدی"۔

حسن علی فوراً جیپ کے پیچھے چلا گیا...... شیر خان وہیں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان بیٹھ گیا...... دوسرے ہی لمحے اس کی پارٹی کے چاروں مجاہد کمانڈو جو سارے کے سارے دیہاتی لباس میں تھے جیپ سے کود کر دوڑتے ہوئے اپنے کمانڈر شیر خان کے پاس آکر بیٹھ گئے...... شیر خان نے کہا۔

"سنو جوانو! ہمیں ٹارگٹ کا سراغ مل گیا ہے...... وہ یہاں سے قریب ہی ہے...... تم میں سے ایک جوان جیپ میں ہی رہے گا اور ہمارے سگنل دینے پر موقع پر ہمارے پاس آجائے گا...... یہ سگنل فاختہ کی آواز میں ہوگا...... تم اس سے واقف ہو...... میں اور حسن علی آگے آگے جائیں گے...... تم تین جوان بکھر کر ہمارے پیچھے پیچھے آؤ گے"۔

اس کے فوراً بعد شیر خان اور حسن علی درختوں میں میدان کی طرف چلنے لگے...... کچھ فاصلہ ڈال کر تینوں مجاہد کمانڈو بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے......

ذخیرے میں سے نکلنے کے بعد سامنے ویران اُجاڑ میدان تھا۔

حسن علی نے کہا۔

"سر! ایک سیکنڈ رُکیں"۔

شیر خان وہیں رُک گیا...... انہیں رُکتا دیکھ کر ان کے پیچھے کچھ فاصلہ ڈال کر آنے والے تینوں کمانڈو مجاہد بھی رُک گئے...... حسن علی زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا...... شیر خان بھی بیٹھ گیا...... زمین کی مٹی بھر بھری تھی اور اس پر جوتیوں کے نشان تھے...... حسن علی بڑا ماہر کھوجی بھی تھا...... اس نے پاؤں کے ایک نشان پر انگلی رکھ کر کہا۔

"سر! یہ کسی عورت کی جوتی کے نشان ہیں...... یہ سامنے کی طرف جا رہے ہیں اور اس طرف دیکھیں...... یہاں بھی اسی عورت کی جوتیوں کے نشان ہیں، مگر ان کا رُخ ذخیرے کی طرف ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ عورت میدان کی طرف سے آکر ذخیرے میں داخل ہوئی تھی اور پھر اس جگہ سے ذخیرے میں سے نکل کر میدان کی طرف گئی تھی"۔

حسن علی اٹھ کھڑا ہوا...... شیر خان بھی کھڑا ہو گیا...... حسن علی برابر جھک کر زمین کو دیکھ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"سر! اس عورت کی جوتیوں کے نشان یہ دیکھیں آگے جا رہے ہیں...... ممکن ہے یہ وہی عورت ہو جس کی ہمیں تلاش ہے اور جو بقول بوڑھے آدمی کے دن کے وقت اِدھر سے گزری تھی"۔

شیر خان نے بھی جھک کر دیکھا...... زمین پر جوتوں کے دوسرے نشان بھی تھے مگر وہ نشان بڑی جوتیوں کے تھے...... حسن علی نے کہا۔

"عورت کی جوتیوں کے نشان چھوٹے ہیں"۔

اور وہ عورت کی جوتیوں کے نشان کے ساتھ ساتھ میدان میں آگے بڑھنے

لگے...... انہیں آگے بڑھتا دیکھ کر ان کے پیچھے آنے والی کمانڈو پارٹی بھی آگے چل پڑی...... میدان میں آنے کے بعد کمانڈو پارٹی کے تینوں جوان دائیں بائیں جانب اور زیادہ فاصلہ ڈال کر چل رہے تھے...... دور سے دیکھنے پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ دیہاتی اپنی اپنی راہ چلتے اپنے اپنے گاؤں کو جا رہے ہیں...... عورت کی جوتیوں کے نشان میدان میں برابر آگے بڑھتے جا رہے تھے...... آگے مٹی کا ایک ٹیلا آ گیا...... وہاں سے جوتیوں کے نشان دائیں جانب مڑ گئے...... کمانڈو پارٹی بھی اسی جانب مڑ گئی...... ٹیلے سے نکل کر عورت کی جوتیوں کے نشان پھر سیدھے جانے لگے۔

یہاں آکر شیر خان نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان ایک عمارت اُبھری ہوئی ہے...... اس نے حسن علی کو وہ عمارت دکھائی...... یہ وہی ویران تاریخی کھنڈر تھا جس کے تہہ خانے میں دہشت گردوں کا خفیہ اڈہ تھا اور جہاں سے تھوڑی دیر پہلے رام دُلاری مسلمان عورت کا حلیہ بنا کر سفید برقعہ پہن کر اپنے دہشت گرد ساتھی رامو کے ساتھ نکلی تھی اور جہاں اس وقت مکند لال اور گنگو بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے...... انہوں نے رات کو ریلوے پل کو اُڑانے کے واسطے ایک انتہائی خطرناک اور زبردست دھماکہ خیز بم تیار کر کے اسے ایک پرانے تھیلے میں ڈال کر کونے میں رکھ دیا تھا اور اب موم بتی کی روشنی میں ایک کاغذ پر بنے ہوئے پل کا نقشہ نکال کر دیکھ رہے تھے...... مکند لال کہہ رہا تھا۔

"ہمیں اس گندے نالے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریلوے پل کے درمیان والے ستون کے پاس پہنچنا ہوگا"۔

ٹھیک اس وقت شیر خان اور حسن علی اپنی کمانڈو پارٹی کے ساتھ عورت کی جوتیوں کے نشان کی راہنمائی میں ان دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے...... جس عورت کی جوتیوں کے نشان پر یہ پارٹی آگے بڑھ رہی تھی وہ بھارتی دہشت گرد رام دُلاری ہی کی جوتیوں کے نشان تھے جو سیدھے پرانے تاریخی

کھنڈر کی طرف جارہے تھے۔

کھنڈر سے ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر آکر شیر خان اور حسن علی بیٹھ گئے...... کے پیچھے آنے والے تینوں کمانڈو بھی وہیں بیٹھ گئے...... حسن علی نے پاؤں کے نش دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر! عورت کے پاؤں کے نشان سامنے والے کھنڈر کی طرف جار ہیں...... مجھے یقین ہے کہ یہ اسی عورت کے پاؤں کی جوتیوں کے نشان ہیں جس ہمیں تلاش ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ہم سامنے کی طرف سے کھنڈر میں جانے کی بجائے اس دائیں پہلو سے ہو کر جائیں گے"۔

اور دونوں اٹھ کر کھنڈر کی دائیں جانب سے ہو کر آگے بڑھے...... وہ کھنڈ عقب میں آگئے...... دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... حسن عل جھک کر زمین کو دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"سر! یہ دیکھیں اس عورت کے پاؤں کے نشان یہاں تک آرہے ہیں اور سے آگے بائیں جانب کھنڈر کی طرف مڑ گئے ہیں...... اس کا مطلب ہے کہ وہ عق طرف سے کھنڈر میں داخل ہوئی ہوگی"۔

شیر خان نے گہری نظر سے تاریخی کھنڈر کی شکستہ عمارت کو دیکھا صدیوں کی آسیبی خاموشی چھائی ہوئی تھی...... ان کے آس پاس کوئی انسان تو ک تک نظر نہیں آرہا تھا...... شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"حسن علی! پستول نہیں...... سٹین گنیں"۔

اس کے فوراً بعد دونوں نے اپنے لمبے دیہاتی کرتوں کے نیچے سے سٹی نکال لیں اور ذرا پرے پرے ہٹ کر کھنڈر کی عقبی دیوار والی جھاڑیون کی

بڑھے...... ان کے پیچھے پیچھے آنے والے تینوں مجاہدوں نے بھی اسلحہ نکال کر ہاتھوں میں لے لیا...... جھاڑیوں کے پاس جاکر شیر خان اور حسن علی ایک بار پھر بیٹھ گئے...... شیر خان نے سامنے اشارہ کیا...... سامنے کھنڈر کی عقبی دیوار میں وہی شگاف نظر آرہا تھا جس میں سے گزر کر رام دُلاری اور دوسرے بھارتی دہشت گرد آتے جاتے تھے...... یہاں شیر خان نے اپنا منہ پیچھے کی طرف کر کے فاختہ کی آواز میں ذخیرے کے کنارے جیپ میں بیٹھے ہوئے کمانڈو کو سگنل دیا...... اس کمانڈو نے فاختہ کی آواز کے سگنل کو سنتے ہی جیپ سٹارٹ کی اور اسے آہستہ آہستہ چلاتا ویران میدان میں آگے بڑھا...... اس کو معلوم تھا کہ اس کی پارٹی اپنے کمانڈر کے ساتھ میدان میں کس طرف گئی ہے اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی پارٹی ٹارگٹ پر پہنچ گئی ہے اور اب اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ سٹین گنوں کے میگزین اور دستی بموں کا تھیلا لے کر ٹارگٹ پر جائے گا اور پارٹی کو ایمونیشن اور ہینڈ گرنیڈ پہنچائے گا...... اس کی وہاں کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی کیونکہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ٹارگٹ پر دشمن کی کتنی نفری چھپی ہوئی ہے۔

اس وقت شیر خان اور حسن علی اپنی کمانڈو پارٹی کے ساتھ دبے پاؤں کھنڈر کی دیوار کے شگاف میں سے گزر کر تاریخی عمارت کے صحن میں پہنچ چکے تھے...... صحن میں چند قدموں کے فاصلے پر ایک اور پرانی شکستہ دیوار کھڑی تھی جس کے آگے بہت گھنی جھاڑیاں تھیں...... اب کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا...... شیر خان نے ان جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھا...... جھاڑیوں کے پاس جاکر اس نے جھاڑیوں کو ایک جگہ سے ہٹایا تو ٹوٹی ہوئی شاخیں اس کے ہاتھ میں آگئیں...... حسن علی نے بغیر آہٹ کئے اپنی طرف سے جھاڑیوں کو ہٹایا تو اس کے ہاتھ میں بھی بہت سی جھاڑیوں الگ ہو کر آگئیں...... صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہاں دوسری جگہ سے جھاڑیاں کاٹ کر لائی گئی ہیں اور کسی خاص جگہ کو چھپانے کے لئے وہاں ڈالی گئی ہیں...... شیر خان اور حسن علی نے کچھ اور جھاڑیاں وہاں سے ہٹائیں تو ایک زینہ دکھائی دیا جو نیچے جاتا

تھا...... شیر خاں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے والے تینوں کمانڈوز کو قریب بلا لیا...... تینوں کمانڈو جھک کر دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے جھاڑی کے پاس پوزیشنیں سنبھال لیں۔

شیر خان نے زینے کے اوپر جھک کر کان لگا دیئے...... نیچے سے دو دہشت گردوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی...... شیر خان نے حسن علی کو اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے دکھائیں اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا...... چوتھا کمانڈو اس وقت کھنڈر کے صحن میں آ کر ایک طرف پوزیشن لے کر بیٹھ گیا تھا...... اس کے پاس ہینڈ گرنیڈ بھی تھے اور لکڑی کے چھوٹے بکس میں میگزین بھی تھا...... وہ اپنے سامنے کمانڈر شیر خان اور حسن علی کو تہہ خانے میں اترتے اور تہہ خانے کے باہر دونوں جانب اپنے تینوں جوانوں کو پوزیشن میں بیٹھا دیکھ رہا تھا...... شیر خان بڑی احتیاط کے ساتھ زینے پر پاؤں رکھ کر نیچے اتر رہا تھا...... حسن علی اس طرح پیچھے تھا کہ اس نے سٹین گن کا رُخ شیر خان کے کندھے کے اوپر سے سامنے کی جانب کیا ہوا تھا...... آدھا زینہ دبے دبے پاؤں کے ساتھ اترنے کے بعد باقی کی سیڑھیاں طوفان کی طرح تیزی سے اترنے کے بعد شیر خان اور حسن علی سٹین گن تان کر ایک دم تہہ خانے میں آ گئے اور شیر خان نے چلا کر کہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو"۔

اس وقت دہشت گرد گنگو اور ان کا سرغنہ مکند لال اپنی اپنی سٹین گنیں گھٹنوں پر رکھے دری پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے...... جیسے ہی ان دونوں کو کسی کے جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے کی آواز آئی انہوں نے اسی وقت اپنی گنیں اٹھا کر ان کا رخ زینے کی طرف کر دیا تھا اور پھر جونہی شیر خان اور حسن علی ان کے سامنے آئے انہوں نے فائرنگ شروع کر دی...... دونوں کمانڈو اس اچانک حملے کے لئے پوری طرح تیار تھے...... وہ جانتے تھے کہ بھارتی دہشت گرد انہیں دیکھتے ہی فائر کھول دیں گے، چنانچہ

دونوں دہشت گردوں کے ہاتھوں میں سٹین گنیں دیکھتے ہی دونوں کمانڈو ایک سیکنڈ میں نیچے جھک گئے تھے...... اصل میں شیر خان ان دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا کہ ان سے مزید معلومات حاصل کی جا سکیں، لیکن دشمن نے انہیں اس کی مہلت نہیں دی تھی...... دونوں مجاہد دشمن کی فائرنگ کی زد میں تھے...... اگر وہ جوابی فائر نہیں کرتے تو ان کی موت یقینی تھی...... یہ بالکل آمنے سامنے کا مقابلہ تھا، چنانچہ نیچے جھکتے ہی شیر خان اور حسن علی نے ایک ساتھ فائر کھول دیا اور ان کی سٹین گنوں کے اوپر تلے چھ سات برسٹ دہشت گرد گنگو اور مکند لال کے سینے اور پیٹ میں سے گزر گئے...... دونوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔

شیر خان نے اپنی سٹین گن نیچے کرتے ہوئے افسوس کے ساتھ حسن علی سے کہا۔

"دہشت گرد کو زندہ پکڑنے کا یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا"

دوسرے تینوں کمانڈو بھی سیڑھیوں پر سے چھلانگیں لگا کر اترتے ہوئے نیچے تہہ خانے میں آ گئے تھے...... حسن علی نے دہشت گردوں کی لاشوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ابھی زندہ ہو"۔

اس نے اور شیر خان نے دہشت گردوں کی نبض دیکھی...... دونوں مر چکے تھے...... انہوں نے تہہ خانے کی تلاشی لی...... کونے میں ایک تھیلا رکھا ہوا تھا...... شیر خان نے بڑی احتیاط سے تھیلے کو کھولا...... اس میں وہ بم تھا جسے آج رات ان دہشت گردوں نے شہر کے سب سے بڑے ریلوے پل کے ستون کے ساتھ لگا کر اسے ریموٹ سے اُڑانا تھا...... اس نے اپنے ایک جوان کو بم والا تھیلا دیتے ہوئے کہا۔

اسے بڑی احتیاط سے لے جا کر باہر جیپ میں رکھ دو۔

مزید تلاشی کے بعد دوسری کوٹھڑی میں سے بھیس بدلنے والا سامان، نقلی داڑھیاں، ایک مسلمان عورتوں کے پہننے والا کالا برقع اور ایک ڈبے میں سے پاکستانی

کرنسی کے ہزار ہزار، پانچ پانچ سو اور سو سو کے بہت سے نوٹ ملے...... کچھ پستول اور چار سٹین گنیں بھی ملیں...... یہ سارا سامان باہر کھڑی جیپ میں رکھ دیا گیا...... شیر خان کہنے لگا۔

"افسوس کہ ہمیں وہ عورت نہیں مل سکی جس نے اپنے ساتھی دہشت گرد کو زہریلا انجکشن لگا کر ہلاک کیا تھا اور جو حشمت بی بی کے بہروپ میں ہمیں بے وقوف بناتی رہی تھی"۔

حسن علی کہنے لگا۔

"اس کی جوتیوں کے نشان تو اسی تہہ خانے کی طرف آتے تھے...... ہو سکتا ہے وہ ہمارے آنے سے پہلے یہاں سے جا چکی ہو"۔

"ایسا ہی لگتا ہے" شیر خان نے کہا۔

دونوں دہشت گردوں گنگو اور مکند لال کی لاشیں بھی الگ الگ چادروں میں لپیٹ کر جیپ میں ڈال دی گئی تھیں...... شیر خان نے تہہ خانے میں اترنے والے زینے کو اسی طرح جھاڑیاں ڈال کر چھپا دیا اور یہ پارٹی واپس اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... اس وقت دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا...... گل خان اپنی پارٹی کے ساتھ ناکام ہو کر واپس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر کمانڈنگ آفیسر کو اپنی رپورٹ دے چکا تھا...... ا کے کچھ دیر بعد شیر خان اور حسن علی دہشت گردوں کی لاشیں اور وہاں سے برآ ہونے والا اسلحہ اور بم کا تھیلا لے کر پہنچ گئے...... ان کے مشن کی کامیابی پر سی صاحب نے انہیں مبارک باد دی اور حشمت بی بی عرف رام دُلاری کے بارے پوچھا تو شیر خان بولا۔

"سر! مجھے دو باتوں کا افسوس رہے گا...... پہلی بات تو یہ کہ ہم دونوں میں سے ایک دہشت گرد کو بھی زندہ نہیں پکڑ سکے...... دوسری یہ کہ ہم اس مکار بھارتی دہش گرد عورت کو بھی گرفتار نہیں کر سکے جس کی ہمیں تلاش تھی...... شاید وہ ہمارے

سے پہلے ہی وہاں سے کہیں جا چکی تھی"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"اگر وہ اسی شہر میں ہے تو ہماری انٹیلی جنس کے آدمیوں اور پولیس کے ہاتھوں بچ نہیں سکے گی...... ہم نے اس کی فوٹو کا اشتہار انعام کی رقم کے ساتھ اخبارات کے دفتر میں پہنچا دیا ہے...... کل کے اخباروں میں یہ اشتہار اس عورت کی تصویر کے ساتھ چھپ جائے گا اور کہیں نہ کہیں سے وہ ضرور پکڑی جائے گی"۔

"سر! یہ بھارتی دہشت گرد ہندو عورت "را" کی تربیت یافتہ لگتی ہے...... بڑی عیار ہے...... اخباروں میں اپنی فوٹو والا اشتہار دیکھنے کے بعد وہ ضرور برقعہ اوڑھ کر باہر نکلے گی"۔

کمانڈنگ آفیسر کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں...... ہم اس کا توڑ بھی ڈھونڈھ لیں گے"۔

پھر کچھ سوچ کر کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان سے کہا۔

"تمہیں ایک کام کرنا ہے...... پنڈی سے ہماری تنظیم کے چیف کا مجھے پیغام ملا ہے کہ وہ کسی بڑی اہم خفیہ رپورٹ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں...... یہ رپورٹ وہ نہ ہمیں لکھ کر بھیج سکتے ہیں نہ فون پر بتا سکتے ہیں...... میں چاہتا ہوں کہ تم خود پنڈی جا کر چیف سے مل کر اس خفیہ رپورٹ کے بارے میں معلوم کرو"۔

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! میں آج صبح کی ریل کار سے راولپنڈی چلا جاتا ہوں"۔

سی او نے کہا۔

"کسی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے...... تم اکیلے ہی جانا"۔

"او کے سر!" شیر خان نے کہا۔

کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان کو تاکید کی کہ اس بارے میں سوائے گل خان کے

اور کسی سے کوئی ذکر نہ کرے...... شیر خان نے کہا کہ ایسا ہی ہو گا سر! اور اپنے کوارٹر میں آ گیا...... رات کو گل خان بھی اس کے کمرے میں آ گیا...... شیر خان نے اسے ساری بات بتاتے ہوئے کہا کہ وہ صبح کی ریل کار میں راولپنڈی جا رہا ہے، گل خان بولا۔

"میرا خیال ہے کوئی بے حد اہم رپورٹ ہے جس کے لئے چیف اتنی راز داری سے کام لے رہا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ تو پنڈی جا کر معلوم ہو گا...... بہر حال تم پیچھے ہوشیار رہنا اور خاص خاص جگہوں کی نگرانی کرواتے رہنا...... بہت ممکن ہے کہ وہ دہشت گرد ہندو عورت ہماری نقل و حرکت کی جاسوسی کرنے ہمارے ہیڈ کوارٹر کے اِرد گرد چکر لگائے اور یاد رکھو...... اب چونکہ اس کی فوٹو اخباروں میں چھپ گئی ہے...... اس لئے وہ برقعہ اوڑھ کر آئے گی...... اسے ہیڈ کوارٹر کا تو پتہ نہیں، لیکن اس کے آس پاس کے علاقے سے واقف ہو گئی ہے"۔

گل خان نے کہا۔

"ہم چوکنے رہیں گے...... تم فکر نہ کرو"۔

دوسرے دن صبح کی ریل کار سے شیر خان راولپنڈی روانہ ہو گیا۔

اُدھر رام دُلاری اپنے دہشت گرد ساتھی رامو کے ساتھ سفید برقعہ اوڑھ کر کمانڈو تنظیم کی سرگرمیوں کا سراغ لگانے نکلی تو بھارتی دہشت گرد جس نے دیہاتی لباس پہن رکھا تھا اور جس کی مسلمانوں ایسی چھوٹی داڑھی بھی تھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... دونوں بالکل دیہات سے آئے ہوئے لگ رہے تھے...... رام دُلاری نے وہ علاقہ دیکھ رکھا تھا جہاں کسی جگہ کمانڈو تنظیم کا ہیڈ کوارٹر تھا...... رام دُلاری اسی علاقے میں ایک جگہ آ گئی اور انہوں نے رکشا چھوڑ دیا...... یہاں زیادہ آباد نہیں تھی...... دُور دُور ایک ہی جیسے کوارٹر بنے ہوئے تھے...... ایک دو بازار بھی

تھے...... چند ایک دکانیں تھیں...... دونوں یونہی کسی نامعلوم شخص کا پتہ پوچھتے پھرے...... اصل میں وہ اس علاقے کا جائزہ لے رہے تھے...... انہیں وہاں کوئی خاص مشتبہ شخص دکھائی نہ دیا تو رامو نے آہستہ سے کہا۔

"رام دُلاری! یہ علاقہ خطرناک ہے...... ہو سکتا ہے پولیس کمانڈو کے سی آئی ڈی والے بھی یہاں موجود ہوں...... خواہ مخواہ کسی مشکل میں نہ پھنس جائیں...... میرا خیال ہے کہ میں اکیلا ہی شام کے وقت آؤں گا"۔

رام دُلاری کو بھی احساس ہوا کہ کہیں وہ لوگوں کی نظروں میں نہ آ جائیں اور اِدھر اُدھر چلنے پھرنے سے انہیں کچھ حاصل بھی نہیں ہو رہا تھا...... چنانچہ وہیں سے وہ واپس اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل پڑے...... چوک میں آ کر وہ ایک اخبار والے کے کھوکھے کے پاس رُک کر کسی خالی رکشے کا انتظار کرنے لگے...... اخبار فروش نے کچھ اخبار دکان کے آگے لٹکا رکھے تھے...... اس روز تمام اخباروں میں رام دُلاری کی فوٹو والا انعامی اشتہار چھپ چکا تھا...... یہ اشتہار ہر اخبار کے پہلے صفحے پر شائع ہوا تھا...... رامو کی یونہی دکان کے آگے لٹکے ہوئے اخبار پر نظر پڑ گئی...... رام دُلاری کی تصویر دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا...... ذرا آگے ہو کر اخبار کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ پولیس کی طرف سے دیا گیا اشتہار ہے اور اس پر رام دُلاری کی فوٹو ہے...... ان دہشت گردوں کو اُردو زبان باقاعدہ سکھائی گئی تھی...... رامو نے پڑھا...... اشتہار میں لکھا تھا کہ یہ عورت جو اپنا نام حشمت بی بی بتاتی ہے...... ایک خطرناک مفرور قیدی ہے جو کوئی اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے گا اسے پچاس ہزار روپے انعام دیا جائے گا...... رامو نے دُلاری سے کہا۔

"یہاں سے نکل چلو"۔

"کیا بات ہے؟" رام دُلاری نے برقعے کے اندر سے پوچھا...... رامو نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں جو کہتا ہوں وہ کرو...... آ جاؤ"۔

اور وہ بازار میں دوسری طرف چل پڑا...... رام دُلاری اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی...... دوسرے چوک میں آ کر اس نے رامو کے قریب ہو کر پوچھا۔

"کیا وہاں کوئی ہماری نگرانی کر رہا تھا؟"۔

رامو نے کہا۔

"یہ تو مجھے پتہ نہیں، لیکن اتنا ضرور پتہ ہے کہ آج کے اخباروں میں تمہاری فوٹو چھپی ہے اور تمہاری گرفتاری کے لئے پولیس نے پچاس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا ہے...... میں نے اپنی آنکھوں سے اخبار پر چھپی ہوئی تمہاری فوٹو دیکھی ہے"۔

رام دُلاری نے حیران سی ہو کر کہا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا......؟"۔

وہ چلتے جا رہے تھے اور آہستہ آہستہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے...... رامو نے کہا۔

"یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ تم نے برقعہ پہن رکھا ہے ورنہ ہم دونوں اسی جگہ پکڑے گئے تھے...... اب فوراً ہمیں اپنے اڈے پر پہنچنا چاہئے اور مکند لال کو اس اشتہار کے بارے میں بتانا چاہئے"۔

انہوں نے ایک خالی رکشا لیا اور اس علاقے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں تاریخی کھنڈر کے تہہ خانے میں ان کا خفیہ اڈہ تھا...... ایک خاص علاقے میں آ کر انہوں نے ایک جگہ رکشا چھوڑ دیا اور پیدل ہی چل پڑے...... وہ احتیاط کے طور پر ٹاہلی کے درختوں والے ذخیرے سے پرے ایک پگ ڈنڈی پر چل رہے تھے...... ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر وہ مٹی کے اس ٹیلے کے قریب پہنچ گئے جس کے پیچھے درختوں کے درمیان وہ تاریخی کھنڈر تھا جس کے تہہ خانے میں ان لوگوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا...... کھنڈر کے پاس آ کر وہ ایک دو منٹ کے لئے یوں بیٹھ گئے جیسے چلتے چلتے تھک گئے ہوں اور ذرا آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے ہوں...... اس دوران رامو نے اِرد گرد نگاہ ڈال کر

اچھی طرح سے تسلی کر لی کہ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا...... اس کے بعد وہ اٹھے اور دیوار کے شگاف میں سے گزر کر کھنڈر کے صحن میں آ گئے...... رام دُلاری نے برقع کا نقاب اٹھا دیا تھا...... آگے کھنڈر کی پرانی دیوار آ گئی جہاں جھاڑیوں کے درمیان نیچے تہہ خانے کو جانے کا راستہ تھا...... رامو نے اپنی ٹانگ سے جھاڑیوں کو اِدھر اُدھر ہٹایا اور وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگے...... نیچے اترنے سے پہلے رامو نے جھاڑیوں کو دوبارہ آگے کر دیا تھا۔

رام دُلاری سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں پہنچ گئی تھی...... تہہ خانے میں اندھیرا تھا...... اس نے رامو کو آواز دی۔

"رامو! جلدی سے نیچے آؤ"۔

رامو آخری دو تین سیڑھیاں پھلانگ کر تہہ خانے میں آ گیا...... کہنے لگا۔

"یہاں اندھیرا کیوں ہے...... مکند لال اور گنگو کہاں ہیں؟"۔

رام دُلاری نے ان دونوں کو آواز دی کہ شاید پچھلی کوٹھڑی میں ہوں...... جب کوئی جواب نہ آیا تو رامو بولا۔

"ٹھہرو...... میں موم بتی جلاتا ہوں"۔

اسے معلوم تھا کہ موم بتیاں دیوار کے طاق میں ہوتی ہیں...... وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا طاق کے پاس آیا اور ماچس جلا کر موم بتی روشن کر دی...... موم بتی کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ چارپائی اُلٹی ہوئی تھی اور وہاں ایمونیشن اور اسلحہ وغیرہ غائب تھا...... رام دُلاری نے دوسری بڑی موم بتی بھی روشن کر دی...... جب دوسری موم بتی روشن ہوئی تو تہہ خانے کے فرش اور دری پر انہیں جگہ جگہ خون ہی خون بکھرا ہوا نظر آیا...... رام دُلاری نے گھبرا کر کہا۔

"رامو! پولیس کمانڈو گنگو اور مکند لال کو ہلاک کر گئے ہیں...... یہ دیکھو خون ہی خون"۔

رامو بھی خون دیکھ کر گھبرا گیا...... کہنے لگا۔

"وہ ان کی لاشیں بھی لے گئے ہیں...... یہاں سے بھاگو رام دُلاری"۔

رام دُلاری نے ابھی برقعہ نہیں اتارا تھا...... وہ اسی طرح رامو کے ساتھ تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف دوڑی...... رامو بھی اس کے پیچھے دوڑا...... تہہ خانے سے نکلتے ہی وہ کھنڈر کے خفیہ دروازے کی طرف بڑھے...... یہ دروازہ انہوں نے پچھلی دیوار توڑ کر خود بنایا تھا...... کھنڈر سے نکل کر وہ تیز تیز قدموں سے میدان کی دوسری طرف چلنے لگے...... ادھر کچھ فاصلے پر کھیت اور ان کے پیچھے مکان نظر آرہے تھے...... وہ تیز تیز چلے جا رہے تھے...... کھیتوں میں پہنچ کر رامو نے کہا۔

"ایک منٹ ٹھہرو"۔

رام دُلاری رُک گئی...... رامو نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... اسے خطرہ تھا کہ چھاپہ مارنے اور خفیہ ٹھکانے سے گنگو اور مکند لال کی لاشیں اٹھالے جانے کے بعد پولیس کمانڈو نے اپنے ایک دو آدمی وہاں ضرور چھپا کر بٹھا دیئے ہوں گے تاکہ وہ یہ پتہ چلا سکیں کہ وہاں کون کون آتا ہے اور کدھر جاتا ہے، لیکن پیچھے میدان دور تک خالی پڑا تھا اور کوئی آدمی نظر نہیں آرہا تھا...... اس نے رام دُلاری سے کہا۔

"اب چلو"۔

وہ چلنے لگی...... اس نے کہا۔

"ان کو ہمارے ٹھکانے کا کیسے پتہ چل گیا؟"۔

رامو بولا۔

"وہ لوگ کوئی اناڑی نہیں ہیں...... ان کی سی آئی ڈی بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے...... ہو سکتا ہے جب تم جمنا داس کو ہلاک کر کے واپس آرہی تھیں تو ان کا کوئی آدمی تمہارا پیچھا کر رہا ہو"۔

رام دُلاری نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ کھیتوں میں چلتے رہے...... اب وہ عام

دیہاتی لوگوں کی طرح چل رہے تھے...... رام دُلاری نے پوچھا۔

"رامو! ہم کہاں جا رہے ہیں؟"۔

رامو نے کہا۔

"مجھے خود معلوم نہیں"۔

رام دُلاری بولی۔

"اس شہر میں تو ہمارے جتنے آدمی تھے سوائے میرے اور تمہارے، سب مارے گئے ہیں"۔

رامو بولا۔

"ہمیں راولپنڈی والے باس کے پاس جا کر اس کی رپورٹ کرنی چاہیئے...... یہ ضروری بھی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"شام ہونے والی ہے...... اس وقت کوئی بس بھی نہیں ملے گی"۔

رامو بولا۔

"ہم کوئی ٹرین پکڑ لیں گے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"ہمیں لاہور سے ٹرین نہیں پکڑنی چاہیئے"۔

"پھر کہاں سے پکڑنی چاہیئے؟" رامو نے پوچھا۔

"ہمیں یہاں سے گوجرانوالہ جانا چاہیئے اور وہاں سے پنڈی جانے والی کوئی ٹرین پکڑنی چاہیئے" رام دُلاری نے کہا۔

"کیا گوجرانوالہ جانے والی لاری مل جائے گی؟"۔

رامو نے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"گوجرانوالہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے...... وہاں جانے والی لاریاں اور بسیں
شام تک چلتی رہتی ہیں"۔

رامو بولا۔

"تو پھر لاری اڈے پر چلتے ہیں"۔

"نہیں نہیں" دُلاری بولی...... "ہمیں لاری اڈے پر جانے کی بجائے لاہور سے گوجرانوالہ جانے والی سڑک پر سے کسی لاری میں سوار ہونا چاہئے"۔

رامو کو رام دُلاری کا یہ آئیڈیا پسند آیا...... لاہور شہر کی تمام سڑکوں اور راستوں سے وہ واقف تھے...... چنانچہ وہیں سے انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور اس طرف کو مڑ گئے جس طرف آگے جا کر جی ٹی روڈ آجاتی تھی...... اس وقت سورج نے مغرب کی طرف چھپنا شروع کر دیا تھا اور دھوپ ختم ہو رہی تھی...... جی ٹی روڈ وہاں سے کافی دور تھی، مگر وہ چلتے گئے...... وہ کھلی جگہوں پر سے گزرنے کی بجائے آبادی کے مکانوں کے درمیان سے ہو کر جا رہے تھے...... اس طرح وہ اپنے آپ کو زیادہ محفوظ خیال کرتے تھے...... رام دُلاری نے کہا۔

"میرے پرس میں کافی پیسے ہیں...... یہ مجھے تمہارے سامنے مکند لال نے دیئے تھے، مگر یہ سب پاکستان کی جعلی کرنسی کے ہیں جو ہمیں ہمارے انڈین سفارت خانے کے اتاشی کی طرف سے ہمیں دیئے گئے تھے"۔

رامو نے کہا۔

"پھر کیا ہوا"۔

"اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ جعلی کرنسی ہے تو ہم وہیں پکڑے جائیں گے" رام دُلاری نے کہا۔

رامو بولا۔

"اب یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا...... میرے پاس بھی یہی جعلی کرنسی

ہے...... بغیر ٹکٹ تو جا نہیں سکتے"۔

اسی طرح باتیں کرتے اور طرح طرح کے خدشات کا اظہار کرتے وہ جی ٹی روڈ پر آ گئے...... سڑک پر سے لاریاں بسیں وغیرہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گزر رہی تھیں...... رام دُلاری برقعے کا نقاب ڈالے پیچھے کھڑی رہی...... رامو سڑک پر آ کر ہر لاری کو جو گوجرانوالہ کی طرف جا رہی تھی ہاتھ دیتا...... لاری آگے نکل جاتی...... آخر ایک لاری رُک گئی...... دونوں اس میں بیٹھ گئے...... لاری چل پڑی...... کنڈیکٹر نے رامو سے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے میاں جی؟"۔

رامو نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے دیہاتیوں والی پنجابی میں کہا۔

"گوجرانوالہ جانا ہے"۔

کنڈیکٹر نے گوجرانوالہ کے دو ٹکٹ کاٹ کر دے دیئے...... رام دُلاری رامو کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی...... اس نے برقعے کا نقاب آگے ڈال رکھا تھا...... وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ مسلمانوں کا یہ برقعہ بھی کتنا اچھا ہے کہ اس نے مجھے چھپا لیا ہے...... ورنہ اسے پہچانا جا سکتا تھا...... جبکہ اسی روز اخباروں میں اس کا فوٹو بھی چھپ چکا تھا...... لاری اپنی منزل کی طرف چلی جا رہی تھی...... گوجرانوالہ پہنچتے تک شام ہو گئی...... وہ دونوں لاری اڈے سے نکل کر سیدھا ریلوے سٹیشن پر آ گئے...... ریلوے سٹیشن کی بتیاں روشن تھیں...... رامو نے رام دُلاری کو ایک طرف کھڑا کر کے خود بکنگ آفس پر جا کر راولپنڈی کے دو ٹکٹ لئے...... وہاں سے اسے معلوم ہوا کہ پنڈی جانے والی گاڑی ایک گھنٹے بعد آئے گی۔

وہ پلیٹ فارم پر آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گئے...... وہاں پہلے ہی سے ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا...... اس کے ہاتھ میں اخبار تھا اور وہ اخبار پڑھ رہا تھا...... رامو نے نگاہ پھیر کر دیکھا...... وہ اخبار میں چھپا ہوا رام دُلاری کی فوٹو والا اشتہار پڑھ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"ہماری پولیس نکمی ہو گئی ہے کہ اتنی خطرناک بھارتی جاسوسہ اس کی قید سے نکل بھاگی"۔

رامو کو مجبوراً جواب دینا پڑا...... اس نے کہا۔

"ہاں بزرگو! آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔

وہ آدمی رام دُلاری کی فوٹو کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"لگتا ہے اس عورت کو میں نے کہیں دیکھا ہے"۔

رامو اور رام دُلاری نے یہ سنا تو ان کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں...... پھ آدمی خود ہی بولا۔

"شاید وہ اسی شکل کی عورت تھی...... میں نے کل صبح لاہور میں دیکھی تھی"۔

رامو نے کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"جی ہاں...... شاید آپ نے اسے دیکھا ہو"۔

"بالکل دیکھا ہے جی" بوڑھا کہنے لگا۔

"بالکل یہی شکل تھی اس کی...... میں کوٹ لکھپت والے ریلوے پھاٹک ک طرف آ رہا تھا کہ میں نے اس عورت کو دیکھا وہ ریلوے لائن کی طرف سے آئی او میرے قریب سے ہو کر گزر گئی...... بڑی گھبرائی ہوئی لگتی تھی"۔

رامو اور دُلاری نے بیک وقت محسوس کیا کہ اس بنچ پر زیادہ دیر بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں...... انہیں فوراً جگہ بدل لینی چاہئے، کیونکہ یہ رام دُلاری ہی تھی جسے ا بوڑھے نے ریلوے پھاٹک پر دیکھا تھا...... اس وقت وہ جمنا داس کو قتل کر کے واپ آ رہی تھی...... اگرچہ یہ اس بوڑھے کی قیاس آرائی بھی ہو سکتی تھی لیکن اب ر دُلاری وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی...... اس نے رامو کو برقعے کے اندر سے کہنی کا ہلکا ٹہوکا دیا۔

رامو سمجھ گیا...... اس نے رام دُلاری سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بے بے! گاڑی شاید دوسرے والے پلیٹ فارم پر آئے گی...... ادھر چل کر بیٹھتے ہیں"۔

اور وہ دونوں جلدی سے اٹھے اور دوسرے پلیٹ فارم کا رُخ کر لیا...... رامو بولا۔

"یہ کم بخت بوڑھا ہو سکتا ہے ٹھیک کہہ رہا ہو اور اس نے تمہیں جمنا داس کا کام تمام کرنے کے بعد واپس آتے دیکھ لیا ہو"۔

"رام دُلاری بولی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے، کیونکہ وہاں راستے میں ریلوے پھاٹک آتا تھا اور بس وہاں سے گزرتی تھی اور میں واقعی کچھ گھبرائی ہوئی تھی...... اس خیال سے نہیں کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کا خون کر دیا تھا بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میرا پیچھا نہ کر رہا ہو"۔

رامو نے کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے کم از کم اس وقت تو تمہیں اس بوڑھے نے نہیں دیکھا...... اس برقعے نے تمہیں اور مجھے...... ہم دونوں کو بچا لیا"۔

انہیں معلوم تھا کہ پنڈی جانے والی ٹرین اسی پلیٹ فارم پر آئے گی...... چنانچہ وہ کافی آگے جا کر جہاں کافی مسافر تھے بنچ پر بیٹھنے کی بجائے مسافروں کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئے...... جب ٹرین آئی تو سب مسافر گاڑی کے ڈبوں کی طرف بڑھے...... رامو کو معلوم تھا کہ انڈیا میں تو عورتیں اور مرد ایک ہی ڈبے میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں عورتوں کا کوئی الگ ڈبہ نہیں ہوتا...... جب کہ پاکستان میں عورتوں کا الگ ڈبہ ہوتا ہے...... چنانچہ اس نے رام دُلاری کو ایک الگ ڈبے میں بٹھا دیا...... اس نے اسے ایسی سیٹ پر بٹھایا جو کونے میں تھی تاکہ پلیٹ فارم سے کسی کی اس پر نظر نہ پڑے اور اسے تاکید کر دی کہ وہ برقعے کا نقاب ڈالے رکھے اور چہرہ ننگا نہ کرے...... اگر مسافر عورتوں کے کہنے پر اسے نقاب الٹنا بھی پڑے تو اس وقت کے لئے جب ٹرین چل رہی ہو...... ٹرین کی جگہ کھڑی ہو تو وہ فوراً نقاب ڈال لے...... رامو خود تھرڈ کلاس کے مردانہ ڈبے میں

سوار ہو گیا۔

ڈبہ مسافروں سے بھرا ہوا تھا...... ٹرین تھوڑی دیر رُک کی پھر روانہ ہو گئی...... گا
جس وقت پنڈی پہنچی تو رات کے بارہ بج چکے تھے...... رامو اور رام دُلاری سٹیشن
نکل کر ٹیکسی سٹینڈ پر آ گئے...... وہاں کئی خالی ٹیکسیاں کھڑی تھیں...... انہیں کوئی ؟
پریشانی نہیں تھی...... سٹیشن سے انہیں سیدھا بھارتی سفارت خانے ہی جانا تھا
جہاں وہ آدھی رات کو بھی چاہیں تو جا سکتے تھے...... وہ ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ گئے
ڈرائیور کو اسلام آباد اس سیکٹر میں چلنے کو کہا جہاں بھارت کا سفارت خانہ تھا......
نے بھارتی سفارت خانے کا نام بھی نہ لیا...... ٹیکسی اسلام آباد کی طرف چل پڑی
رامو نے ٹیکسی ڈرائیور کو مطمئن کرنے کے لئے یہی بتایا کہ اس سیکٹر میں اس کا
عبدالرحمان اپنے صاحب کی کوٹھی میں خانساماں ہے، وہ اس کے پاس جا رہے ہیں۔

اسلام آباد کی مختلف سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد جب بھارتی سفارت خ
والا سیکٹر آیا تو رامو نے ایک خاص کوٹھی کے باہر ٹیکسی رکوائی...... اسے کرایہ د
رخصت کیا اور رام دُلاری کو لے کر آگے چلنے لگا...... اسے اور رام دُلاری دونو
معلوم تھا کہ بھارت کا سفارت خانہ وہاں سے چار پانچ کوٹھیاں چھوڑ کر ہے......
بھارت کے سفارت خانے کے باہر آ کر رُک گئے...... باہر گارڈ پہرے پر کھڑ
تھے...... رامو نے کاغذ کی چٹ پر ایک خاص نمبر لکھ کر گارڈ کو دیا اور کہا۔

"یہ اندر ڈیوٹی آفیسر کو دے دو"۔

گارڈ نے چٹ سفارت خانے کے بند آہنی دروازے کے اندر ایک اور گا
دے دی...... وہ اسے لے کر ڈیوٹی آفیسر کے کمرے میں چلا گیا جو وہاں سے قریب
تھا...... دوسرے ہی لمحے ڈیوٹی روم سے گیٹ پر فون آیا کہ جو آدمی آیا ہے اسے
بھیج دیا جائے۔

گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا...... رامو اور رام دُلاری گیٹ میں سے ؟

سفارت خانے کی عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئے...... اندر داخل ہوتے ہی رام دُلاری نے چہرے پر سے نقاب اُلٹ دیا...... ڈیوٹی آفیسر اس دوران اندر پریس اتاشی کو فون کر کے رامو اور دُلاری کا نمبر بتا چکا تھا...... پریس اتاشی نے ہدایت کی تھی کہ ان دونوں کو اگر کوئی ایمر جنسی نہ ہو تو گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا دیا جائے...... ڈیوٹی آفیسر نے رامو سے پوچھا۔

"کوئی خاص ایمر جنسی تو نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے کیا پریس اتاشی صاحب سے اس وقت ملنا ضروری تو نہیں ہے"۔

رامو نے کہا۔

"اتنا ضروری بھی نہیں ہے...... صبح مل لیں گے"۔

بھارتی سفارت خانے پہنچنے کے بعد رامو اور دُلاری بے فکر ہو گئے تھے...... ڈیوٹی آفیسر نے کہا۔

"پھر آپ گیسٹ ہاؤس میں آرام کریں...... اتاشی صاحب صبح آپ سے ملاقات کریں گے"۔

رات ان دونوں نے گیسٹ ہاؤس میں گزاری...... صبح پریس اتاشی خود ہی ان کے پاس آ گیا...... ہم اس ہندو پریس اتاشی کا نام نہیں لکھیں گے...... آپ اسے شرما جی کہہ سکتے ہیں...... شرما جی رامو اور دُلاری کو جانتے بھی تھے اور ان کے کارناموں اور ان کے دہشت گردی کے مشن سے واقف بھی تھے...... رامو نے شرما کو بتایا کہ ان کے لاہور والے دونوں خفیہ ٹھکانوں پر پولیس کمانڈوز نے چھاپہ مار کر ان کے باقی سارے آدمیوں کو مکند لال سمیت ہلاک کر ڈالا ہے...... پریس اتاشی نے کہا۔

"ہمیں اس واقعے کی ساری اطلاع مل چکی ہے اور ہم نے اخباروں میں چھپی ہوئی رام دُلاری کی فوٹو بھی دیکھ لی ہے...... اب آپ لوگ کیا چاہتے ہیں"۔

رامو نے کہا۔

"ہم پنڈی اس لئے آئے ہیں کہ اپنے یہاں کے باس کو رپورٹ کریں اور آ
کے پروگرام کے بارے میں ہدایات لیں"۔

پریس اتاشی شرما نے کہا۔

"رام دُلاری کی فوٹو ملک کے تمام اخباروں میں چھپ گئی ہے...... اسے سفار
خانے سے باہر نہیں جانا چاہئے...... بہتر ہے کہ تم دونوں پورا دن اسی کمرے
گزارو...... رات کا اندھیرا ہوتے ہی تمہیں تمہارے باس شیواجی کے خفیہ ٹھکا
پہنچا دیا جائے گا"۔

وہ سارا دن رامو اور رام دُلاری نے بھارتی سفارت خانے میں گزارا...... را
کے گیارہ بجے کے قریب انہیں ایک بند گاڑی میں بٹھا کر دہشت گردوں کے باس
"را" کے سپیشل ایجنٹ اور تخریب کار شیواجی کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دیا گیا...... شیو
نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے گنگو اور مکند لال کی موت کا افسوس ہے...... جمناداس کو تم لوگوں نے
وقت پر ہلاک کیا...... اگر وہ زندہ رہتا تو پولیس کمانڈو کی پوچھ گچھ کے دوران وہ
ہمارا یہاں پنڈی کا خفیہ ٹھکانہ بھی بتا دیتا...... میں جانتا ہوں...... وہ ذرا سا تشدد
برداشت نہیں کر سکتا تھا"۔

رامو نے شیواجی سے پوچھا۔

"اب ہمارے بارے میں کیا حکم ہے"۔

شیواجی کہنے لگے۔

"تم لوگوں کی ساری رپورٹ مجھے مل گئی تھی...... میں نے اسے نئی دہلی بھ
ہے...... ان کے جواب کا انتظار ہے...... اگر انہوں نے تمہیں واپس بلا لیا تو تمہیں
وقت بھارت واپس بھیج دیا جائے گا...... جب تک وہاں سے کوئی اطلاع نہیں آتی
یہیں ٹھہرنا ہوگا"۔

رام دُلاری نے پوچھا۔

"یہاں ہماری کارروائیوں کی کیا پوزیشن ہے"۔

شیواجی نے کہا۔

"لاہور میں تم لوگوں کے خفیہ ٹھکانے پر پولیس کمانڈو کے کامیاب چھاپوں اور ہمارے اتنے سارے آدمیوں کے مارے جانے کے بعد ہم نے یہاں کچھ دیر کے لئے اپنی کارروائیاں روک دی ہیں...... ویسے بھی ہمارا اصل کام پاکستان میں اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم رکھنا ہے...... ہم دھماکے وغیرہ کم ہی کرتے ہیں"۔

پھر اس نے رام دُلاری سے کہا۔

"رام دُلاری! اخباروں میں تمہاری فوٹو آگئی ہے اور تمہاری گرفتاری کے لئے انعام بھی مقرر کر دیا گیا ہے...... اس لئے تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم یہیں رہو، اگر کسی ضرورت کی وجہ سے باہر نکلنا بھی پڑے تو برقعہ اوڑھ کر مسلمان عورت بن کر نکلنا"۔

بھارتی دہشت گرد رامو اور رام دُلاری کو ہم ان کے راولپنڈی والے خفیہ ٹھکانے پر چھوڑنے کے بعد کچھ دیر کے لئے واپس اپنے شیر دل مجاہد کمانڈو شیر خان کی طرف جاتے ہیں...... شیر خان اپنے کمانڈنگ آفیسر کے حکم کے مطابق راولپنڈی میں تنظیم کے چیف سے ملاقات کرنے پنڈی پہنچ چکا تھا...... وہ ان کے سادہ سے آفس میں ان سے ملا۔

شرعی داڑھی اور نورانی چہرے والے تنظیم کے چیف نے شیر خان کو گلے لگایا اور اپنے پاس دری پر بٹھا لیا...... چیف اپنے سادہ آفس میں دری پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے...... یہ اسلام کی حقیقی مجاہدانہ سپرٹ کے ساتھ اسلام، پاکستان اور آزادیٔ کشمیر کے لئے جہاد کر رہے تھے...... ان کا آفس اگرچہ سادگی کا مرقع تھا لیکن ساتھ والے کمرے میں جدید ترین سائنسی آلات بھی موجود تھے جن کے ذریعے وہ اپنے کشمیر کے محاذ پر جہاد کرتے، مجاہدین کے ساتھ رابطہ پیدا کر سکتے تھے...... شیر خان

نے چیف سے کہا۔

”مجھے سی او صاحب نے بتایا ہے کہ آپ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں...... میں اسی لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں“۔

چیف نے کہا۔

”شیر خان! سب سے پہلے تو میں تم لوگوں کو تمہاری مجاہدانہ کارکردگی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں...... تم لوگوں نے وہاں پاکستان کے دشمن بھارت کے دہشت گردوں کو ہلاک کر کے اور ان کے خفیہ ٹھکانوں کو تباہ کر کے صحیح مجاہدانہ سپرٹ مظاہرہ کیا ہے...... دشمن مزید دہشت گرد بھیجے گا، لیکن ہم انشاءاللہ انہیں بھی جہنم میں پہنچا کر دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیں“۔

”انشاءاللہ“ شیر خان نے کہا۔

چیف نے تھوڑا سا توقف کرنے کے بعد کہا۔

”یہاں بھی ہماری اطلاع کے مطابق بھارت کے دہشت گردوں کا ایک چھوٹا گروہ کسی جگہ روپوش ہے، مگر ہماری ایک اور اطلاع کے مطابق یہ گروہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے کا کام کرتا ہے، لیکن ہم اس گروہ کے خفیہ ٹھکانے کا کھوج لگا رہے ہیں...... بہت جلد اس خفیہ ٹھکانے کو بھی تباہ کر کے کافروں کو واصل جہنم کر دیں گے...... یہ ہم سے بچ نہیں سکتے...... اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے تمہیں یہاں کس لئے بلایا ہے، مگر سب سے پہلے چائے کی ایک ایک پیالی پی لی جائے“۔

ایک مجاہد چائے کی ٹرے ان کے درمیان رکھ کر چلا گیا تھا...... چائے کے ساتھ ایک پلیٹ میں سادہ سے رس تھے...... چیف نے خود چینک میں سے چائے پیالی میں ڈال کر شیر خان کو دی...... پھر اپنی پیالی میں چائے ڈالی اور ایک دو گھونٹ لینے کے بعد پیالی رکھ دی اور شیر خان سے کہا۔

”شیر خان! یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارت ہمارا دشمن نمبر ایک ہے...... وہاں

عوام سے ہمیں کوئی سروکار نہیں...... ہم بھارت کی حکومت کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کی پاکستان دشمن پالیسیوں کی بات کرتے ہیں...... قیام پاکستان کے ساتھ ہی بھارتی حکومت نے باہر کے ملکوں سے دھڑا دھڑ اسلحہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا...... جب سے پاکستان ایٹمی طاقت بن کر سامنے آیا ہے بھارت نے بھی اپنی ایٹمی طاقت بڑھانے کی رفتار تیز کر دی ہے“۔

چیف ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا...... شیر خان پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا...... چیف نے کہا۔

”ہمیں اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بھارت کا دفاعی اور ایٹمی تحقیقاتی ادارہ فضائی حملوں کے سلسلے میں فوری جوابی کارروائی کے حامل دُور تک مار کرنے والے اور زمین سے فضا اور فضا سے زمین تک مار کرنے والے ترشول میزائل کے نئے ماڈل پر کام شروع کر چکا ہے اور یہ تجربات اپنے آخری مراحل میں ہیں...... یہ میزائل سطح سمندر سے ذرا اوپر سفر کرتا ہے اور کسی آبدوز یا کسی بحری جہاز سے چھوڑے گئے مخالف سمت سے آنے والے میزائل کو تباہ کر سکتا ہے...... اس میزائل کی مار دس کلو میٹر تک ہے... بھارت کے اس پروجیکٹ کا چیف کنٹرولر اور دماغ تھانو پلائی ہے...... یہ شخص یعنی ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر پلائی حیدر آباد دکن کا ہندو برہمن ہے...... اس کا بائیو ڈیٹا ہمیں اپنے ذرائع سے موصول ہو چکا ہے...... اس کے مطابق یہ شخص اعلیٰ سائنسی صلاحیتوں کا مالک ہے اور اٹامک میزائل ٹیکنالوجی میں ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے علاوہ ایٹم برائے امن کا ایوارڈ یافتہ بھی ہے...... غیر شادی شدہ ہے...... عمر چالیس بیالیس سال ہے...... رنگ گہرا سانولا اور جسم درمیانہ ہے...... سر کے بالوں میں سفیدی آرہی ہے...... میں تمہیں اس کی فوٹو دکھاتا ہوں“۔

چیف نے قریب پڑے ہوئے ایک رجسٹر کو کھول کر اس میں سے ایک لفافہ نکال کر شیر خان کو دیا...... شیر خان نے اسے کھولا...... اس میں ایک رنگین فوٹو تھی۔

چیف کہنے لگا۔

"یہ اس آندھرا پردیش کے رہنے والے ہندو برہمن بھارتی سائنس دان ڈا پلائی کی فوٹو ہے"۔

شیر خان بڑے غور سے فوٹو دیکھ رہا تھا...... اس کا وہی حلیہ تھا جو چیف نے ا بتایا تھا...... یعنی عمر چالیس بیالیس سال کے قریب ہوگی...... رنگ گہرا سانولا...... جسم موٹا نہ پتلا...... نقش ویسے ہی جیسے آندھیرا پردیش کے لوگوں کے ہوتے ہیں...... کے بال کہیں کہیں سے سفید ہو چکے تھے۔

چیف نے کہا۔

"اس آدمی یعنی ڈاکٹر پلائی کا بائیوڈیٹا بتاتا ہے کہ یہ شخص رنگیلے مزاج کا ہے۔ شراب بھی پیتا ہے اور عورتیں بھی اس کی دوست ہیں...... مجورا کے ایک ناگ م کی ناگ داسی اُرملا سے اس کی خاص طور پر دوستی ہے"۔

بھارت نے فضا سے زمین اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے گائیڈڈ میزائل پر جو پراجیکٹ شروع کیا ہے اس کے پیچھے اس ڈاکٹر پلائی کا دماغ کام کر رہا ہے...... کسی طرح سے یہ آدمی غائب ہو جاتا ہے تو بھارت کے دفاعی تحقیقاتی ادارے کا یہ اور اس پر کئے جانے والا کام کم از کم تین چار سال کے لئے ضرور رُک جائے گا"۔

شیر خان نے سوال کیا۔

"سر! کیا پاکستان اس کے جواب میں کسی پراجیکٹ پر کام نہیں کر رہا؟"۔

چیف نے کہا۔

"پاکستان کے سائنس دان دنیا کے بہترین سائنس دان ہیں اور وہ بھارت ایٹمی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں...... اگر بھارت اس میدان میں کوئی پیش ر کرتا ہے تو پاکستان فوراً اس کا توڑ دریافت کر کے اس پر کام شروع کر دیتا ہے، کیو پاکستان کے پاس بھی ایٹمی صلاحیت موجود ہے اور یہ دنیا بھر کے ایٹمی سائنس د

تسلیم کر چکے ہیں کہ پاکستان کی ایٹمی ٹیکنالوجی بھارت کے مقابلے میں بڑی اعلیٰ اور بہترین ہے، لیکن اگر ہم کسی طریقے سے دشمن کے ایٹمی پروسیس کے عمل میں دو تین سال کا وقفہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ہماری دفاعی اعتبار سے بہت بڑی کامیابی ہوگی...... اس سے نہ صرف دشمن ایٹمی ٹیکنالوجی میں ہم سے پیچھے رہ جاتا ہے بلکہ اس کی افواج کے مورال پر بھی اس کا بڑا اثر پڑتا ہے"۔

شیر خان نے بھارتی ڈاکٹر پلائی کی تصویر لفافے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"سر! حکم کیجئے کہ مجھے کیا خدمت انجام دینی ہوگی...... اپنے پیارے وطن پاکستان کے لئے میری جان بھی حاضر ہے"۔

چیف کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ نکل گیا...... وہ کہنے لگا۔

"شیر خان! یہی جذبہ پاکستان کے بچے بچے کے سینے میں موجزن ہے...... ہماری ہائی کمانڈ کی مجلس مشاورت نے فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے بھارت کے دفاعی تحقیقاتی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر پلائی کو غائب کر دیا جائے...... اس مشن کے لئے ہماری مجلس مشاورت نے تمہیں منتخب کیا ہے...... تمہیں اس لئے چنا گیا ہے کہ تم آزادی سے پہلے حیدر آباد دکن میں تین چار سال گزار چکے ہو...... شاید تم وہاں جامعہ عثمانیہ میں پڑھا کرتے تھے"۔

"جی ہاں" شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا...... "میں ان دنوں حیدر آباد میں نوکری بھی کرتا تھا اور جامعہ عثمانیہ میں پڑھتا بھی تھا"۔

چیف نے کہا۔

"سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم آندھرا پردیش کی زبان تلگو بول اور سمجھ لیتے ہو"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"سر! میں تامل زبان بھی بول اور سمجھ لیتا ہوں جو اس سے ملحقہ صوبے تامل ناڈو

کی زبان ہے جس کا صدر مقام مدراس ہے‘‘۔

چیف نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’یہ تمہارے اور تمہارے اس مشن کے لئے اور بھی سہولت کی بات ہے‘‘۔

’’سر! اس ڈاکٹر پلائی کا ہیڈ آفس کہاں ہے؟‘‘ شیر خان نے پوچھا۔

چیف نے کہا۔

’’ان کا ہیڈ آفس یا ہیڈ پراجیکٹ تو مدراس سے دُور ساحل سمندر ریوشا گا پٹنم میں ہے، لیکن ڈاکٹر پلائی جس پراجیکٹ پر کام کر رہا ہے وہ مجورا میں واقع ہے...... تمہیں تو معلوم ہی ہو گا کہ مجورا بھارت کے جنوب میں واقع ہے‘‘۔

’’جی ہاں‘‘ شیر خان نے کہا۔

’’میں وہاں جا چکا ہوں...... مجورا مدراس اور ترچنا پلی کے جنوب میں ہے اور اسے مندروں کا شہر بھی کہا جاتا ہے...... ان میں سے بعض ناگ مندر ہیں جہاں سانپوں کی پوجا ہوتی ہے‘‘۔

’’بالکل درست‘‘ چیف نے شیر خان کی بات کاٹتے ہوئے کہا...... ’’ان ہی مندروں میں سے کسی ایک ناگ مندر میں اُرملا نام کی وہ ناگ داسی رہتی ہے جس سے ڈاکٹر پلائی کی گہری دوستی ہے، تمہیں شاید علم ہی ہو گا کہ یہ ناگ داسیاں کون ہوتی ہیں‘‘۔

شیر خان کہنے لگا۔

’’ایک دیوداسی ہوتی ہے...... اس کا کام مندر کے دیوتاؤں کی خدمت کرنا اور پوجا پاٹھ کے وقت آرتی اتارنا اور دیوتا کے بت کے آگے رقص کرنا ہوتا ہے...... ایک ناگ داسی ہوتی ہے...... یہ ناگ دیوتا یعنی سانپوں کی داسیاں اور خدمت گزار ہوتی ہیں...... ان کا کام مندر کے سب سے بڑے کوبرا سانپ کی آرتی اتارنا اس کی پوجا کرنا اور اس کے آگے رقص کرنا ہوتا ہے...... ناگ داسیاں بھارت کے جنوب میں ہی زیادہ ہوتی ہیں، کیونکہ ناگ مندر بھارت کے جنوب میں زیادہ ہیں‘‘۔

چیف نے کہا۔

’’تم نے بالکل ٹھیک کہا...... اب ایک اور بات غور سے سنو...... اس مشن میں تمہارے ساتھ ایک اور مجاہد بھی جائے گا‘‘۔

شیر خان نے چیف کے جذبہ اسلام سے تمتماتے ہوئے چہرے کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور پوچھا۔

’’میرا خیال ہے سر! کہ یہ مجاہد گل خان ہی ہو سکتا ہے‘‘۔

چیف نے کہا۔

’’نہیں...... گل خان کی ہمیں یہاں بہت ضرورت ہے تمہارے بعد وہی تمہاری جگہ پر کرے گا...... یہ مجاہد کوئی اور ہو گا جسے شاید تم نہیں جانتے‘‘۔

شیر خان نے پوچھا۔

’’سر...... وہ کون ہے؟‘‘۔

چیف نے کہا۔

’’تمہیں اس سے ملوا دیا جائے گا...... اس کا نام شاہد علی ہے...... وہ پاکستان کی ایک کمانڈو بٹالین میں حوالدار رہ چکا ہے...... فوج سے ریلیز ہونے کے بعد اس نے ہماری تنظیم جوائن کر لی اور تین سال تک کشمیر کے محاذ پر بطور ایک کمانڈو مجاہد کے نمایاں کارنامے سر انجام دے چکا ہے...... اب بھی وہ کشمیر کے کارگل محاذ پر ہی تھا، مگر چونکہ ہمیں اسے اس مشن پر تمہارے ساتھ بھیجنا تھا اس لئے اسے بلا لیا گیا ہے...... اس کا انتخاب اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ کشمیر کے محاذ پر اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے دوران جنوبی بھارت کے تمام شہروں خاص طور پر حیدر آباد دکن میں آتا جاتا رہا ہے اور وہاں کی دونوں زبانیں تامل اور تلنگو بول بھی لیتا ہے اور سمجھ بھی لیتا ہے‘‘۔

باتوں کے درمیان چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی...... چیف نے گرم چائے کی ایک اور چینک منگوا لی اور گرم چائے کے ساتھ گفتگو جاری رہی...... شیر خان نے پوچھا۔

"سر !اس مشن پر ہمارے روانہ ہونے کی کون سی تاریخ مقرر ہوئی ہے"۔

چیف نے کہا۔

"بھارت میں اپنے آدمیوں سے ریڈیو ٹرانسمیٹر کی خفیہ فریکوینسی پر ہمارا براہ رابطہ ہے...... جس وقت بھی ان کی طرف سے اشارہ ملا تم لوگوں کو روانہ کر دیا جائے گا......اس اثنا میں تم ہمارے پاس ہی رہو گے...... کمانڈو شاہد علی آج شام کسی بھی وقت پہنچ جائے گا"۔

شیر خان کی پیالی میں گرم چائے انڈیلتے ہوئے چیف کہنے لگا۔

"جیسا کہ تم بھی جانتے ہو جنوبی بھارت میں اور خاص طور پر ان شہروں میں جہاں تم لوگ جا رہے ہو سال کے ہر مہینے میں موسم خوشگوار رہتا ہے اور دن کے وقت گرمی ہوتی ہے وہاں کا لباس دھوتی کرتہ اور پتلون قمیض ہے...... پڑھے لکھے بابو لوگ وہاں بش شرٹ اور پتلون پہنتے ہیں...... تم لوگ بھی یہی لباس پہنو گے...... ضرورت کے مطابق جیسا چاہے لباس بدل سکتے ہو"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"وہاں ہمارا رابطہ ہیڈ کوارٹر کہاں ہو گا؟"۔

چیف نے کہا۔

"جہاں تم جا کر رپورٹ کرو گے...... یہ وہی تمہیں بتائیں گے...... یہ لوگ وہاں کے مقامی مسلمان سرفروش ہیں اور اپنے دینی حقوق کشمیر کی آزادی اور پاکستان کی سلامتی کے لئے کام کر رہے ہیں...... مشن پر روانہ ہونے سے پہلے تمہیں بتا دیا جائے گا کہ ان لوگوں سے تم کہاں ملو گے"۔

اتنے میں وہاں کچھ اور مجاہد آ گئے...... یہ لوگ کشمیر کے محاذ پر جا رہے تھے......

چیف نے شیر خان سے کہا۔

"اب تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو...... شام کو جب شاہد علی کمانڈو آئے گا تو

تم سے ملاقات ہو گی"۔

شیر خان سلام کر کے وہاں سے چلا آیا...... تنظیم کی سادہ سی عمارت میں اسے ایک چھوٹا سا ہوسٹل ٹائپ کا کمرہ مل گیا تھا، جہاں اس کا بستر لگا تھا...... شیر خان کمرے میں آ کر لیٹ گیا اور اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا...... اسے یاد آ گیا کہ اس کی ٹوتھ پیسٹ ختم ہو چکی ہے...... اس نے سوچا کہ بیکار لیٹے رہنے سے بہتر ہے کہ مارکیٹ میں چل کر نئی ٹوتھ پیسٹ خریدی جائے...... ذرا سیر بھی ہو جائے گی...... اخبار ایک طرف رکھ کر وہ اٹھا اور کمرہ بند کر کے تنظیم کی عمارت سے نکل کر قریبی مارکیٹ کی طرف پیدل ہی چل پڑا۔

❁ ❁ ❁

مارکیٹ پنڈی صدر کے علاقے میں تھی۔

اور صدر کا علاقہ وہاں سے ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا...... دن کا و
تھا...... بازاروں میں خوب چہل پہل تھی...... مارچ اپریل کا خوشگوار موسم تھا......
خان فٹ پاتھ پر ذہن میں بہت کچھ سوچتا ہوا اپنی دُھن میں چلا جا رہا تھا...... وہ اپنے
مشن کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا...... صدر کے چوک میں ایک بہت بڑی جا
طرز کی مارکیٹ میں بڑی رونق تھی...... یہ ایک مشہور شاپنگ سنٹر بھی تھا...... دکانو
میں بلب روشن تھے...... عورتیں اور مرد ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے
مصروف تھے...... شیر خان ایک جنرل سٹور میں داخل ہو گیا...... یہ بہت وسیع سٹور
اور اس میں کافی لوگ تھے...... ان میں خواتین بھی تھیں اور مرد بھی تھے...... شیر خا
کو معلوم تھا کہ ٹوتھ پیسٹ کہاں سے ملے گی...... وہ اس کاؤنٹر پر آ گیا اور اپنی برانڈ
ٹوتھ پیسٹ طلب کی...... کاؤنٹر پر موجود لڑکے نے شیشے کے شوکیس میں سے ٹو
پیسٹ نکال کر شیر خان کو دی...... ٹوتھ پیسٹ لے کر شیر خان ساتھ والے کاؤنٹر
آ گیا جہاں انگریزی اور اُردو کی کتابیں اور رسالے وغیرہ فروخت ہوتے تھے......
انگریزی کا ایک رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا...... ورق گردانی کرتے ہو
اچانک اس کی نظر کچھ فاصلے پر پڑ گئی جہاں دوائیوں کا کاؤنٹر تھا۔

اس نے ایک برقعہ پوش عورت کو کاؤنٹر کی طرف جاتے دیکھا جس کے سا

شرعی داڑھی والا ایک سفید پوش آدمی بھی تھا...... عورت سیاہ برقعہ اوڑھے ہوئے تھی اور نقاب کی وجہ سے چہرہ ڈھکا ہوا تھا...... شیر خان کو جس چیز نے عورت کی طرف متوجہ کیا وہ اس کی چال تھی...... اسے یہ چال کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی...... اچانک اسے یاد آ گیا کہ حشمت بی بی نام کی دھوکے باز بھارتی جاسوس عورت اسی طرح چلا کرتی تھی...... عورت دوائیوں کے کاؤنٹر پر اپنے آدمی کے ساتھ کھڑی کچھ دوائیاں خرید رہی تھی...... شیر خان نے جلدی سے رسالہ وہیں رکھا اور پہلا کام یہ کیا کہ وہاں ڈیوٹی پر کھڑے پولیس کے سپاہی کی طرف بڑھا تاکہ اسے کہے کہ یہ مرد عورت اسے مشکوک لگتے ہیں ان کو روک لیا جائے...... وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی پولیس کانسٹیبل کا ہونا ضروری ہے اور اس کام کا اختیار صرف پولیس کانسٹیبل کو ہی ہے۔

پولیس کانسٹیبل کے قریب آ کر اچانک شیر خان رُک گیا...... اسے خیال آیا کہ اگر فرض کر لیا یہ عورت بھارتی جاسوسہ ہی ہوئی اور اس کا ساتھی بھارتی دہشت گرد ہی ہوا تو اس سے زیادہ اسے کچھ حاصل نہیں ہو گا کہ پولیس کی مدد سے وہ ان دونوں کو گرفتار کروا کر حوالات میں بند کرا دے گا اور پھر ان سے ان کے ساتھیوں اور خفیہ ٹھکانے کی پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا...... یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ دونوں کچھ بتائیں گے بھی یا نہیں...... اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان دونوں کا چھپ کر تعاقب کیا جائے...... ظاہر ہے جہاں جائیں گے وہ ان کا خفیہ ٹھکانہ ہی ہو گا...... یوں ان دونوں کے ساتھ ان کا پنڈی میں روپوش پورا گروہ بھی پکڑ لیا جائے گا۔

شیر خان وہیں سے ایک طرف ہو کر ستون کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور برقعہ پوش عورت اور اس کے مرد کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے لگا...... عورت نے دوائیوں کا لفافہ مرد کے حوالے کیا...... مرد نے بل ادا کیا اور دونوں دکان سے باہر کی طرف چل ...... شیر خان انہیں باہر نکلتے بڑے غور سے دیکھتا رہا...... اب اسے یقین ہو گیا تھا وہی بھارتی جاسوسہ ہی ہے...... بالکل حشمت بی بی والی چال ڈھال تھی...... اسی

طرح سے قدم اٹھا رہی تھی...... شیر خان نے ان دونوں کا تعاقب شروع کر دیا...... شاپنگ سنٹر کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی تھی...... دونوں اس میں بیٹھ گئے...... اور ٹیکسی سڑک پر آ گئی۔

سب سے پہلے تو شیر خان نے ٹیکسی کا نمبر دیکھ کر اسے دماغ میں یاد کر لیا، اس کے بعد کسی خالی ٹیکسی کی تلاش میں تیز تیز قدم اٹھاتا باہر سڑک پر آ گیا...... باہر تین چار ٹیکسیاں کھڑی تھیں...... اس نے ایک ٹیکسی کا دروازہ کھولا...... اندر گھس گیا اور ڈرائیور سے کہا۔

"فوراً چلو...... اس ٹیکسی کا پیچھا کرو"۔

ساتھ ہی شیر خان نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کو پکڑا دیا...... جانتا تھا کہ اس قسم کا تعاقب کرنے سے ڈرائیور اکثر کتراتے ہیں...... سو روپے لے ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی...... بھارتی جاسوسہ کی ٹیکسی اس وقت سیدھی سڑک کافی آگے نکل چکی تھی...... یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ سڑک سیدھی تھی۔ دوسری صورت میں ٹیکسی بازاروں کی بھول بھلیوں میں گم ہو سکتی تھی...... ڈرائیور سپیڈ تیز کر دی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ آگے جانے والی ٹیکسی کے قریب آ گیا۔

شیر خان نے کہا۔

"گاڑی مناسب فاصلے پر رکھو...... انہیں شک نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا پیچھا جا رہا ہے"۔

ڈرائیور نے پوچھا۔

"سر! یہ کوئی جیل سے بھاگے ہوئے قیدی ہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہاں بھائی کچھ ایسی ہی بات ہے...... تم بڑی عقل مندی سے ان کا پیچھا کر رہو"۔

ان کی ٹیکسی اس سڑک پر چل رہی تھی جو سیدھی کوہ مری کو جاتی تھی...... جب رام دُلاری کی ٹیکسی پنڈی شہر کی آبادی سے نکل کر اونچے نیچے پہاڑی علاقے میں داخل ہوئی تو شیر خان نے ڈرائیور سے کہا۔

"اپنی اور اگلی گاڑی کے درمیان فاصلہ اور زیادہ کر دو"۔

ڈرائیور نے ایسا ہی کیا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ یہ ایک ہی سڑک ہے جو نیم پہاڑی علاقے میں سے گزر رہی ہے...... بھارتی جاسوسہ کی گاڑی کسی دوسری سڑک کی جانب نہیں مڑے گی...... وہ صرف اتنا چاہتا تھا کہ ٹیکسی دُور سے نظر آتی رہے...... قریب ہونے سے بھارتی جاسوسہ اور اس کے ساتھی کو شک پڑ سکتا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر جانے کی بجائے کسی اور طرف نکل سکتے تھے...... سامنے والے آئینے میں سے اگر رام دُلاری کے ساتھی نے دُور اپنے پیچھے آنے والی ٹیکسی کو دیکھ بھی لیا ہو گا تو وہ یہی سمجھ سکتا تھا کہ کوئی فیملی کوہ مری کی سیر کو جا رہی ہے...... ایک دو گاڑیاں سامنے سے آکر اور دو گاڑیاں پیچھے سے آکر نکل گئیں...... کوہ مری روڈ پر ٹریفک سارا دن جاری رہتی تھی...... دونوں گاڑیاں ایک دوسری کے آگے پیچھے مری روڈ پر چلتی جا رہی تھیں...... اب پہاڑی گھاٹیاں شروع ہو گئی تھیں...... دونوں ٹیکسیاں بیابان علاقے سے گزر رہی تھیں...... بار بار پہاڑی موڑ آ رہے تھے...... موڑ مڑتے ہوئے بھارتی جاسوسہ کی ٹیکسی شیر خان کی نظروں سے اُوجھل ہو جاتی...... ان کی گاڑی موڑ کاٹتی تو وہ ٹیکسی دوبارہ نظر آنا شروع ہو جاتی...... شیر خان نے دیکھا کہ اگلی ٹیکسی کی رفتار ہلکی ہو گئی ہے...... اس نے اپنی ٹیکسی کے ڈرائیور سے کہا۔

"سپیڈ کم کر دو"۔

بھارتی جاسوسہ کی ٹیکسی سڑک کے کنارے ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی...... برقعہ پوش بھارتی جاسوسہ اپنے آدمی کے ساتھ ٹیکسی سے باہر نکلی...... مرد نے ٹیکسی

والے کو پیسے دیئے اور ٹیکسی آگے روانہ ہو گئی...... برقعہ پوش عورت اور مرد سڑک سے نیچے اتر گئے اور شیر خان کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گئے، اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"جلدی سے گاڑی آگے لے جا کر کھڑی کر دو...... وہاں جہاں ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی"۔

ڈرائیور گاڑی کو آگے لے گیا اور جہاں پہلی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی اس جگہ سے چند قدم پیچھے اپنی گاڑی کھڑی کر دی...... شیر خان نے جیب سے مزید پچاس روپے نکال کر ٹیکسی ڈرائیور کو دیئے اور کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو"۔

ڈرائیور نے وہیں سے ٹیکسی واپس موڑی...... شیر خان نے دیکھا کہ وہاں سڑک کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر چھوٹا سا قبرستان تھا...... اس کے پہلو سے ایک پگ ڈنڈی نیچے ڈھلان میں اترتی تھی...... شیر خان پگ ڈنڈی پر آگے نیچے اترنے لگا...... دس پندرہ قدم چلنے کے بعد موڑ مڑا تو اسے کچھ فاصلے پر وہی برقع پوش بھارتی جاسوسہ اپنے آدمی کے ساتھ جاتی نظر آئی...... اس نے نقاب اٹھا رکھا تھا اور آدمی سے باتیں کر رہی تھی اور آدمی کے آگے آگے چل رہی تھی...... وہاں جنگلی جھاڑیاں بہت اُگی ہوئی تھیں...... اونچی اونچی جھاڑیاں بھی تھیں...... ان اونچی جھاڑیوں کی وجہ سے کسی وقت دونوں شیر خان کی نظروں سے اُوجھل ہو جاتے...... جھاڑیاں ہٹتیں تو وہ پھر نظر آنے لگتے۔

شیر خان نے ان دونوں کے درمیان فاصلہ کم کر دیا تھا...... وہ جھاڑیوں کی آڑ لے کر تعاقب کر رہا تھا...... ایک جگہ پہنچ کر برقعہ پوش عورت نے رُک کر پیچھے اپنے آدمی کی طرف دیکھ کر کچھ کہا...... شیر خان وہیں جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا اور بڑے غور سے اس عورت کو دیکھا...... اس نے نقاب اُلٹ رکھا تھا اور دن کی روشنی میں فاصلے پر سے بھی اس کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا...... شیر خان کا دل خوشی سے اُچھل سا پڑا۔

اس نے اس بھارتی جاسوسہ کو پہچان لیا تھا...... یہ وہی عورت تھی جو حشمت بی بی بن کر ان سب کو بے وقوف بنا گئی تھی...... یہ بھارتی جاسوسہ اور بھارتی دہشت گردوں کے گروہ کی عورت تھی اور اس کے ساتھ جو آدمی تھا وہ بھی بھارتی دہشت گرد ہی ہو سکتا تھا...... اب شیر خان یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان کا خفیہ ٹھکانہ کہاں ہے...... ظاہر ہے کہ وہ اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف ہی جا رہے تھے۔

یہ جان لینے کے بعد کہ یہ عورت وہی بھارتی جاسوسہ ہے جس کی انہیں تلاش تھی، شیر خان نے درمیان میں فاصلہ زیادہ ڈال دیا...... اب وہ انہیں صرف اپنی نظروں میں رکھنا چاہتا تھا...... اس وقت شیر خان اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اگر اسے ان کے خفیہ ٹھکانے کا علم ہو جاتا ہے تو وہ چھاپہ مار کر دہشت گردوں کے گروہ کو گرفتار کر لے یا اگر گرفتار نہیں کر سکتا تو انہیں وہیں ختم کر دے...... اس کے پاس پستول تو کیا پھل کاٹنے والی چھوٹی چھری بھی نہیں تھی...... اس کو تو صرف دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کی نشان دہی کرنی تھی...... عورت اور مرد ایک کھائی میں اتر گئے...... شیر خان بھی تھوڑا وقفہ ڈال کر ان کے پیچھے کھائی میں اتر گیا...... وہ بڑی احتیاط سے چل رہا تھا...... اسے دو باتوں کا خیال رکھنا پڑ رہا تھا، ایک تو یہ کہ اس کے چلنے سے پتھروں پر آواز پیدا نہ ہو اور دوسرے وہ انہیں نظر نہ آ جائے...... اس وقت ایک طرح سے شیر خان دشمن کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا...... وہ نہتا تھا...... اس عورت کے پاس نہیں تو اس کے ساتھ جو دہشت گرد تھا اس نے ضرور کوئی نہ کوئی اسلحہ لباس کے اندر چھپایا ہوا ہو گا...... یہ لوگ بغیر اسلحے کے اپنی کمیں گاہوں سے نہیں نکلا کرتے...... دوسرے ان لوگوں کی خفیہ کمیں گاہ یا ٹھکانہ وہیں کہیں قریب ہی لگتا تھا اور اس خفیہ ٹھکانے میں دوسرے دہشت گرد بھی ضرور موجود ہوں گے اور ان کے پاس اسلحہ بھاری مقدار اور تعداد میں موجود ہو گا...... شیر خان کا پتہ چل جانے کی صورت میں نہ صرف یہ اس کی جان کو خطرہ تھا بلکہ اس کا شکار بھی ہاتھ سے نکل جانا تھا...... لیکن اسے ہر حالت میں اپنی

جان کی بازی لگا کر بھی ان بھارتی دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کا سراغ لگانا تھا جو ک اس کی اطلاع کے مطابق ان بھارتی دہشت گردوں کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا...... شیر خا دونوں دہشت گردوں کو اپنی نظروں سے اُوجھل نہیں ہونے دے رہا تھا...... کھائی ک جگہوں سے گھوم گئی تھی...... شیر خان کہیں رُک کر، کہیں جھاڑیوں کی اوٹ میں چھ کر ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا...... ایک جگہ پہنچ کر کھائی کے آگے دیوار آ جس پر بے شمار جھاڑ جھنکاڑ اور گھاس اگا ہوا تھا اور جنگلی بیلیں بھی لٹک رہی تھیں... ساری دیوار ان جنگلی بیلوں نے ڈھانپ رکھی تھی...... شیر خان ایک جگہ چھپا ان دونو کو دیکھ رہا تھا...... مرد دہشت گرد نے ایک جگہ سے جنگلی بیلوں کو ہٹایا اور دونوں ا کے اندر چلے گئے...... جنگلی بیلیں پھر اپنی جگہ پر آ گئیں۔

شیر خان جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھا دیوار کو دیکھ رہا تھا...... جب اسے بی بیٹھے پانچ سات منٹ گزر گئے اور کوئی باہر نہ نکلا تو وہ سمجھ گیا کہ دہشت گردوں کا خ ٹھکانہ اسی جگہ پر ہے...... وہ چپکے سے اٹھا اور دبے پاؤں کھائی کے پتھروں اور روڑو واپس چل پڑا...... کھائی کے باہر آ کر وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے...... اگر ا وقت اس کے ساتھ کمانڈو فورس ہوتی تو وہ دہشت گردوں کے پورے گینگ کو پکڑ تھا، لیکن وہ اکیلا تھا اور نہتا تھا...... کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ گھاٹی کی چڑھائی چڑ لگا...... وہ جلدی جلدی چڑھائی چڑھ رہا تھا...... اس وقت اسے موبائل فون کی شد سے کمی محسوس ہوئی...... پتہ نہیں کس وجہ سے انہیں شہر کے اِرد گرد کم از کم بیس کے رقبے میں موبائل استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی...... شاید اس خیال سے ان کے سگنل دشمن نہ سن لے...... وہ قبرستان کے پاس سڑک پر آ کر کھڑا ہو گیا اس کے سامنے سے دو لاریاں اوپر کوہ مری کی طرف گزر گئیں...... کوہ مری سے تک لاری، بس یا ٹیکسی یا کوئی پرائیویٹ کار نہیں آئی تھی، لیکن اسے زیادہ دیر انتظ کرنا پڑا...... دور سے اسے ایک کار آتی نظر آئی...... شیر خان نے سڑک کے درم

کھڑے ہو کر کار کو ہاتھ دے دیا...... کار سڑک کے ایک طرف ہو کر رُک گئی۔

ایک نوجوان لڑکا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس نے بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"انکل آپ کو اسلام آباد جانا ہے تو بیٹھ جائیں"۔

شیر خان جلدی سے آگے بیٹھ گیا اور کار چل پڑی...... شیر خان نے کہا۔

"برخوردار! ایک ایمرجنسی پیدا ہو گئی ہے...... اگر تم مجھے کم سے کم وقت میں پنڈی پہنچا دو تو میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا"۔

نوجوان لڑکے نے کہا۔

"نو پرابلم انکل...... میں تو اس قسم کے ایڈونچرز کی تلاش میں رہتا ہوں"۔

اور اس نے کار کی سپیڈ تیز کر دی...... سڑک پہلے ہی ڈھلوان تھی...... کار کی رفتار مزید تیز ہو گئی...... شیر خان کو ایک ہی ڈر تھا کہ لڑکا نوجوان اور مہم جو معلوم ہوتا ہے کہیں کسی جگہ گاڑی مار نہ دے، مگر بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ وہ بڑا اچھا ڈرائیور بھی تھا...... بیس پچیس منٹ کے بعد اس نے شیر خان کو صدر میں تنظیم کے ہیڈ آفس کے باہر پہنچا دیا...... شیر خان نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور تیز تیز چلتا سیدھا چیف کے کمرے میں آ گیا۔

چیف اس وقت اکیلا ہی تھا...... اس نے شیر خان کو دیکھ کر کہا۔

"تمہارا سانس کیوں پھول رہا ہے شیر خان...... کیا کہیں جوگنگ کر کے آ رہے ہو؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"سر! کمانڈو پارٹی کو تیاری کا حکم دیں...... میں نے بھارتی دہشت گردوں کے ہائیڈ آؤٹ کا پتہ لگا لیا ہے...... میں وہیں سے آ رہا ہوں"۔

چیف نے اسی وقت دس مجاہد کمانڈوز کی ایک فورس شیر خان کے ساتھ روانہ

کردی...... یہ کمانڈو دو بند جیپوں میں سوار تھے...... اگلی جیپ میں شیر خان ڈرائیور مجا
کے ساتھ بیٹھا تھا...... وہ جتنی جلدی نکل سکتے تھے شہر کی ٹریفک میں سے نکل کر مر
روڈ پر آگئے اور انہوں نے گاڑیوں کی سپیڈ بڑھا دی...... شیر خان کو یہی ایک فکر تھی ک
کہیں اس دوران دہشت گرد کسی وجہ سے اپنے خفیہ ٹھکانے سے نکل نہ گئے ہوں۔

تیز رفتاری سے گاڑیاں چلانے کے باوجود انہیں پرانے قبرستان تک پہنچنے می
پینتیس چالیس منٹ لگ گئے...... شیر خان نے دونوں گاڑیوں کو قبرستان کی دیوار
اوٹ میں کھڑا کر دیا اور جوانوں کو لے کر گھاٹی کی ڈھلان اترنے لگا...... یہ تربیت یاف
سر فروش مجاہد تھے...... شیر خان نے انہیں صرف اتنا سمجھا دیا تھا کہ دہشت گردوں ک
خفیہ ٹھکانے کی پوزیشن کیا ہے...... وہ بکھر کر گھاٹی کی ڈھلان اتر رہے تھے...... تمام مجا
مسلح تھے...... ہر ایک کے پاس سٹین گن کے علاوہ چھ چھ ہینڈ گرنیڈ تھے...... وہ جنگ
جھاڑیوں کی آڑ لے کر آگے بڑھ رہے تھے...... جب شیر خان انہیں لے کر کھائی می
اترا تو اس نے اشارے سے بتایا کہ یہی وہ کھائی ہے جس کے آخر میں دیوار کے اند
دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کو راستہ جاتا ہے۔

تمام جوان الرٹ ہوگئے...... اپنی اپنی سٹین گنوں پر ان کی گرفت مزید مضبو
ہوگئی...... پانچ کمانڈو کھائی کی ایک دیوار کے ساتھ لگے جھک کر آگے بڑھ ر
تھے...... پانچ کمانڈو دوسری دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہے تھے...... شیر خا
کے ہاتھ میں برین گن تھی اور وہ کھائی کے درمیان اونچی گھاس اور جھاڑیوں کو ایک
طرف ہٹاتا بڑھ رہا تھا...... کھائی کے تین چار موڑ گھومنے کے بعد سامنے وہ دیوار آگ
جس پر جنگلی بیلیں لٹک رہی تھیں اور جس کے اندر دہشت گرد بھارتی جاسوسہ اور ا
کا... تھی داخل ہوئے تھے۔

...ن آہستہ آہستہ دیوار کے قریب آگئے تو شیر خان نے انہیں اشارہ کیا......
د...ں کے ...ں کمانڈو جوانوں نے جھاڑیوں میں گھات لگا کر پوزیشنیں سنبھال لیں......

شیر خان کو یقین تھا کہ اگر اس دیوار کے اندر ٹیلے کے نیچے دہشت گردوں کا ہائیڈ آؤٹ ہے تو اس سے باہر نکلنے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہوگا...... اس کے باوجود وہ دہشت گردوں کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا...... یہ وہ مقام تھا جہاں دشمن پر اچانک حملہ کر دیا جاتا ہے اور دشمن کو سنبھلنے کا بھی موقع نہیں دیا جاتا...... شیر خان نے ہینڈ گرنیڈ ہاتھ میں لے کر اس کی پن نکالی اور اس کے سپرنگ کو انگوٹھے سے دبا کر دیوار کے قریب آگیا...... اس نے جنگلی بیل کو ایک طرف ہٹایا تو اس کے سامنے ایک قدرتی غار کا دہانہ نمودار ہوا جس کو آدھے سے زیادہ درختوں کی شاخوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا...... اندر سے سگریٹ کے دھوئیں کی بو بھی آ رہی تھی اور کسی آدمی کے باتیں کرنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

شیر خان نے دستی بم غار کے اندر پھینکا اور فوراً زمین پر اوندھا لیٹ گیا...... ایک زبردست دھماکہ ہوا اور غار کے دہانے کے آگے جو درختوں کی شاخیں تھیں وہ اس کے اوپر سے اڑ کر دور جا گریں...... غار کے اندر سے ایک دم فائرنگ شروع ہو گئی...... ادھر سے کمانڈو جوان بھی زمین پر رینگتے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھے اور انہوں نے بھی غار کے دہانے پر فائر کھول دیا...... شیر خان جلدی سے اٹھ کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا...... اس نے اشارہ کیا اور مجاہدوں نے اوپر تلے چار دستی بم غار کے اندر پھینک دیئے...... ایک بھیانک دھماکے کے ساتھ غار کے دہانے کا اوپر کا ایک حصہ اڑ گیا...... شیر خان نے اپنے جوانوں کو فائرنگ روکنے کا اشارہ کیا اور اونچی آواز میں کہا۔

"تم لوگ ہمارے گھیرے میں آ چکے ہو...... ہماری پوری فورس باہر موجود ہے...... تم زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے...... بہتر یہی ہے کہ ہتھیار ڈال دو اور اپنے دونوں ہاتھ سروں کے پیچھے رکھ کر ایک ایک کر کے باہر نکل آؤ...... ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم پر فائر نہیں کیا جائے گا۔"

غار کے اندر سے دہشت گردوں نے بھی فائرنگ بند کر دی تھی...... وہاں ایک

سناٹا چھا گیا...... شیر خان نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا۔

”میں پانچ تک گنتی گنوں گا...... اگر تم لوگ پھر بھی باہر نہ آئے تو تمہارے غا
بارود سے اُڑا دیا جائے گا...... ایک...... دو...... تین“۔

شیر خان پانچ پانچ سیکنڈ کا وقفہ ڈال کر گنتی بول رہا تھا...... جب وہ چار تک پہنچ
اندر سے ایک آدمی نکلا جس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے کئے ہوئے تھے......
جوانوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ پیچھے کر کے رسی سے باندھ دیئے۔
اس کے بعد غار کے دہانے میں سے دوسرا...... پھر تیسرا...... پھر چوتھا دہشت گرد
آ گیا...... ان سب نے اپنے اپنے ہاتھ سروں کے پیچھے کر رکھے تھے...... ان میں
داڑھی والا دہشت گرد بھی تھا جو کہ شیر خان نے پنڈی صدر کے شاپنگ سنٹر میں ب
پوش بھارتی جاسوسہ کے ساتھ دیکھا تھا اور جن کا پیچھا کرتا وہ ان کے خفیہ ٹھکانے
آیا تھا...... ان سب کو اپنے جوانوں نے قابو کر لیا...... جب اس کے بعد کوئی دہشت
باہر نہ آیا تو شیر خان نے داڑھی والے بھارتی دہشت گرد سے پوچھا۔

”اندر اور کون کون ہے؟“۔

دہشت گرد رامو بولا۔

”اندر اور کوئی نہیں...... ہم چار ہی اندر تھے“۔

شیر خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”تمہارے ساتھ جو برقعہ پوش عورت تھی وہ کہاں ہے؟“۔

دہشت گرد رامو نے شیر خان کو گہری نگاہ سے دیکھا...... وہ سمجھ گیا کہ جب
رام دُلاری کے ساتھ شہر سے واپس آ رہا تھا تو یہ شخص اس کا تعاقب کر رہا تھا......
نے دل میں اپنے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ چھاپہ پڑنے سے دس منٹ پہلے رام دُ
وہاں سے نکل کر بھارتی سفارت خانے کی طرف جا چکی تھی...... رام دُلاری ایک
دہشت گرد عورت ہوتے ہوئے بھی آخر ایک عورت تھی...... ان دہشت گرد

اس کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ اگر یہ پکڑی گئی تو پوچھ گچھ کے دوران زیادہ
تشدد برداشت نہیں کر سکے گی اور سارے راز اُگل دے گی، چنانچہ دہشت گرد ہمیشہ
اسے اپنی حفاظت میں رکھتے تھے...... شیر خان نے دوسری بار گرجدار آواز میں پوچھا۔

”وہ عورت کہاں ہے...... میں نے اسے خود تمہارے ساتھ غار میں داخل ہوتے
دیکھا تھا“۔

دہشت گرد رامو نے مسکرا کر کہا۔

”وہ تمہاری پہنچ سے بہت دُور جا چکی ہے“۔

شیر خان نے اپنے جوانوں سے کہا۔

”ان کافروں کو لے چلو اور چار جوان میرے ساتھ آؤ...... تم لوگ اوپر ہمارا
انتظار کرو گے“۔

چھ مسلح مجاہد رسیوں میں جکڑے ہوئے بھارتی دہشت گردوں کو لے کر واپس
چلے گئے اور شیر خان چار جوانوں کو لے کر غار میں داخل ہو گیا...... غار کے اندر ایک
قدرتی کشادہ کمرہ سا بنا ہوا تھا...... وہاں جتنا اسلحہ...... ہتھیار اور میگزین تھا وہ انہوں نے
اٹھا لیا اور غار سے نکل کر اوپر اپنی گاڑیوں کی طرف چل پڑے...... شیر خان کو افسوس
ہو رہا تھا کہ بھارتی دہشت گرد جاسوسہ اس کے ہاتھ سے ایک بار پھر نکل گئی تھی۔

رام دُلاری دہشت گردوں کے خفیہ اڈے پر رامو کے ساتھ آنے کے کچھ دیر
بعد کیوں نکل گئی تھی؟ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ ابھی اس کی قسمت میں کمانڈوز کے
ہاتھوں گرفتار ہونا نہیں لکھا ہوا تھا...... جانے کیوں دہشت گرد رامو کو خیال آ گیا کہ
رام دُلاری کا اس وقت خفیہ کمیں گاہ میں رہنا ٹھیک نہیں...... اس نے اسے کہا کہ وہ
واپس بھارتی سفارت خانے چلی جائے...... رام دُلاری واپس نہیں جانا چاہتی تھی، لیکن
رامو نے اسے مجبور کر کے واپس بھیج دیا اور وہ برقعہ اوڑھ کر خفیہ اڈے سے نکل گئی......
اس وقت باہر میدان صاف تھا...... اس کا پیچھا کرنے والا کوئی نہیں تھا...... وہ ٹیکسی لے

کر بھارتی سفارت خانے آ گئی...... پریس اتاشی اسے دیکھ کر بولا۔

"تم کیوں آ گئی ہو؟"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"مجھے راموں نے واپس بھیج دیا ہے"۔

پریس اتاشی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم اوپر والے کمرے میں چلی جاؤ اور سفارت خانے کی عمارت سے باہر مت نکلنا"۔

اس کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد بھارتی سفارت خانے کو اطلاع مل گئی کہ پولیس چھاپہ مار کر اپنے سارے آدمیوں کو پکڑ کر لے گئی ہے...... جب رام دُلاری کو اس خبر کا پتہ چلا تو وہ حیرت زدہ سی ہو گئی...... اگر راموں اسے عین وقت پر وہاں سے چلے جانے کو نہ کہتا تو وہ بھی اس وقت پنڈی کے کسی پولیس سٹیشن کی حوالات میں بند ہوتی...... ان دہشت گردوں کا پکڑے جانا بھارتی حکومت کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا...... نئی دلی نے اسی وقت اپنے سفارت خانے کو پیغام بھیج دیا کہ کچھ دیر کے لئے تخریبی کارروائیاں بند کر دی جائیں اور رام دُلاری کو واپس نئی دلی بھیج دیا جائے...... اسی رات رام دُلاری کو سفارت خانے کی ایک گاڑی میں پشاور روانہ کر دیا گیا...... ویزا لگا بھارتی پاسپورٹ اس کے پاس تھا...... پشاور سے اسے پی آئی اے کے طیارے کے ذریعے کراچی پہنچایا گیا جہاں سے عرب امارات کی پرواز میں رام دُلاری دوبئی چلی گئی...... دوبئی سے اس نے برٹش ایئرویز کی فلائٹ پکڑی اور نئی دلی پہنچ گئی۔

تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کا چیف شیر خان کی کارکردگی سے بڑا خوش تھا...... اس کی ہوشیاری سے بھارتی دہشت گردوں کا ایک بہت بڑا گروہ پکڑ لیا گیا تھا...... چیف نے شیر خان سے کہا تھا کہ اس کے آئندہ مشن کے سلسلے میں مجاہد کمانڈو شاہد علی اس کے ساتھ بھارت جائے گا اور وہ شاہد علی سے اسے شام کے وقت ملائے گا...... چنانچہ شام

ہوتے ہی شیر خان اپنے چیف کے کمرے میں آ گیا...... نورانی چہرے اور شرعی داڑھی والا چیف حسب معمول دری پر تکیے کے سہارے بیٹھا ضروری کاغذات دیکھ رہا تھا...... اس نے شیر خان کے سلام کے جواب میں وعلیکم سلام کے بعد کہا۔

"تم ٹھیک وقت پر آئے ہو...... مجاہد شاہد علی تھوڑی دیر میں آ رہا ہے...... میرے پاس بیٹھ جاؤ"۔

شیر خان بڑے ادب سے چیف کے سامنے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... چیف نے کاغذات سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے اور شیر خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں مجاہد شاہد علی کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ چار سال سے جہاد کشمیر میں شریک ہے اور کشمیر کے تقریباً ہر محاذ پر مقبوضہ بھارتی فوج کے خلاف نمایاں کارنامے انجام دے چکا ہے...... اپنی فوج کا ریٹائرڈ کمانڈو ہے اور فوج کا تربیت یافتہ ہے...... اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے سلسلے میں وہ سارے جنوبی بھارت میں پھرتا رہا ہے اور خاص طور پر حیدر آباد دکن میں اس نے بہت وقت گزارا ہے...... اسی وجہ سے وہ وہاں کی تامل اور تلگو زبانیں بول اور سمجھ لیتا ہے...... یہ زبانیں تم بھی جانتے ہو...... اس کا تم دونوں کو بڑا فائدہ ہو گا اور تمہیں اپنے مشن میں مدد ملے گی...... اتنے میں ایک مجاہد نے آ کر اطلاع دی کہ مجاہد شاہد علی آ گیا ہے...... چیف نے کہا۔

"اسے اندر بھیج دو"۔

کچھ ہی دیر بعد شاہد علی آ گیا...... اس نے سلام کیا اور بولا۔

"سر! میں لیٹ تو نہیں ہوں؟"۔

چیف نے کہا۔

"کمانڈو نہ وقت سے پہلے آتا ہے نہ وقت کے بعد آتا ہے...... تم ٹھیک وقت پر آئے ہو...... ان سے ملو...... یہ کمانڈو شیر خان ہے"۔

شاہد علی نے بڑی گرم جوشی سے شیر خان سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"شیر خان کی میں نے بڑی تعریف سن رکھی ہے...... مجھے اس شیر دل کمانڈو سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے بھی تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے"۔

چیف نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شاہد علی! تم لوگ جس مشن پر بھارت جا رہے ہو اس کے بارے میں تمہیں پہلے سے سب کچھ بتا دیا گیا ہے...... میں نے شیر خان کو بھی پوری تفصیل سے بتا دیا ہے کہ یہ مشن کس قدر اہم ہے اور کس قدر پیچیدہ ہے...... تمہیں بھارت کے دفاعی ایٹمی تحقیقاتی ادارے کے کنٹرولر حیدر آباد دکن کے برہمن ڈاکٹر تھانو پلائی کو واصل جہنم کرنا ہے جس کی زیر کار کردگی پاکستان کے خلاف استعمال کئے جانے والے زمین سے فضا میں اور فضا سے فضا میں مار کرنے والے ترشول کے ماڈل نمبر 2 میزائلوں پر ابتدائی کام شروع ہو چکا ہے...... یہ میزائل سمندر کے نیچے آبدوز سے بھی چھوڑے جا سکیں گے اور اگر ہماری طرف سے دشمن کے کسی ٹھکانے کو تباہ کرنے کے واسطے میزائل چھوڑا جاتا ہے تو یہ راستے میں ہی اسے ختم کر سکیں گے جو ہمارے لئے ایک تشویش کی بات ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے سائنس دانوں نے اس کا بھی توڑ دریافت کر لیا ہے، لیکن ہم بھارت کے اس ایٹمی میزائل پروگرام کو کم از کم تین چار سال کے لئے موخر کرنا چاہتے ہیں...... یعنی ان میزائلوں کی تیاری میں چار ایک سال کا وقفہ ضرور پڑ جائے...... اس دوران ہمیں اپنی دفاعی صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر بنانے کا وقت مل جائے گا"۔

مجاہد شاہد علی نے پوچھا۔

"سر! اس شخص ڈاکٹر پلائی کی سکیورٹی کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہو تو وہ معلوم ہو جائے تو ہمارے لئے اچھا ہو گا"۔

چیف نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ یہ آدمی یعنی ڈاکٹر پلائی بھارت کا اہم ترین اور بڑا قیمتی انسان ہے اور اس کے گرد ہر وقت باڈی گارڈ رہتے ہوں گے...... اس بارے میں تمہیں بھارت میں اپنے آدمیوں سے ہی معلومات مل سکیں گی جن سے جا کر تم رابطہ پیدا کرو گے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"ہمارے یہ آدمی ہمیں کس شہر میں ملیں گے؟"۔

چیف نے کہا۔

"جیسا کہ تم جانتے ہی ہو یہ لوگ دکن کے مقامی مسلمان سرفروش ہیں، جو کشمیر کی آزادی، اسلام کی سربلندی اور پاکستان کی سلامتی کے لئے اپنے طور پر اپنی زندگیاں خطرے میں ڈال کر یہ دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں...... انہیں تم دونوں کی فوٹو روانہ کر دی گئی ہیں"۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"کیا ہم انہیں خفیہ کوڈ کے تبادلے سے پہچانیں گے؟"۔

چیف نے کہا۔

"تمہیں کوڈ کا خفیہ جملہ بتا دیا جائے گا...... ان کا آدمی حیدر آباد دکن کے سٹیشن پر تمہیں لینے آیا ہو گا...... وہ تمہیں پہچان لے گا...... پھر وہ خفیہ کوڈ جملہ دہرائے گا تو تم بھی اسے پہچان لو گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں یہاں سے حیدر آباد دکن پہنچنا ہو گا"۔

"ہاں" چیف نے جواب دیا۔

شاہد علی نے سوال کیا۔

"سر! ہماری روانگی کب تک متوقع ہے؟"۔

چیف نے کہا۔

”ہمیں دکن سے خفیہ اطلاع کا انتظار ہے...... جیسے ہی وہاں سے ہمیں سگن
ملا...... تمہیں روانہ کر دیا جائے گا“۔

شیر خان کہنے لگا۔

”میرا ارادہ ہے کہ اتنی دیر میں میں لاہور جا کر اپنے کمانڈنگ آفیسر صاحب ا
گل خان کو بتا آؤں کہ میں ایک ضروری مشن پر بھارت جا رہا ہوں“۔

چیف نے کہا۔

”اگر تم ضروری سمجھتے ہو تو صبح کی ریل کار سے لاہور چلے جاؤ“۔

شاہد علی نے کہا۔

”ہم تمہارا انتظار کریں گے“۔

شیر خان بولا۔

”میں کل ہی کسی گاڑی یا بس سے پنڈی واپس آ جاؤں گا“۔

اس کے بعد ان کی میٹنگ برخاست ہو گئی۔

مجاہد شاہد علی اور شیر خان دونوں نے ہیڈ کوارٹر کے مختصر مگر سادہ کچن کے با
برآمدے میں بیٹھ کر روٹی کھائی پھر اپنے اپنے کمرے میں سونے کے لئے چ
دیئے...... صبح اذان کے وقت شیر خان بیدار ہو گیا...... اس نے غسل کر کے و
کیا...... نماز ادا کی اور لاہور جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے چیف کا پیغام آ گیا...... وہ ف
اس کی خدمت میں حاضر ہوا...... اس کے پاس مجاہد شاہد علی پہلے سے موجود تھا۔

چیف نے کہا۔

”شیر خان! اب تمہیں لاہور جانے کی ضرورت نہیں ہے...... ہمیں رات ا
بجے دکن والوں کا پیغام ملا ہے کہ تمہیں بھارت روانہ کر دیا جائے...... کمانڈنگ آف
صاحب اور گل خان کو ہم اطلاع کر دیں گے کہ تمہیں ہم نے کہاں بھیجا ہے“۔

شیر خان نے کہا۔

”ٹھیک ہے سر!“۔

مجاہد شاہد علی اور کمانڈو شیر خان کا سارا دن بعض ضروری تیاریوں میں گزر گیا...... مجاہد شاہد علی اور شیر خان کو اگرچہ جنوبی بھارت کے شہروں اور جنگلوں سے کافی واقفیت تھی، لیکن چیف نے بھارت کا نقشہ سامنے رکھ کر انہیں ایک بار پھر ان جگہوں کی نشان دہی کر دی جہاں انہیں جانا تھا جو مقامات ان کی سرگرمیوں کے مرکز بن سکتے تھے...... انہیں انڈیا کے پاسپورٹ دیئے گئے...... یہ ایسے پاسپورٹ تھے کہ ان پر نقلی ہونے کا گمان تک نہیں ہو سکتا تھا، ان پر مختلف شہروں کے ویزے بھی لگے ہوئے تھے...... یہ وہ شہر تھے جہاں وہ جا چکے تھے...... آخری ویزا برما کا تھا...... اس اعتبار سے انہیں برما کے دارالحکومت رنگون پہلے جانا تھا اور پھر رنگون سے نئی دہلی پرواز کر جانا تھا۔

یہ سارا سفر مجاہد شاہد علی اور کمانڈو شیر خان نے حیدر آباد دکن کے دو ہندو بزنس مین بن کر کرنا تھا، جن کا حیدر آباد میں واشنگ مشینوں کے فالتو پرزوں کا کاروبار تھا اور جو اپنے بزنس ہی کے سلسلے میں مشرق وسطیٰ کے مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے پاکستان گئے تھے اور اب واپس اپنے ملک بھارت جا رہے تھے...... انہیں خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ وہ رنگون سے بذریعہ طیارہ سیدھا حیدر آباد نہیں جائیں گے بلکہ صرف دلی تک ہوائی جہاز کا سفر کریں گے...... دلی سے آگے حیدر آباد وہ ٹرین میں سفر کریں گے جہاں ریلوے سٹیشن پر قطب الدین نام کا ایک آدمی ان کے انتظار میں موجود ہو گا...... چیف کہنے لگا۔

”تمہیں رنگون سے سیدھا حیدر آباد یا دلی سے حیدر آباد کی فلائٹ پکڑنے سے اس لئے منع کیا جا رہا ہے کہ ایئر پورٹ پر سی آئی ڈی شہد کی مکھیوں کی طرح موجود ہوتی ہے اور جب سے کشمیر کے محاذ پر مجاہدین نے مقبوضہ بھارتی فوجوں کے خلاف اپنی

سرگرمیاں تیز کردی ہیں تو خاص طور پر ہوائی اڈوں پر سیکورٹی کا نظام سخت کر دیا گیا ہے اور باہر سے آنے والوں پر کڑی نظر رکھی جارہی ہے...... ذرا سے شک پڑنے پر مسافروں کو پوچھ گچھ کے لئے روک لیا جاتا ہے...... ہم نہیں چاہتے کہ تم لوگ اس قسم کا کوئی خطرہ مول لو...... ریلوے سٹیشنوں پر بھی اگرچہ سیکورٹی کا نظام کافی سخت ہے او انٹیلی جنس والے بھی موجود ہوتے ہیں لیکن وہاں مسافروں کے ہجوم میں کسی ایک پر نگاہ قائم رکھنا مشکل ہوتا ہے اور آدمی مسافروں کے ہجوم میں نکل جاتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"سر! ہم آپ کی ہدایات کے مطابق عمل کریں گے"۔

تب شاہد علی نے چیف سے پوچھا۔

"حیدر آباد (دکن) کے سٹیشن پر اپنا آدمی قطب الدین موجود ہوگا...... ذرا ہمیں اس کا تھوڑا سا حلیہ بھی بتادیں"۔

چیف نے کہا۔

"قطب الدین دو تین مرتبہ ہمارے پاس یہاں تنظیم کے آفس میں آکر مجھ سے مل چکا ہے...... سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی ہے...... عمر تیس کے قریب ہے...... بال گھنگھریالے سیاہ اور گھنے ہیں...... اس کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کے ماتھے کی بائیں جانب زخم کا ایک انچ لمبا نشان ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"اب ہمیں وہ کوڈ کا خفیہ جملہ بتادیجئے جس سے ہمیں قطب الدین کے آگے اپنی شناخت کروانی ہوگی"۔

چیف نے کہا۔

"ویسے تو وہ تم دونوں کو پہچان لے گا، کیونکہ ہماری تنظیم کی جانب سے ان لوگوں کو تم دونوں کی تصویریں پہنچادی گئی ہیں اور اس کی وائرلیس پیغامات پر تصدیق ہو

ہوگئی ہے، لیکن اس کے باوجود تمہیں خفیہ کوڈ کا جملہ بولنا پڑے گا...... جب تک اس ضابطے قانون کو پورا نہیں کرو گے قطب الدین تمہیں اسی جگہ چھوڑ کر واپس چلا جائے گا اور واپس نہیں آئے گا"۔

اس کے بعد چیف نے شیر خان اور شاہد علی کو خفیہ کوڈ کا ایک ایک جملہ بتایا اور کہا۔

"اپنے اپنے جملے کو اچھی طرح سے یاد کرلو...... قطب الدین تم سے سوال کرے گا...... آج کل کوہ ہمالیہ کی ترائی میں برف باری شروع ہوئی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں تم باری باری اپنا اپنا خفیہ جملہ بولو گے...... اس کے ساتھ ہی تمہاری تصدیق ہو جائے گی اور قطب الدین تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا"۔

اسی رات دس بجے ان کی اسلام آباد سے کراچی کی فلائٹ کنفرم تھی...... کراچی سے انہیں تھائی ایئر لائنز کی فلائٹ میں رنگون کی طرف روانہ ہونا تھا...... نو بجے تک شاہد علی اور شیر خان پوری تیاری کر چکے تھے...... انہوں نے حیدر آبادی ہندو کاروباریوں کی طرح کا لباس پہن رکھا تھا، یعنی بغیر کالر کے کرتے...... چوڑی موری والے پاجامے...... صدریاں اور دونوں نے ماتھوں پر آندھیرا پردیش کے وشنو ہندوؤں کی طرح تلک کی تین لکیریں لگا رکھی تھیں...... دونوں کے ہاتھوں میں مختلف سائز کے معمولی سے بریف کیس بھی تھے...... انہیں اپنے آپ کو مڈل کلاس بزنس مین ظاہر کرنا تھا...... ان کو صرف اتنی ہی بھارتی کرنسی دی گئی تھی جتنی کہ انہیں دکن پہنچنے تک ضرورت پڑ سکتی تھی، چونکہ وہ بھارتی باشندوں کی حیثیت سے جارہے تھے اس لئے انہیں بھارتی کرنسی ساتھ لے جانے کی اجازت تھی...... حیدر آباد دکن کے لوگوں کی اکثریت پان کھاتی ہے...... شاہد علی اور شیر خان پان بھی چبا رہے تھے...... ان کے بریف کیس میں ان کی واشنگ مشینوں کے فالتو پرزوں کی فرضی کمپنی کا ایک لیٹر پیڈ اور دوسرے ضروری کاروباری کاغذات وغیرہ بھی تیار کروا کر رکھ دیئے گئے تھے، چنانچہ جب وہ تنظیم کے ہیڈ کوارٹر سے نکلے تو خالص

بھارت کے کسی جنوبی شہر کے ہندو کاروباری لگ رہے تھے...... تنظیم کے آفس
وہ چادریں اوڑھ کر رکشے میں بیٹھ کر ایک چوک تک گئے...... پھر وہاں سے ٹیکسی
کرا ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔

اسلام آباد سے کراچی اور کراچی سے آگے رنگون تک تھائی ایئرلائنز کے ٹک
ان کی جیبوں میں تھے...... ٹھیک دس بج کر چار منٹ پر ان کا طیارہ کراچی کی طر
پرواز کر گیا...... کراچی پہنچنے کے بعد وہ وہیں ایئرپورٹ کی کینٹین میں جا کر
گئے...... پچھلے پہر چار بجے ان کی فلائٹ کا ٹائم تھا...... انہوں نے چائے منگوالی
باتیں کرنے لگے۔

شیر خان نے کہا۔

"شاہد بھائی! چیف صاحب نے آپ کے بارے میں مجھے بہت کچھ بتایا، لیکن ا
سے پہلے ہی ایک کشمیری مجاہد کی حیثیت سے آپ کی شہرت مجھ تک پہنچ چکی تھی۔
یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آج آپ کے ساتھ ایک اہم مشن پر جانے کا مو
مل رہا ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیر بھائی! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے آپ بالکل نہیں کہو گے...... ہم دونوں
عمر نہ بھی ہوں تب بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں...... ہمارے درمیان کسی قسم
تکلف نہیں ہونا چاہئے...... ویسے بھی ہم کسی شادی کی تقریب میں شرکت کر
نہیں جا رہے...... ہم ایک خطرناک اور بڑے پیچیدہ مشن پر دشمن کے ملک میں جا ر
ہیں اور جہاں ہمیں ہر قدم پر پکڑے جانے اور اذیت ناک موت کا سامنا ہو گا...... ایسا
ہو کہ ہم لکھنؤ والوں کی طرح پہلے آپ پہلے آپ ہی کرتے رہیں اور دشمن ہمارے
پر پہنچ جائے" اس پر دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے...... شیر خان نے کہا۔

"تم نے بڑی موقع کی بات کی ہے شاہد بھائی...... اب ہم ایک دوسرے کو تم

کر ہی مخاطب کریں گے"۔

شاہد علی مجاہد نے کہا۔

"حیدر آباد کی تاریخ مسلمانوں کی عالی شان خدمات اور اسلام کے سنہری کارناموں سے بھری پڑی ہے، لیکن بھارت کی اس سب سے بڑی اور جاہ و جلال والی اسلامی ریاست کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوا ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"یہ تاریخ کے اپنے عمل کے فیصلے ہیں...... اندلس میں مسلمانوں کا زوال اس سے کم اندوہناک نہیں تھا...... اسلامی تاریخ میں ایسے حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں اس لئے کہا گیا ہے کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

"تم ٹھیک کہتے ہو" شاہد علی نے کہا...... "یہی وجہ ہے کہ آج حیدر آباد دکن کے مسلمانوں میں اسلام کا جذبہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے...... قطب الدین کا تعلق دکن کے مسلمانوں کی جس خفیہ تنظیم سے ہے وہ ایک پرجوش جذبے کے ساتھ بھارتی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ، اسلام کی سربلندی، جہاد کشمیر اور پاکستان کی سلامتی کے لئے اندر ہی اندر کام کر رہی ہے"۔

اس کے ساتھ ہی مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"تمہیں کوڈ کا خفیہ جملہ یاد ہے نا جو ہمیں حیدر آباد دکن کے سٹیشن پر قطب الدین کے آگے بولنا ہو گا"۔

شیر خان نے دائیں بائیں ایک نگاہ ڈالی اور پھر شاہد علی کی طرف جھک کر آہستہ سے وہ جملہ دہرا دیا...... شاہد علی نے کہا۔

"مجھے بھی یاد ہے"۔

اور اس نے بھی اپنا کوڈ کا خفیہ جملہ آہستہ سے دہرا دیا...... اس وقت رات کا ڈیڑھ

بج رہا تھا...... وہ اٹھ کر نیچے ایئرپورٹ کی بوتیک اور رسالے کتابوں کی دکان پر کتابیں رسالے وغیرہ دیکھنے لگے...... اس دوران وہ دائیں بائیں سے باخبر بھی تھے یہ ان کا اپنا ملک تھا...... یہاں انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی اور فکر نہیں تھی...... کے بعد وہ واپس ایئرپورٹ کے ریستوران میں آکر بیٹھ گئے...... انہوں نے چائے کچھ کھانے کو منگوایا اور ایک بار پھر دھیمی آواز میں حیدر آباد، دکن اور جنوبی بھا کے ان شہروں کی باتیں کرنے لگے جہاں جہاں ان کا جانا یقینی تھا...... وقت اسی ط گزرتا چلا گیا...... آخر فلائٹ کا ٹائم قریب آگیا...... وہ نیچے آکر لاؤنج میں بیٹھ گئے کسٹم اور دوسری چیکنگ شروع ہو چکی تھی...... کسٹم وغیرہ سے فارغ ہو کر انہوں ٹکٹ چیک کروا کر بورڈنگ کارڈ لئے اور ملک سے باہر جانے والے مسافروں کے لا میں آکر بیٹھ گئے...... جب تھائی ایئرلائنز کے جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو مجاہد شاہ اور کمانڈو شیر خان بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز میں سوار ہو گئے...... کچھ کے بعد جہاز رنگون کی طرف پرواز کر گیا۔

جہاز نے ان دونوں کو کافی دن چڑھے رنگون پہنچایا...... وہاں سے وہ انڈین لائنز کے جہاز میں سوار ہو گئے جس نے انہیں نئی دلی کے اندرا گاندھی ایئرپور پہنچا دیا...... اب وہ دشمن ملک کی سرزمین میں آگئے تھے...... وہ پوری طرح سے ہو گئے...... دلی سے انہیں ٹرین پکڑ کر حیدر آباد، دکن پہنچنا تھا...... وہ ایک دوسرے کبھی اردو اور کبھی تلگو زبان میں باتیں کرتے کسٹم کاؤنٹر پر آگئے...... یہاں ان بریف کیس چیک کئے گئے...... ان کے پاسپورٹ بڑے غور سے دیکھے گئے...... آفیسر نے جو سکھ تھا شیر خان سے پوچھا۔

"تمہارا نام؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"سنتوش چوبے...... مہاراج!"۔

اس کا یہی نام پاسپورٹ میں درج تھا...... سکھ کسٹم آفیسر نے دوسرا سوال کیا۔

"تم پاکستان میں کتنے دن ٹھہرے؟"۔

شیر خان نے ہندو کاروباریوں کی طرح بڑی لجاجت سے کہا۔

"مہاراج! دو دن ہی ٹھہرے تھے...... یہ میرے پارٹنر دیوی لال جی بھی میرے ساتھ ہی تھے...... دوبئی سے واپسی پر کاروباری ٹور تھا مہاراج!"۔

"ہوں" سکھ نے پاسپورٹ بند کر کے شیر خان کو دیتے ہوئے کہا...... پھر اس نے شاہد علی کا پاسپورٹ کھول کر اس کی فوٹو دیکھی اور شاہد علی کو بھی گھور کر دیکھا اور اس سے بھی پاکستان میں قیام کے بارے میں دو تین سوال کئے اور مہر لگا کر پاسپورٹ واپس کر دیا...... شیر خان اور شاہد علی نے ہاتھ جوڑ کر ہندوؤں کی طرح کسٹم آفیسر کو پرنام کیا اور آپس میں تلگو زبان میں باتیں کرتے آگے چل پڑے...... انہیں معلوم تھا کہ ان کے پاسپورٹوں پر پاکستان کا ویزا لگا ہوا ہے اور ان سے پاکستان میں قیام کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا...... یہ مرحلہ خیر و عافیت سے طے ہو گیا تھا۔

ایئرپورٹ سے باہر نکل کر انہوں نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا دہلی کے ریلوے سٹیشن پر آگئے...... معلوم ہوا کہ حیدر آباد جانے والی دکن کوئین شام کو جاتی ہے...... شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اتنی دیر کے لئے کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے یہیں سٹیشن کے ویٹنگ روم میں رہنا چاہئے"۔

صورت حال کے پیش نظر یہی تجویز ان کے لئے بہتر تھی...... کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ریلوے سٹیشن اور خاص طور پر بھارت کی راجدھانی کے ریلوے سٹیشن کے آس پاس جو ہوٹل ہوتے ہیں وہاں انٹیلی جنس والے ضرور موجود ہوتے ہیں اور وہ ان کی نظروں سے بچنا چاہتے تھے، چنانچہ وہ سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں آکر بیٹھ گئے...... یہاں وہ محفوظ تھے اور انٹیلی جنس والوں اور پولیس کا خطرہ نہیں تھا...... دوپہر کو

انہوں نے ریفرشمنٹ روم میں جاکر کھانا کھایا اور واپس ویٹنگ روم میں ہی آ گئے...... اسی طرح دن گزر گیا...... شام ہو گئی...... شاہد علی خود باہر جاکر حیدر آباد کے لئے سیکنڈ کلاس کے دو ٹکٹ لے آیا...... ان کے لئے سیکنڈ کلاس میں سفر کرنا ہی مناسب تھا۔

سات بج کر دس منٹ پر حیدر آباد جانے والی دکن کوئین آگئی...... دونوں مجاہد کمانڈو خاموشی سے سیکنڈ کلاس کے ایک ڈبے میں جاکر بیٹھ گئے...... ڈبے میں تین چار اور سواریاں بھی بیٹھی تھیں...... دونوں مجاہد کسی کسی وقت محض دوسری سواریوں پر ظاہر کرنے کی خاطر تلگو زبان میں کاروباری گفتگو کر لیتے تھے اور ایک آدھ نظر پلیٹ فارم پر بھی ڈال لیتے تھے کہ وہ کسی کی نگاہ میں تو نہیں آگئے...... پلیٹ فارم پر مسافروں کی بڑی بھیڑ تھی...... اس شہر کی آبادی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہوا تھا...... ٹرین چلی تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

دلی سے حیدر آباد تک بڑا لمبا سفر تھا...... راستے میں بھارت کے کئی شہر آتے تھے...... دونوں کمانڈو اس روٹ پر سفر کر چکے تھے...... دلی سے ٹرین بنارس تک دلی کلکتہ روٹ پر ہی چلتی تھی...... بنارس سے ٹرین مرزاپور اور جبل پور کی طرف مڑ جاتی تھی...... جبل پور سے ناگ پور اور ناگ پور سے ورنگل اور پھر کہیں جاکر حیدر آباد آتا تھا...... دکن کوئین ایکسپریس ٹرین تھی، پھر بھی اس میں سفر کرتے ہوئے حیدر آباد تک دو راتیں اور ایک دن لگتا تھا...... دکن کوئین اپنا سفر طے کرتی چلی گئی...... راستے میں کسی جگہ کوئی خاص بات نہ ہوئی...... راجدھانی کے شمالی علاقے سے نکلنے کے بعد یہ نیچے وسطی اور جنوبی بھارت کا علاقہ ان کے لئے نسبتاً محفوظ تھا...... اس لئے کہ یہ مقبوضہ کشمیر کے حساس زون سے دور ہو جاتا تھا، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ کوئی آپ کا پیچھا نہ کر رہا ہو...... اگر انٹیلی جنس آپ کا پیچھا کر رہی ہے تو پھر یہ علاقہ بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی ہر بڑے سٹیشن پر نگاہ دوڑا کر یہ تسلی کر لیتے تھے کہ ان کا پیچھا نہیں کیا جا رہا...... دونوں بڑے تجربہ کار کمانڈو

بھی تھے اور سراغ رساں بھی تھے...... وہ انٹیلی جنس والوں کے چہرے اور ان کی نقل و حرکت سے انہیں پہچان لیتے تھے۔

آخر وہ بھارت کے صوبہ آندھرا پردیش کے صدر مقام حیدر آباد پہنچ گئے......

اب انہیں پلیٹ فارم پر اپنے آدمی قطب الدین کو تلاش کرنا تھا...... قطب الدین کا جو حلیہ انہیں بتایا گیا تھا وہ ان دونوں کو یاد تھا...... وہ خفیہ کوڈ کے جملے بھی دونوں کو یاد تھے جو انہوں نے قطب الدین کے سامنے بولنے تھے...... دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ بھی اپنے اپنے بریف کیس اٹھائے اس پل کی طرف بڑھے جس پر سے گزر کر انہیں دوسرے پلیٹ فارم والے گیٹ سے سٹیشن کے باہر نکلنا تھا، لیکن سٹیشن سے باہر نکلنے سے پہلے قطب الدین کا ملنا لازمی تھا...... دونوں مسافروں کے درمیان چلتے پلیٹ فارم کے چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہے تھے...... شیر خان نے آہستہ سے شاہد علی کو کہنی کا ٹھوکا دیا اور آنکھوں سے ایک طرف دیکھنے کا اشارہ کیا۔

اس طرف پلیٹ فارم پر رسالے کتابوں کے سٹال کے پاس ایک سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی کھڑا بڑے غور سے ایک ایک مسافر کو دیکھ رہا تھا...... شاہد علی اور شیر خان دونوں نے اسے پہچان لیا تھا...... یہ قطب الدین ہی ہو سکتا تھا...... قطب الدین نے ابھی تک انہیں نہیں دیکھا تھا...... مسافروں کے ہجوم سے نکل کر دونوں مجاہد کمانڈو کتابوں کے سٹال کی طرف بڑھے...... دونوں سٹال پر قطب الدین کے قریب کھڑے ہو کر اخبار رسالوں کو دیکھنے لگے...... اسی دوران قطب الدین نے انہیں پہچان لیا تھا...... اس نے ان دونوں کی فوٹو دیکھ رکھی تھی...... اگرچہ اس وقت دونوں مجاہد ہندوانہ بھیس میں تلک وغیرہ لگائے ہوئے تھے، لیکن قطب الدین نے اس حلیے میں بھی انہیں پہچان لیا تھا کہ یہی وہ آدمی ہیں جن کی تلاش میں وہ وہاں آیا ہے۔

ان دونوں کو دیکھ کر قطب الدین سٹال سے ہٹ کر ایک طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا...... شیر خان اور شاہد علی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے...... ایک خالی سی جگہ پر

آکر قطب الدین رُک گیا...... اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس میں ایک سگریٹ لے کر یونہی اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں، جیسے ماچس ڈھونڈھ ہو...... اس دوران شاہد علی مجاہد اور کمانڈو شیر خان آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اس قریب سے گزرے تو قطب الدین نے اُردو میں شیر خان سے پوچھا۔

"ماچس ہو گی آپ کے پاس"۔

شیر خان سگریٹ نہیں پیتا تھا...... اس کے پاس ماچس نہیں تھی...... مجاہد علی بھی سگریٹ نہیں پیتا تھا، مگر وہ ایک ماچس یا کبھی کبھی ایک لائٹر اپنی جیب میں رکھ لیتا تھا...... ان چیزوں کی کسی بھی جگہ کسی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی، چ ضرورت پڑ گئی تھی...... شاہد علی نے جیب سے ماچس نکال کر قطب الدین کو دی۔

اب ان دونوں نے قطب الدین کو پوری طرح سے پہچان لیا تھا...... اس کے ماتھے بائیں جانب ایک انچ کے قریب لمبا زخم کا نشان بھی دیکھ لیا تھا...... قطب الدین سگریٹ سلگاتے ہوئے دبی زبان میں ایک فقرہ بولا۔

"آج کل کوہ ہمالیہ کی ترائی میں برف باری شروع ہوئی ہے یا نہیں؟"۔

یہ قطب الدین کا خفیہ کوڈ جملہ تھا...... شاہد علی اور شیر خان نے باری باری وہ جملہ بول دیا جو انہیں روانہ ہونے سے پہلے چیف نے بتا دیا تھا...... دونوں طرف شناخت ہو چکی تھی...... قطب الدین نے ماچس واپس کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا آہستہ سے کہا۔

"چار مینار کے عقب میں سیاہ رنگ کی کار میں آکر بیٹھ جانا"۔

یہ کہہ کر قطب الدین آگے چل دیا۔

چار مینار حیدر آباد کی ایک تاریخی عمارت ہے جو شہر کے ایک بہت بڑ چوک کے وسط میں بنی ہوئی ہے اور جس کے نیچے سے سڑک گزرتی ہے...... طرح کی ٹریفک جاری رہتی ہے...... چار مینار کا چوک دونوں نے دیکھ رکھا تھا

شیر خان نے کہا۔

"قطب الدین ہمیں شاید چار مینار کے عقب میں کھڑی سیاہ رنگ کی گاڑی میں ملے گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"ہو سکتا ہے وہاں ان کا کوئی ساتھی موجود ہو...... بہر حال ہمیں چار مینار جلدی پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے"۔

سٹیشن سے باہر نکلتے ہی وہ ایک خالی آٹو رکشا میں بیٹھ گئے اور اسے چار مینار چلنے کو کہا...... اس وقت تک دن کافی چڑھ آیا تھا...... حیدر آباد کا آسمان ابر آلود تھا اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی...... چوک چار مینار کے قریب آکر وہ تاریخی دروازے کی عمارت سے کچھ فاصلے پر رکشے سے اتر گئے...... سڑک پر ٹریفک آ جا رہی تھی...... انہوں نے چار مینار کے دروازے کے عقب میں سڑک کے کنارے ایک جگہ سیاہ رنگ کی چھوٹی ماروتی کار کھڑی دیکھی...... شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"گاڑی ہمارا انتظار کر رہی ہے...... آ جاؤ"۔

وہ فٹ پاتھ پر آگئے اور گاڑی کی طرف چلنے لگے...... قریب پہنچ کر دیکھا کہ اس میں قطب الدین ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا...... شاید وہ اسی گاڑی میں ریلوے سٹیشن آیا تھا اور اب چار مینار چوک میں ان سے پہلے پہنچ گیا تھا...... دونوں مجاہد گاڑی میں بیٹھ گئے...... شیر خان قطب الدین کے ساتھ بیٹھ گیا...... جیسے ہی وہ گاڑی میں سوار ہوئے گاڑی ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔

اس کے بعد گاڑی کہاں کہاں سے گزری اور آخر کہاں جا کر رکی؟ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم مصلحت کے پیش نظر یہ سب کچھ بیان نہیں کر سکتے...... ہم اتنا ہی کہیں گے کہ گاڑی ایک جگہ پہنچ کر رُک گئی...... قطب الدین ایک مکان کی سرنگ نما ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا اور اس نے شیر خان اور شاہد علی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ

کیا...... اس مکان میں شیر خان اور شاہد علی کی ملاقات اس علاقے کی زیر زمین اسلامی تنظیم کے صدر سے ہوئی جس کا فرضی نام ہم یہاں رشید احمد لکھ رہے ہیں...... رشید احمد مضبوط جسم اور پختہ عمر کا آدمی تھا...... شکل سے ظاہر ہوتا تھا کہ زمانے کے سرد گرم تھپیڑوں میں سے گزر چکا ہے...... اس نے سر پر فوجی ٹوپی پہن رکھی تھی...... شیر خان اور شاہد علی سے اٹھ کر ملا اور پوچھا۔

"راستے میں کوئی مسئلہ تو پیدا نہیں ہوا؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور پھر میں اور شاہد علی ان علاقوں سے اچھی طرح واقف ہیں"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ دونوں نہ صرف یہ کہ ان شہروں سے واقف ہیں اور یہاں رہ چکے ہیں بلکہ یہاں جو زبانیں تامل اور تلیگو بولی جاتی ہیں وہ بھی جانتے ہیں...... میرا خیال ہے پہلے آپ منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھا پی لیں...... اس کے بعد بات چیت شروع کریں گے"۔

شیر خان اور شاہد علی کو ایک چھوٹا سا کمرہ دے دیا گیا جہاں دو چارپائیوں پر بستر لگے ہوئے تھے...... انہوں نے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... وہیں ان کے لئے کھانا آ گیا...... کھانا سادہ چاول اور دال تھی...... ساتھ آم کی چٹنی بھی تھی...... چٹنی اچار وغیرہ ان علاقوں میں بہت استعمال ہوتے ہیں...... اس لئے کہ بنیادی طور پر یہ مرطوب خطۂ ہے...... کھانے کے بعد وہ صدر تنظیم رشید احمد کے کمرے میں آ گئے۔

رشید احمد نے ایک نقشہ کھول کر دکھایا...... کہنے لگا۔

"یہ ہمارے آدمیوں نے مجورا شہر کے مضافات میں اس علاقے کا نقشہ بنایا ہوا ہے جہاں فضا سے فضا میں مار کرنے والے اینٹی میزائلوں پر کام شروع ہے...... ابھی

صرف کاغذی تیاریاں ہو رہی ہیں...... بہت جلد بھارت کا یہ ایٹمی پراجیکٹ ایسے اینٹی میزائل کو فضا میں ہی تباہ کر دیں گے...... اس کے علاوہ ہمیں جو خفیہ اطلاعات ملی ہیں ان کے مطابق اسی پراجیکٹ کے ایک علیحدہ پلانٹ میں ایسے آتش گیر راکٹ بھی تیار کئے جا رہے ہیں جنہیں مقبوضہ کشمیر میں کشمیری حریت پسندوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا...... اس لحاظ سے بھی اس پلانٹ کو تباہ کرنا ضروری ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے پوچھا۔

"کیا یہ سب کچھ کسی خفیہ جگہ پر ہو رہا ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"نہیں...... انہیں خفیہ رکھنے کی بھارت کو ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے...... یہ ایک کھلی جگہ پر آرسنل فیکٹری ہے جس کے چاروں طرف خاردار تار کی دس فٹ اونچی دیوار کھڑی ہے اور جہاں دن رات فوجی جوان گشت لگاتے رہتے ہیں...... سیکورٹی کا انتظام بے حد سخت ہے...... سب کچھ فوج کے پہرے اور نگرانی میں ہو رہا ہے...... کوئی غیر متعلقہ آدمی فیکٹری میں داخل نہیں ہو سکتا"۔

شیر خان نے سوال کیا۔

"کیا ڈاکٹر پلائی اسی فیکٹری میں بیٹھتا ہے"۔

رشید احمد نے جواب میں کہا۔

"ہاں...... یہ دکن کا برہمن سائنس دان اور پاکستان کا زہریلا دشمن اسی فیکٹری میں بیٹھتا ہے...... حقیقت میں یہ شخص اس سارے پراجیکٹ کا اصل دماغ ہے اور اسی کی راہنمائی اور نگرانی میں یہاں سارا کام ہو رہا ہے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"کیا ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ یہ ڈاکٹر پلائی کس وقت فیکٹری میں آتا ہے اور کہاں رہتا ہے اور اس کے روزمرہ کے معمولات کیا ہیں؟"۔

رشید احمد بولا۔

"اس شخص کے بارے میں کچھ بریفنگ آپ کو سرحد پار پہنچادی گئی تھی...... میں یک بار پھر بیان کئے دیتا ہوں...... یہ شخص غیر شادی شدہ ہے...... عمر چالیس سے ایک سال اوپر ہی ہو گئی ہو گی...... عیاش طبع آدمی ہے...... اگرچہ اپنے شعبے میں بڑا ہوشیا ہے اور پریکٹیکل نیوکلر فزکس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی لے چکا ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس کے ناگ مندر کی کسی اُرملا نامی ناگ داسی سے دوستانہ مراسم بھی ہیں"۔

"تم لوگوں نے بالکل ٹھیک سنا ہے" رشید احمد نے کہا...... "اس شخص کے وسری عورتوں سے بھی مراسم ہیں لیکن اُرملا نامی ناگ مندر کی ناگ داسی اس کی نظور نظر ہے...... سب سے اہم بات جو میں آپ کو بتانے والا تھا یہ ہے کہ اس ڈاکٹر انو پلائی کو ہر وقت باڈی گارڈ اپنے گھیرے میں لئے رہتے ہیں...... دن ہو یا رات، ڈاکٹر لائی جہاں جاتا ہے مسلح باڈی گارڈ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں موجود رہتے یں...... رات کو جہاں یہ شخص سوتا ہے وہاں بھی دس بارہ فوجی جوان پہرے پر موجود وتے ہیں"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈاکٹر پلائی کہیں اور کسی جگہ بھی اکیلا نہیں جاتا"۔

"اسے اس کی اجازت نہیں ہے" رشید احمد کہنے لگا...... "یہ شخص بھارتی وزارت فاع کے لئے بے حد قیمتی ہے...... حکومت کو یہ بھی علم ہے کہ کشمیری کمانڈوز کی رگرمیاں جنوبی بھارت تک پھیل چکی ہیں، چنانچہ ڈاکٹر پلائی کو کسی حالت میں بھی گھر سے یا فیکٹری سے اکیلے نکلنے کی اجازت نہیں ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"جب یہ شخص اپنی دوست ناگ داسی اُرملا سے ملنے جاتا ہے تو کیا اس وقت بھی فوجی جوان بطور باڈی گارڈ اس کے سر پر موجود ہوتے ہیں؟"۔

"جی ہاں" رشید احمد بولا...... "اس وقت بھی فوجی باڈی گارڈ ڈاکٹر پلائی کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہوتے ہیں...... یہ بھارتی حکومت کی مجبوری ہے...... بھارت سرکار نے ناگ داسی اُرملا کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ ڈاکٹر پلائی کے گھر پر یا کسی دوسری جگہ آکر ملے...... اس کی بجائے سرکار نے ڈاکٹر پلائی کو مجبوراً یہ اجازت دی ہوئی ہے کہ وہ ناگ مندر میں جاکر ناگ داسی سے ملاقات کرسکتا ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"ان حالات کے پیش نظر ہمیں اپنا دائرہ عمل ناگ مندر کے اِرد گرد کھینچنا ہوگا"۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں" رشید احمد نے کہا۔

شاہد علی جو بڑے غور سے یہ ساری بات چیت سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"اس ناگ مندر کا حدود اربعہ کیا ہے...... کیا اس کے اِرد گرد جنگل ہے یا میدان یا پہاڑی ٹیلے ہیں؟"۔

رشید احمد بولا۔

"یہ علاقہ تمہیں دکھا بھی دیا جائے گا...... یہ ساحل سمندر ہی ہے، لیکن یہاں جنگل نہیں ہے...... چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے اور چٹانیں ہیں جن کے درمیان خشک ریتلا علاقہ بھی ہے اور دلدل بھی ہے، کیونکہ پورن ماشی کے وقت سمندری لہریں اس سارے علاقے میں آتی جاتی رہتی ہیں"۔

"ڈاکٹر پلائی کی رہائش کہاں پر ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

رشید احمد نے کہا۔

"وہ ایک فوجی کیمپ کی بیرک میں رہتا ہے...... وہاں سے وہ بکتر بند گاڑی میں فیکٹری جاتا ہے اور اسی بکتر بند گاڑی میں واپس آتا ہے...... یہ ساری سیکورٹی کشمیری

مجاہدین کے کمانڈو ایکشن کے خوف کے مارے کی گئی ہے...... بھارت کی وزارت دفاع کم از کم اس وقت تک ڈاکٹر پلائی کی سخت حفاظت کرنا چاہتی ہے جب تک کہ ان کے ایٹمی پلانٹ کا یہ پراجیکٹ مکمل نہیں ہو جاتا"۔

ایک آدمی چائے لے کر آ گیا...... رشید احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے پہلے چائے کی ایک ایک پیالی پی جائے...... اس کے بعد باتیں ہوں گی"۔

اور وہ خاموشی سے چائے پینے لگے۔

ہر شخص چائے پیتے ہوئے اپنے اپنے طور پر بہت کچھ سوچ رہا تھا...... شیر خان اپنے ذہن میں لائن آف ایکشن تیار کر رہا تھا...... اس کا ٹارگٹ مجورا کا ناگ مندر ہی تھا...... مجاہد شاہد بھی انہی خطوط پر غور کر رہا تھا...... جب رشید احمد نے شیر خان سے پوچھا کہ اس کے خیال میں انہیں کس مقام کو اپنی منصوبہ بندی کا مرکز بنانا چاہئے تو شیر خان نے کہا۔

"میرے ذہن میں تو ناگ مندر ہی ہے"۔

شاہد علی نے اس کی تائید کی اور کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، کیونکہ صرف یہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں کسی نہ کسی وقت ڈاکٹر پلائی ناگ داسی اُرملا کے ساتھ تنہا اور باڈی گارڈ کے بغیر ہو سکتا ہے"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"لیکن اس وقت بھی مسلح فوجی باڈی گارڈ ناگ مندر کے چاروں طرف موجود ہوں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"آخر کچھ نہ کچھ منصوبہ بندی تو ہمیں بھی کرنی ہی پڑے گی...... ہماری منصوبہ بندی یہی ہو گی کہ وہ کون سا طریقہ ہے جس پر عمل کرتے ہوئے ہم میں سے کوئی ایک کمانڈو اس فوجی حصار کو توڑ کر ڈاکٹر پلائی تک پہنچ سکتا ہے...... یہی ایک نقطہ ہے جو

"ہماری تمام پلاننگ اور ہمارے تمام غور و فکر کا مرکز ہوگا"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میں بھی کچھ اسی طرح سے سوچ رہا ہوں تو پھر میرا خیال ہے سب سے پہلے ہ لوگوں کو ناگ مندر کے آس پاس کے علاقے کا خفیہ سروے کرانا ضروری ہے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"مجورا یہاں حیدر آباد سے کافی دور ہے...... اس شہر میں سے میں دو ایک بار گز چکا ہوں...... اگر ہم اپنے کمانڈو ایکشن کا مرکز ناگ مندر ہی کو بناتے ہیں تو اس صورت میں ہمیں کچھ عرصہ مجورا میں قیام کرنا پڑے گا اور ہمارا قیام بھی خفیہ ہوگا...... کیا وہار کوئی ایسا انتظام ہو سکتا ہے؟"۔

رشید احمد مسکرائے...... کہنے لگے۔

"مسلمان بھارت کے کونے کونے میں آباد ہیں اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ان کی ہمدردیاں دل و جان سے پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے ساتھ ہیں...... آپ لوگ اس کی فکر نہ کریں...... ہمارے آدمی وہاں موجود ہیں...... وہاں ہمیں ہر طرح کی سہولت میسر ہوگی، میں خود آپ لوگوں کے ساتھ وہاں جاؤں گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے...... یہ سارا مشن ایمرجنسی کا مشن ہے...... ہمیں کل ہی مجورا کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے"۔

رشید احمد بولا۔

"میں آج رات ہی وائرلیس پر اپنے خفیہ سگنل کے ذریعے مجورا میں موجود اپ آدمیوں کو پیغام پہنچا دیتا ہوں، ہم کل حیدر آباد سے چل پڑیں گے"۔

وہ دن اور رات انہوں نے حیدر آباد میں ہی گزارا...... دوسرے دن مجورا جا کے لئے اپنی نیم خفیہ جگہ سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے...... رشی

احمد ان کے ساتھ تھا...... ریلوے سٹیشن پر آ کر انہوں نے مجورا شہر کے تین ٹکٹ لئے اور پلیٹ فارم پر آ کر الگ الگ ہو کر بیٹھ گئے...... یہ احتیاط اس لئے ضروری تھی کہ جب سے مقبوضہ کشمیر کے محاذ پر مجاہدین کی سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں اور بھارتی فوجی کیمپوں پر اور بھارتی فوجیوں پر مجاہدین کے حملے تیز ہو گئے تھے یہاں بھی سیکورٹی سخت کر دی گئی تھی...... اس کی دو وجوہات تھیں...... پہلی وجہ تو یہ تھی کہ دکن مسلم اکثریت کا علاقہ تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ آندھرا پردیش کا صدر مقام تھا...... ٹرین پیچھے ناگ پور سے آ رہی تھی...... یہ ناگ پور ایکسپریس تھی اور مجورا سے آگے بھارت کی جنوبی تکون کی مشرقی جانب واقع تروناویلی کے شہر تک جاتی تھی...... اس وقت دن کے ساڑھے نو بجے کا وقت تھا...... حیدر آباد کا آسمان بدستور ابر آلود تھا اور کافی حبس ہو رہا تھا۔

ناگ پور ایکسپریس پلیٹ فارم پر آ کر رُکی تو سکیم کے مطابق تینوں مجاہد، یعنی رشید احمد...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے...... انہیں مجورا تک الگ الگ ڈبوں میں ہی سفر کرنا تھا...... ناگ پور ایکسپریس حیدر آباد سے بیجواڑہ، نیلور اور ترچناپلی سے ہوتی ہوئی مجورا پہنچتی تھی...... یہ پورے ایک دن...... ایک رات کا سفر تھا...... ٹرین کو مجورا اگلے دن دوپہر کے وقت پہنچنا تھا...... ٹرین چل پڑی...... سارا دن گزر گیا...... ساری رات بھی گزر گئی...... راستے میں کسی کسی جگہ اپنے ڈبوں سے اتر کر وہ ایک دوسرے کو دُور دُور سے دیکھ کر ایک دوسرے کی خیریت معلوم کر لیتے تھے...... چونکہ یہ تینوں مجاہد اس علاقے کی تامل زبان اچھی طرح سمجھتے اور بول لیتے تھے، اس لئے انہیں مسافروں کے ساتھ بات چیت میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی اور مسافروں کو بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہو رہا تھا...... تینوں مجاہدوں کو اس طویل سفر میں اس تحفظ کی ضرورت تھی۔

دوسرے دن دوپہر کے وقت ٹرین مجورا کے سٹیشن پر پہنچی۔

"بی بی! ہم نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا ہے...... ہم تمہیں اس جگہ لئے چلتے ہیں جہاں وہ دہشت گرد زیر علاج ہے، جسے ہم نے زخمی حالت میں گرفتار کیا تھا اور جسے تم ایک نظر دیکھنا چاہتی ہو...... ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر تمہیں اور بہت کچھ یاد آجائے"۔

رام دُلاری کے دل کی مراد پوری ہو گئی تھی...... اسے ایسے لگا جیسے اندھیرے میں چلایا ہوا اس کا تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا ہے، مگر چہرے سے اس نے کسی قسم کے خوشی کے تاثر کا اظہار نہ ہونے دیا، بلکہ الٹا غصے میں آکر بولی۔

"میں اس منحوس کتے کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن یہ میرے ملک پاکستان کا معاملہ ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس کافر کتے کی شکل دیکھ کر مجھے وہ جگہ اور وہ شہر ضرور یاد آجائے گا جہاں ان لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنا رکھا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن تمہیں ایک تکلیف ہم ضرور دیں گے، اس کے لئے تم ہمیں ضرور معاف کر دینا"۔

رام دُلاری نے اپنے دماغ میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کو دھکا تو ضرور لگا لیکن وہ انہیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی...... یہ اس کی مجبوری تھی۔

گل خان نے کہا۔

"اگر تم تیار ہو تو اسی وقت ہمارے ساتھ چلی چلو...... ہماری گاڑی باہر کھڑی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"میں کمرے کو تالا لگا کر ابھی آتی ہوں"۔

رام دُلاری نے اپنے کمرے میں آکر جہاں اس نے زہریلے انجکشن کا سرنج رومال میں لپیٹ کر چھپایا ہوا تھا وہاں سے اسے نکالا اور اسے اپنے سینے کے اندر انگیا میں اچھی طرح سے چھپا لیا اور کمرے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے آگئی...... باہر ان کی جیپ کھڑی تھی جو ترپال سے چاروں طرف سے بند تھی...... ایک طرف چھت کے پاس ہوا کیلئے دو

چوکور چھوٹے چھوٹے طاق رکھے گئے تھے...... شیر خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... گل خان حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو ساتھ لے کر جیپ کے اندر بیٹھ گیا۔

گاڑی تنظیم کے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... رام دُلاری کو باہر کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا...... اس نے اپنی سماعت یعنی سننے والی حس کو پوری طرح سے بیدار کر دیا، جس طرح کوئی کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اسی طرح باہر کی آوازیں سننے لگی...... جیپ مختلف جگہوں پر سے موڑ کاٹتی ہوئی چلی جا رہی تھی...... باہر سے صرف موٹر گاڑیوں، رکشوں اور سکوٹروں وغیرہ کی آوازیں ہی آرہی تھیں...... یہ ایسی آوازیں تھیں جو ایک بڑے شہر کے ہر بازار سے آتی ہیں...... ان آوازوں کی مدد سے وہ راستے کی نشاندہی نہیں کر سکتی تھی کہ اسے کن کن راستوں سے گزار کر سیکرٹ ہیلتھ سنٹر لے جایا گیا تھا...... یہ وہ اس لئے کر رہی تھی کہ عین ممکن تھا کہ جس وقت شیر خان وغیرہ اسے جمنا داس کے پاس لے کر جائیں اور اس کا چہرہ اسے دکھائیں تو یہ دونوں وہاں پر موجود ہوں اور جمنا داس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع ہی نہ مل سکے اور اسے اس کام کے لئے وہاں خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح اکیلی ہی آنا پڑ جائے۔

اتنا رام دلاری نے یاد رکھا تھا کہ گرلز ہوسٹل کے احاطے سے نکلنے کے بعد ان کی گاڑی دائیں طرف کو مڑی تھی اور پھر چھ سات منٹ تک بالکل سیدھی چلتی رہی تھی اور اس کے بعد ایک بار پھر دائیں طرف کو مڑ گئی تھی...... اس کے بعد کا راستہ وہ یاد نہ رکھ سکی تھی...... جیپ کوئی پندرہ منٹ تک سڑک پر سے گزرتی رہی...... اب سڑکوں پر ٹریفک کا شور بالکل ہی کم ہو گیا تھا، جس سے رام دلاری نے اندازہ لگایا کہ یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے...... جیپ ایک جگہ رُک گئی...... وہ یہی سمجھی کہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر آگیا ہے، لیکن اندر سے گل خان نے آواز دے کر پوچھا۔

"شیر خان جی! گاڑی کیوں روک لی؟"۔

ترپال کی دیوار کے پیچھے سے شیر خان کی آواز آئی۔

"ریلوے پھاٹک بند ہے"۔

یہ ایک بہت بڑی اور مستقل نشانی تھی جسے رام دُلاری نے اسی وقت اپنے ذہن میں بٹھالیا کہ ہیلتھ سنٹر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک ریلوے پھاٹک بھی آتا ہے...... تھوڑی دیر بعد ٹرین دھڑ دھڑاتی ہوئی گزر گئی...... اس کے بعد پھاٹک کھل گیا اور ان کی جیپ آگے کو چل پڑی...... تھوڑا آگے جانے کے بعد رام دُلاری کو بڑی تیز بو محسوس ہوئی...... اس نے گل خان سے پوچھا۔

"بھائی جان جی! یہ کس چیز کی بدبو ہے؟"۔

وہاں ایک چمڑا رنگنے کی فیکٹری تھی...... یہ بو اس فیکٹری کی طرف سے آرہی تھی، لیکن گل خان نے اسے صرف اتنا ہی کہا۔

"پتہ نہیں کس چیز کی بو ہے...... کبھی کبھی یہاں سے گزرتے ہوئے آیا کرتی ہے"۔

وہ اسے چمڑا رنگنے کی فیکٹری کا بتا کر علاقے اور راستے کی نشاندہی نہیں کرانا چاہتا تھا...... اگرچہ اسے حشمت بی بی سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن یہ ان کے اصول کے خلاف تھا...... گل خان اور شیر خان کو کیا خبر تھی کہ وہ بھارت کی نمبرون جاسوسہ اور خطرناک دہشت گردوں کی ساتھی رام دُلاری کو اپنے ساتھ لئے جارہے ہیں۔

دو تین منٹ کے بعد بو آنی بند ہوگئی...... گاڑی ایک دو موڑ مڑنے کے بعد ایک جگہ رُک گئی...... گل خان نے جیب سے کپڑے کی کالی پٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"بی بی! یہاں مجھے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اور گل خان نے اس کی آنکھوں پر اس طریقے سے پٹی باندھی کہ جب وہ گل خان کا ہاتھ پکڑ کر جیپ سے باہر دن کی روشنی میں آئی تو اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا......

شیر خان بھی گاڑی سے نکل آیا تھا...... گاڑی ایک تین چار کمروں والی اِک منزلہ عمارت کے احاطے میں کھڑی تھی جس کو چاروں طرف سے درختوں نے گھیر رکھا تھا...... گل خان نے رام دُلاری کا ہاتھ تھام رکھا تھا...... یہ تنظیم کا خصوصی خفیہ ہیلتھ سنٹر تھا جہاں ان مجاہدوں کا علاج معالجہ ہوتا تھا جن کی شناخت بعض مصلحت کے تحت خفیہ رکھنی ہوتی تھی...... عمارت کی پیشانی پر کوئی بورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا...... دروازہ بند تھا...... اس کے باہر کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا...... شیر خان آگے گیا...... وہ دروازہ کھول کر عمارت میں داخل ہوگئے...... یہاں پہلی مرتبہ رام دُلاری کو ڈیٹول اور دوسری دوائیوں کی بو محسوس ہوئی جس سے وہ سمجھ گئی کہ یہی سیکرٹ ہیلتھ سنٹر ہے...... رام دُلاری کو ایک کمرے میں کرسی پر بٹھادیا گیا...... پھر اس کی آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی۔

رام دُلاری نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ہے جہاں صرف ایک دھیمی روشنی والا بلب جل رہا ہے...... گل خان اس کے پاس ہی بیٹھا ہے...... شیر خان وہاں نہیں ہے...... کمرے کی صرف ایک ہی کھڑکی ہے جس کے آگے پردہ گرا ہوا ہے...... رام دُلاری نے حشمت بی بی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خدا جانتا ہے...... اس ہندو کافر کا منحوس چہرہ میں ساری زندگی نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن اب دیکھنا ضروری ہوگیا ہے...... کہاں ہے وہ ذلیل کافر؟"۔

گل خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ابھی تمہیں اس کے پاس لے جائیں گے"۔

رام دُلاری کو یقین ہوگیا تھا کہ جب وہ اپنے دہشت گرد ساتھی جمنا داس کے قریب جائے گی تو یہ دونوں پولیس کمانڈو اس کے ساتھ ہوں گے اور اسے جمنا داس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا...... پھر بھی اس نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا...... اتنے میں شیر خان کمرے میں آیا، کہنے لگا۔

"ہمیں اسی جگہ اپنی پناہ گاہ بنانی ہوگی، ہم پر کسی کو شک بھی نہیں ہو سکتا...... کسی نے ہمیں دیکھ بھی لیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ ہم ناگ سنیاسی ہیں اور یہاں بیٹھ کر ت کرتے ہیں...... مجھے تامل زبان میں ناگ پجاریوں کے کچھ اشلوک بھی یاد ہیں"۔

ارسلان نے اس کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"یہ تو بڑے کمال کی بات ہے شاہد بھائی...... ہم اسی شہر مجورا کے تامل مسلم ہیں، مگر ہمیں آج تک کسی ناگ اشلوک کا پتہ نہیں ہے"۔

شیر خان بولا۔

"ارسلان بھائی! اپنا مجاہد شاہد بڑا کمال کا آدمی ہے...... اس کی خوبیوں کا تو تم آہستہ آہستہ پتہ چلے گا اور بھی سنو...... شاہد بھائی سانپوں کو پکڑنے اور انہیں سدھا کا گر اور منتر بھی جانتے ہیں"۔

"کیا واقعی؟" ارسلان نے حیرانی سے شاہد علی کو دیکھا...... مجاہد شاہد علی کہنے لگ

"دراصل کشمیر کے محاذ پر میں جموں توی کے جنگلوں میں کافی دیر پھر ہوں...... وہاں ایک مسلمان سپیرے سے ملاقات ہو گئی تھی...... اس نے مجھے سا پکڑنے، انہیں سدھانے کے طریقے بھی بتائے تھے اور ان کے کچھ منتر بھی زبا کرائے تھے...... یہ منتر تامل زبان میں تھے، کیونکہ وہ سپیرا مدراس کے قریبی گاؤ رہنے والا تھا"۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے" ارسلان بولا...... تمہاری یہ خوبی ہمارے اس میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے"۔

پھر اس نے شیر خان سے پوچھا۔

"یہاں آپ لوگوں کو جس جس چیز کی ضرورت ہے وہ مجھے بتا دیں...... آپ مہیا کر دی جائے گی"۔

شیر خان نے جواب دیا۔

"ابھی ہمیں صرف دو پرانے کمبلوں، دو گیروے رنگ کی چادروں اور ایک دری کی ضرورت ہو گی...... یہ سب چیزیں کافی پرانی اور استعمال شدہ ہونی چاہئیں"۔

شاہد علی بولا۔

"اس کے علاوہ پانی رکھنے والے دو پرانے ڈول اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر سپیروں والی ایک بین کہیں سے مل جائے تو بہت ہی بہتر ہو گا"۔

ارسلان ہنس پڑا...... کہنے لگا۔

"کیا یہاں سانپوں کا تماشہ دکھانے یا سانپ نکالنے کا ارادہ ہے؟"۔

شاہد علی مجاہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرورت پڑی تو ایسا بھی کر لیں گے...... ہمیں تو اپنے مشن کو دیکھنا ہے...... اپنے مشن کے لئے جو کام کرنا پڑا کریں گے"۔

"اس میں کیا شک ہے" ارسلان نے کہا...... "ٹھیک ہے، اگر آپ لوگوں نے یہ جگہ اپنی پناہ گاہ کے لئے پسند کر لی ہے تو یہ تمام چیزیں آج شام ہی کو یہاں لا کر رکھ دی جائیں گی...... کسی اسلحے وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دیں...... آپ کو ہر قسم کا اسلحہ مل جائے گا"۔

شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی یہ نوبت نہیں آئے گی، جب وقت آیا تو اسلحہ بھی لے لیں گے"۔

ارسلان کہنے لگا۔

"کمبل شاہد بھائی نے بالکل ٹھیک طلب کئے ہیں کیونکہ سمندر قریب ہونے کی وجہ سے یہاں رات کو خنکی ہو جاتی ہے...... پینے کا پانی آپ کو ان چٹانوں میں کہیں نہیں ملے گا...... پانی رکھنے کے لئے آپ کو مٹی کا ایک مٹکا بھی پہنچا دیا جائے گا"۔

اس کے بعد وہ وہاں سے واپس اپنی خفیہ پناہ گاہ میں آ گئے...... جہاں تنظیم کا صدر

رشید احمد ان کا انتظار کر رہا تھا...... شیر خان نے اسے ساری صورت حال بیان کی اور بتایا کہ انہوں نے نہ صرف ناگ مندر کے اِرد گرد کا گہری نظر سے جائزہ لیا ہے بلکہ ایک غار بھی دیکھ لیا ہے جہاں وہ اپنی عارضی خفیہ پناہ گاہ بنانا چاہتے ہیں۔

"اس کی وجہ یہ ہے رشید بھائی کہ...... شاہد علی نے کہا" اگر ہم اپنی سراغ رسانی کا مرکز ناگ مندر کو بناتے ہیں تو ہمیں اس کے قریب رہنا ہوگا اور ہم ناگ سنیاسیوں کے بھیس میں ہی وہاں رہیں گے تا کہ کسی کو ہم پر شک شبہ نہ ہو سکے...... ہم یہی ظاہر کریں گے کہ شمالی یا وسطی بھارت سے ناگ دیوتا کے درشن کرنے اور یہاں بیٹھ کر کچھ راتیں تپسیا کرنے آئے ہیں...... اس طریقے سے ہمیں نہ صرف یہ کہ ناگ مندر کے اندر جانے اور وہاں کے خاص خاص پجاریوں سے میل ملاقات بڑھانے کا موقع مل جائے گا بلکہ ہم ناگ داسی اُرملا تک بھی آسانی سے پہنچ سکیں گے اور اس کے ذریعے ہمارے ہاتھ اپنے ٹارگٹ یعنی ڈاکٹر پلائی کی گردن تک آسانی سے پہنچ جائیں گے"۔

رشید احمد اور ارسلان دونوں نے اس خیال کو پسند کیا...... رشید احمد کہنے لگا۔

"لیکن اس خطرناک بھیس میں تمہیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہو گی...... تم دونوں پنجابی ہو...... یہاں کے لوگوں اور خاص طور پر ناگ مندر کے پجاریوں کے سامنے تمہارے منہ سے پنجابی کا ایک لفظ بھی نہیں نکلنا چاہئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"اس کی ہمیں خاص ٹریننگ بھی ملی ہوئی ہے اور ہم خاص طور پر اس کا خیال بھی رکھیں گے"۔

جب ارسلان نے رشید احمد کو بتایا کہ شاہد علی کو سپیروں والی ایک بین کی بھی ضرورت ہے تو رشید احمد مسکرانے لگا۔

"ارے شاہد بھائی! سپیروں والی بین کیا تم بجالو گے؟"۔

مجاہد شاہد نے کہا۔

"جموں توی میں مجھے جو تامل سپیرا ملا تھا اس سے میں نے بین بجانی بھی سیکھ لی تھی"۔

رشید احمد نے پوچھا۔

"یہ تمہیں مل جائے گی...... یہ بتاؤ کہ اب تمہارا پلان اور تمہاری سکیم کیا ہے"۔

شیر خان بولا۔

"اس پر میں اور شاہد علی آج رات غور کرنے کے بعد انشاء اللہ کل آپ کو بتادیں گے"۔

"بالکل ٹھیک ہے...... اس موضوع پر انشاء اللہ کل بات ہو گی"۔

رات کو شیر خان اور مجاہد شاہد علی دیر تک غور کرتے رہے کہ انہیں اپنی سراغ رسانی اور اُرملا ناگ داسی کے توسط سے اپنے ٹارگٹ ڈاکٹر پلائی تک پہنچنے کی مہم کا آغاز کہاں سے اور کس طریقے سے کرنا چاہئے...... آخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے اور انہوں نے ایک پورا منصوبہ تیار کر لیا...... اگلے روز صبح انہوں نے مجورا کے مجاہد ارسلان اور حیدر آباد دکن کے مجاہد رشید احمد کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

ارسلان نے انہیں بتایا کہ ان کی ضرورت کی ساری چیزیں ناگ مندر کی چٹانی غار میں رات کو پہنچادی گئی تھیں۔

"مگر تمہاری سپیروں والی بین ہم نے اپنے پاس ہی رکھ لی تھی...... وہ تم جاتے ہوئے یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جانا"۔

شاہد علی بولا۔

"وہ میں ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"جہاں تک تمہارے کھانے پینے کا تعلق ہے...... ہمارا ایک خاص آدمی جو خود بھی سادھو جوگی کے بھیس میں ہو گا...... دونوں وقت تمہیں کھانا پہنچادیا کرے گا...... وہ

اس علاقے کا ہی آدمی ہے اور چٹانوں کے تمام خفیہ راستوں سے واقف ہے“۔
شیر خان نے کہا۔

”ہم کمانڈو ٹائپ کے جفاکش مجاہد ہیں، تھوڑا سا کھا کر بھی گزارہ کر سکتے ہیں...... آپ لوگ ہمیں صرف خشک چیزیں اور وہ بھی دن میں ایک بار بھجوا دیا کریں...... اول تو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے...... میرا خیال ہے کہ ناگ مندر میں جو باہر سے جوگی سادھو وغیرہ آتے ہیں وہ مندر کے لنگر ہی سے کھا پی لیتے ہوں گے“۔

”ہاں ایسا بھی ہے“ ارسلان بولا...... ”مندر میں ہر وقت دال چاول کا لنگر جاری رہتا ہے...... لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک آپ لوگ وہاں کے ماحول کے عادی نہیں ہو جاتے ہمارا آدمی دن میں ایک بار آپ کو خشک چاول وغیرہ دے جایا کرے گا“۔
شاہد علی نے کہا۔

”ہم آج شام سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی اپنی مہم پر ناگ مندر کی طرف چل دیں گے...... ہم مندر میں بیٹھ کر وہاں کے ماحول کا پورا جائزہ لیں گے اور ناگ داسی اُرملا کا کھوج لگانے کی کوشش کریں گے...... رات کو ہم اپنی چٹانی غار والا خفیہ پناہ گاہ میں ہی آرام کریں گے...... کل کسی وقت آ کر ہم میں سے کوئی ایک آپ کو رپورٹ دے گا کہ ہمیں ناگ داسی کا سراغ لگانے میں کچھ کامیابی ہوئی ہے یا نہیں“۔
رشید احمد نے کہا۔

”میرا خیال تم میں سے کسی کو ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں...... میں خود کل کسی وقت تمہارے پاس آ جاؤں گا“۔

”یہ اچھی بات ہے“ شیر خان بولا...... ”ہمیں کچھ دیر مندر میں ہی رہنا چاہئے...... اس لئے کہ ہماری تمام سرگرمیوں کا مرکز اب یہ ناگ مندر ہی ہے...... یہی ایک جگہ ہے جہاں ہم ڈاکٹر پلائی کو ہلاک کرنے کے کسی منصوبے پر عمل کر سکتے ہیں، کیونکہ نہ ہم ایٹمی میزائل فیکٹری میں اس کے قریب جا سکتے ہیں اور نہ رات کے وقت

فوجی چھاؤنی میں اس پر حملہ کر سکتے ہیں جہاں وہ رات کو پوری فوجی بٹالین کی موجودگی میں ہوتا ہے...... صرف یہی ایک ناگ مندر ایسی جگہ ہے جہاں ہم اسے قابو کر سکتے ہیں...... اگرچہ یہاں بھی اس کے ساتھ فوجی باڈی گارڈ ہوتے ہیں، لیکن یہاں وہ اپنی دوست ناگ داسی اُرملا سے ملنے ناگ دیوتا کی پوجا کے بہانے آتا ہے اور اُرملا ناگ داسی سے تنہائی میں ضرور ملتا ہوگا۔ بس ہمیں اسی جگہ اس پر فیصلہ کن حملہ کرنا ہوگا“۔
مجاہد ارسلان نے کہا۔

”میں یہی مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ غار والی پناہ میں تھوڑا بہت اسلحہ ضرور ساتھ رکھیں...... کوئی پتہ نہیں اس کی کس وقت ضرورت پڑ جائے“۔

شیر خان نے شاہد علی کی طرف دیکھا...... دونوں کچھ سوچ رہے تھے...... پھر شاہد علی بولا۔

”بہتر ہے...... آپ ایسا کریں کہ دو چھوٹے پستول جن پر سائی لینسر چڑھے ہوئے ہوں کچھ فالتو گولیوں کے ساتھ ہمیں غار میں پہنچا دیں“۔
ارسلان نے کہا۔

”یہ چیزیں ہمارا آدمی آج رات آپ کو پہنچا دے گا“۔

دن کے وقت شیر خان اور مجاہد شاہد علی مجورا کی خفیہ کمیں گاہ میں ہی تیاریوں میں مصروف رہے...... جب سورج غروب ہو گیا تو وہ ناگ مندر کی طرف چل پڑے...... دونوں ناگ سنیاسیوں یعنی اس علاقے کے سادھوؤں کے بھیس میں تھے...... کمانڈو شیر خان کے ہاتھ میں پانی وغیرہ پینے کے کام آنے والا کرمنڈل تھا، جبکہ شاہد علی نے سپیروں والی بین ہاتھ میں لے رکھی تھی...... ان کے سروں کے بال پہلے ہی کافی لمبے اور سادھوؤں والے تھے...... انہوں نے ایک جگہ سے رکشا لیا اور ناگ مندر کے قریب اتر گئے...... وہاں سے پیدل ہی مندر کی طرف چلنے لگے۔
مجاہد شاہد نے کہا۔

”یاد رکھنا...... مندر میں پہنچ کر ہم صرف یہاں کی تامل زبان میں ہی زیادہ تر باتیں کریں گے...... موقع کی مناسبت سے کسی کسی وقت اُردو ہندی میں بھی بول لیں گے، کیونکہ ہم نے یہی ظاہر کرنا ہے کہ ہم مدھیہ پردیش کے یاتری ہیں...... لیکن تامل زبان بھی بول لیتے ہیں“۔

شیر خان بولا۔

”میں سمجھ گیا ہوں“۔

یونہی باتیں کرتے ہوئے وہ مندر کی حدود میں داخل ہو گئے...... اس وقت شام کا دُھندلا دُھندلا سا اندھیرا چھانا شروع ہو گیا تھا...... ناگ مندر کی بتیاں روشن تھیں...... باہر اور اندر خوب روشنی ہو رہی تھی...... ناگ دیوتا کے پجاری مرد اور عورتیں مندر میں پوجا کرنے آ رہی تھیں...... مندر کے دروازے کی دونوں جانب سادھو جوگی سنیاسی لوگ اِدھر اُدھر دھونی رمائے بیٹھے گانجے اور چرس کے لمبے لمبے کش لگا رہے تھے...... ان کے عقیدت مند ہندو ان کے آگے مٹھائی اور پھل رکھ رہے تھے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی خاموشی سے مندر میں داخل ہو گئے۔

یہ کافی بڑا مندر تھا...... جہاں ناگ دیوتا کی بڑی مورتی رکھی تھی، وہ ایک اونچے چبوترے پر گپھا سی بنی ہوئی تھی جہاں سیڑھیاں چڑھ کر لوگ جا رہے تھے...... وہ بھی دوسرے پجاریوں کے ساتھ ناگ دیوتا کی گپھا میں آ گئے...... یہاں آرتی اتاری جا رہی تھی...... گھنٹیاں بج رہی تھیں...... کچھ پجاری ایک طرف بیٹھے بھجن کیرتن کر رہے تھے...... شردھالو ناگ دیوتا کی مورتی کے سامنے بیٹھے ہوئے موٹے پیٹ والے کالے کلوٹے مہنت کے پاس آ کر مورتی کو پرنام کرتے...... مہنت ان کے ماتھے پر انگلی سے کیسر لگاتا اور وہ آگے چل دیتے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد نے بھی ناگ کی مورتی کے سامنے جا کر اسے پرنام کیا...... مہنت نے ان کے ماتھوں پر باری باری کیسر میں بھگوئی ہوئی انگلی لگائی اور وہ آگے بڑھ گئے...... وہاں سے سیڑھیاں اتر کر وہ مندر

کے بڑے ہال کمرے میں آ گئے...... یہاں بے شمار ستون تھے جن پر دیوی دیوتاؤں اور سانپوں کی مورتیاں تراشی ہوئی تھیں...... وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے...... شیر خان نے کہا۔

”سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ یہاں ناگ داسیاں کہاں ہوتی ہیں اور وہ کس وقت ناگ دیوتا کی مورتی کے آگے رقص کرتی ہیں“۔

شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

”یہ تو یہاں آنے جانے والے لوگوں میں سے ہی کسی سے معلوم کرنا چاہئے“۔

اتنے میں ایک بوڑھا تامل ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا...... شاید وہ مندر میں مورتیوں کے درشن کرتے کرتے تھک گیا تھا...... کمانڈو شیر خان کو موقع مل گیا...... اس نے تامل زبان میں بوڑھے سے پوچھا۔

”آقا! ناگ داسیاں پوجا پاٹھ کرنے کب آتی ہیں“۔

بوڑھے نے میلے سے کپڑے سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

”وہ سامنے والے بھون میں آدھی رات کے بعد آتی ہیں...... وہاں ناگ دیوتا کی بڑی مورتی ہے...... وہ ناگ بھگوان کے آگے نرت کرتی ہیں“۔

دونوں مجاہدوں کو ان کی مطلوبہ معلومات مل گئی تھیں...... وہ یہی معلوم کرنا چاہتے تھے...... جب بوڑھا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تو دونوں مجاہد بھی وہاں سے اٹھے اور اس بھون کی طرف چل پڑے جس کی طرف بوڑھے تامل نے اشارہ کیا تھا...... اس بھون یا چھوٹے ہال کمرے میں چھت کے ساتھ پیتل کی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں...... ایک چبوترے پر کوبرا سانپ کا کافی بڑا بت پڑا تھا...... یہ ان لوگوں کے ناگ دیوتا کا بت تھا...... اس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور آگے پھولوں...... پھلوں اور مٹھائیوں کی تھالیاں سجی ہوئی تھیں...... ایک بڑا پجاری یہاں بھی بت کے پاس بیٹھا شردھالوؤں سے پیسے اور مٹھائیاں وغیرہ لے کر ان کے ماتھوں پر تلک لگا رہا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"یہاں بیٹھنا بیکار ہے...... ہم آدھی رات کو آئیں گے، جب ناگ داسیاں مورتی کے آگے رقص کرنے کے لئے آتی ہیں...... ان میں سے اُرملا نام کی دیوداسی کا سراغ لگانے کی کوشش کریں گے"۔

دونوں ناگ بھون سے نکلے اور مندر کے صحن میں آکر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... اچانک کالے رنگ کے دو سانپ ان کے قریب سے ہو کر نکل گئے...... شیر خان چونک کر ایک طرف ہو گیا...... شاہد علی نے اسے خبردار کیا۔

"ایسا پھر نہ کرنا شیر خان! نہیں تو یہاں کے لوگوں کو ہم پر شک پڑ جائے گا...... یہاں جو بھی ناگ جوگی آتے ہیں انہیں علم ہوتا ہے کہ یہاں کے سانپ بے ضرر ہیں...... کسی کو کچھ نہیں کہتے"۔

شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"سوری شاہد علی! میں آئندہ خیال رکھوں گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"یہاں کے سانپ زہریلے بالکل نہیں ہوتے...... یہ سانپ تو ان لوگوں کے گھروں میں بھی آزادی سے رینگتے پھرتے ہیں اور کبھی کسی کو نہیں ڈستے...... اگر کسی میں زہر ہو بھی تو وہ کسی کو کچھ نہیں کہتا...... یہاں کے بچے تو سانپوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں اور تم ان کے سامنے کبھی کسی سانپ کو مارنے کی کوشش بھی نہ کرنا...... یہاں کے سانپ ان لوگوں کے لئے دیوتا کا درجہ رکھتے ہیں"۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی...... مندر میں سے بھی عقیدت مندوں کا ہجوم چھٹ گیا تھا...... مندر کے پجاری...... بھکشو...... سادھو اور کچھ دوسرے لوگ ہی وہاں نظر آ رہے تھے...... اس دوران کچھ عقیدت مند عورتیں اور مرد کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے آگے بھی انہیں ناگ سادھو سمجھ کر مٹھائی کے ڈونے اور پھل رکھ گئے تھے، جنہیں انہوں نے مزے سے کھایا...... جب رات آدھی گزر گئی تو وہ اٹھ کر بڑے

ناگ دیوتا کے بھون میں آگئے...... یہاں ناگ داسیوں کے رقص کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں...... ناگ کی مورتی کے آگے موم بتیاں روشن کر دی گئی تھیں...... لوبان سلگ رہے تھے...... لوگ دو قطاریں بنا کر بیٹھ گئے تھے...... ان میں سادھو لوگ اور چھوٹے پجاری بھی تھے...... کچھ عورتیں بھی تھیں...... ناگ کی بڑی مورتی کے آگے مہنت پجاری بیٹھ گیا تھا...... ڈھولک اور شہنائیاں بجانے والے بھی آکر مورتی کے چبوترے کے پاس بیٹھ چکے تھے، اب صرف ناگ داسیوں کا انتظار تھا۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی ایک جگہ بیٹھ گئے...... وہ ناگ سادھوؤں کے بھیس میں تھے اور سب انہیں ناگ سادھو یا ناگ سنیاسی ہی سمجھ رہے تھے...... اتنے میں ہال کمرے کا بڑا فانوس روشن ہو گیا...... پجاری مہنت نے ہاتھ میں گھنٹی لے کر اسے بجاتے ہوئے ناگ مورتی کی آرتی اتاری اور بلند آواز میں تامل زبان میں کہا۔

"ناگ دیوتا کی ناگ داسیاں حاضر ہوں"۔

اسی وقت ساز بجانے والوں نے ساز چھیڑ دیئے...... ڈھولک بجنے لگا...... شہنائیاں بجنے لگیں...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار کا پردہ ایک طرف ہٹا اور اندر سے چھ سات ناگ داسیاں رقص کے انداز میں دوڑتی ہوئی آئیں اور سب سے پہلے ناگ مورتی کے آگے آکر ماتھا ٹیکا...... پھر مہنت پجاری کے پاؤں چھوئے اور رقص شروع کر دیا۔

کمانڈو شیر خان نے شاہد علی کے کان میں کہا۔

"کیسے پتہ چلے گا کہ ان میں اُرملا نام کی ناگ داسی کون ہے؟"۔

مجاہد شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"پتہ چلانے کی کوشش کریں گے"۔

ناگ داسیوں نے سرخ اور سبز رنگ کی ریشمی ساڑھیاں پہن رکھی تھیں...... پاؤں میں جھانجریں تھیں...... وہ موسیقی کی تال پر چاروں طرف چکر لگا کر رقص

کر رہی تھیں...... مجاہد شاہد علی نے بھی محسوس کیا کہ اس طرح سے تو اسے اس ناگ داسی کا کچھ پتہ نہ چل سکے گا جس کی انہیں تلاش ہے اور جس کی خاطر وہ بھیس بدل کر وہاں آئے ہوئے ہیں، لیکن ان کا مسئلہ بڑے پجاری نے اپنے آپ ہی حل کر دیا...... کچھ دیر کے بعد بڑے پجاری نے ہاتھ بلند کیا اور اونچی آواز میں بولا۔

"ناگ داسی رانی اُرملا کو حاضر کیا جائے...... دیوتا اس کے رقص سے پرسن ہوں گے"۔

دونوں کمانڈو مجاہدوں کی نگاہیں سامنے والی دیوار کی طرف اٹھ گئیں...... سب اسی طرف دیکھ رہے تھے...... وہاں پردہ گرا دیا گیا تھا...... ایک دم سے پردہ ہٹ گیا اور ایک ناگ داسی رقص کرتی باہر نکلی...... اس نے زرق برق لباس پہنا ہوا تھا...... بڑی خوبصورت تھی...... وہ واقعی رانی لگ رہی تھی...... بالوں میں پھولوں کے گجرے تھے...... کلائیوں پر بھی گجرے بندھے تھے...... آنکھیں ہیرے موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں...... وہ درمیان میں آ کر ناچنے لگی...... شاہد علی نے کمانڈو شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"قدرت نے ہمارا کام آسان کر دیا...... یہی ناگ داسی اُرملا ہے"۔

ناگ داسی اُرملا نے ناگ کی مورتی کے آگے اوندھے منہ لیٹ کر ڈنڈوت کیا اور پھر اٹھی اور اس نے سانپ ڈانس شروع کر دیا...... ایسا سانپ ڈانس دونوں مجاہدوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا...... رقص کرتے کرتے ایک بار وہ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے قریب آئی تو انہوں نے اسے بڑے غور سے دیکھا...... ناگ داسی اُرملا کی عمر بیس برس سے زیادہ کی نہیں تھی...... اس کی آنکھیں سیاہ تھیں اور ایک طرف رخسار پر سیاہ تل بھی تھا...... ہال کمرے کی روشنیوں میں یہ تل صاف نظر آ رہا تھا...... ناگ داسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔

پھر اس کی سہیلیاں ایک ایک کر کے اس سے الگ ہوتی گئیں...... اب ناگ داسی

اُرملا اکیلی رہ گئی تھی...... وہ اکیلی ہی سانپ ڈانس کر رہی تھی...... اتنے میں ناگ دیوتا کی مورتی کے پیچھے سے گلابی رنگ کا ایک سانپ پھن اٹھائے پھنکاریں مارتا رینگتا ہوا ناگ داسی کے قریب آیا اور وہ بھی ناگ داسی کے ساتھ رقص کرنے لگا...... رقص کرتے کرتے ناگ داسی نے سانپ کو اٹھا لیا اور اسے ہاتھ میں لے کر رقص کرنے لگی...... کبھی وہ سانپ کو اپنے منہ کے قریب لاتی...... کبھی اپنے گلے میں لپیٹتی...... کبھی اسے ہوا میں اچھال کر دوبارہ پکڑ لیتی...... یہ رقص ڈھولک اور گھنٹیوں کی آوازوں میں آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔

اس کے بعد ناگ داسی سانپ کو گلے میں لپیٹ کر رقص کرتی چلی گئی...... رقص ختم ہو گیا...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد بھی دوسرے پجاریوں اور ناگ سادھوؤں کے ساتھ مندر سے باہر آ گئے...... مندر سے نکل کر وہ سیدھے سمندر کی طرف چل پڑے جہاں ان کی خفیہ پناہ گاہ تھی...... اس وقت رات کے دو ڈھائی بجے کا وقت ہو گا...... ہر طرف خاموشی تھی...... جس چھوٹی سی سڑک پر وہ جا رہے تھے وہ دور تک سنسان پڑی تھی...... دونوں کمانڈو باتیں بھی کر رہے تھے...... شیر خان کہہ رہا تھا۔

"ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ ناگ داسی اُرملا کہاں رہتی ہے...... کہاں رات کو سوتی ہے، کیونکہ اسی جگہ ہمارا دشمن ڈاکٹر پلائی رات کو ناگ داسی سے ملاقات کرنے آئے گا اور اسی جگہ یعنی ناگ داسی کے گھر کو اپنا ٹارگٹ بنا کر ہمیں منصوبہ بندی کرنی ہو گی"۔

کمانڈو شاہد علی بولا...... ہو سکتا ہے ناگ داسی مندر میں ہی رہتی ہو۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اگر وہ ناگ مندر میں ہی رہتی ہے تو ہمیں اس کا بھی سراغ لگانا ہو گا"۔

اسی طرح باتیں کرتے وہ سمندر کے کنارے کی چٹانوں میں پہنچ گئے...... وہ چٹانوں میں سے گزرتے چلے گئے...... اپنی خفیہ غار والی پناہ گاہ میں آ کر انہوں نے موم

بتی روشن کی تو دیکھا کہ فرش کی ایک جانب دری بچھی ہوئی تھی...... یہ میلے رنگ
پرانی دری تھی...... ایک طرف دو پرانے کمبل...... دو گیروے رنگ کی چادریں
کر کے رکھی تھیں...... پانی سے بھرا ہوا مٹی کا بڑا مٹکا اور پانی پینے اور باہر سے پانی لا
والا درمیانے سائز کا ڈول بھی پڑا تھا...... ایک دیگچی بھی تھی...... انہوں نے دیگچ
ڈھکن اٹھا کر دیکھا...... اس میں کھچڑی تھی جس کے اوپر آم کا اچار رکھا ہوا تھا......
شاہد علی اپنی بین اور کرمنڈل ایک طرف رکھتے ہوئے دری پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"مجاہد ارسلان نے ہماری ضرورت کی ساری چیزیں پہلے سے یہاں رکھوا
ہیں...... ہم نے انہیں سائی لینسر والے دو پستول اور فالتو گولیوں کے لئے بھی کہا تھا"

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں دیکھتا ہوں...... یہ چیزیں بھی ضرور یہیں کہیں ہوں گی"۔

وہ دوسرے کونے کی طرف بڑھا جہاں دو چار پرانی چادریں تہہ کر کے ر
تھیں...... اس نے انہیں اٹھایا تو نیچے دو پستول اور گولیوں کا ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا......
نے شاہد علی سے کہا۔

"وہ لوگ اسلحہ بھی رکھ گئے ہیں"۔

"وہیں پڑا رہنے دو" شاہد علی نے کہا...... "جس وقت ضرورت ہوگی تو نکال
چیک کر لیں گے"۔

وہ مندر سے کھا پی کر آئے تھے...... انہیں بھوک بالکل نہیں تھی...... موم
بجھا کر وہ سو گئے...... صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو غار کے دہانے میں سے دن کی رو
اندر آ رہی تھی...... وہ اٹھ کر چٹانوں کے پیچھے اس جگہ آ گئے جہاں سمندر کا پانی جمع ہو
ہوا تھا اور ایک تالاب سا بن گیا تھا...... یہاں وہ نہائے...... نہا دھو کر انہوں
سادھوؤں والا لباس پہنا اور واپس غار میں آ کر کھچڑی نکال کر کھائی اور باتیں کر
لگے...... پھر انہوں نے پروگرام بنایا کہ مندر کے آس پاس کے علاقے کا دن کی رو

یں جائزہ لینا چاہئے...... شاید ناگ داسی اُرملا کے ٹھکانے کا کوئی سراغ مل جائے......
غار کے دہانے کے آگے جھاڑیاں وغیرہ لگا کر انہوں نے اسے چھپا دیا اور مندر کی طرف
چل پڑے۔

وہ ناگ سادھوؤں کے بھیس میں کافی دیر تک مندر کے آس پاس کے علاقے
میں پھرتے رہے...... مندر کے آس پاس رہائشی مکان کہیں نہیں تھے...... ایک دو
بڑے بڑے ڈھلوان چھتوں والے گودام ضرور تھے جن کے دروازوں پر تالے لگے
ہوئے تھے اور باہر چوکیدار بیٹھے تھے...... کہیں کوئی کوارٹر ٹائپ کے مکان بھی نظر
نہیں آ رہے تھے۔

شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ناگ داسی مندر کی چار دیواری کے اندر ہی رہتی ہے...... ہمیں
مندر کے احاطے میں چل کر دیکھنا ہوگا"۔

وہ مندر کے احاطے میں آ کر ادھر اُدھر منڈلانے اور گہری نظروں سے ایک
ایک چیز کا جائزہ لینے لگے...... مندر کے احاطے میں ایک طرف ساتھ ساتھ اک منزلہ
کوارٹر بنے ہوئے تھے...... شیر خان بولا۔

"شاہد علی! مجھے یقین ہے کہ ناگ داسی انہی کوارٹروں میں سے کسی میں رہتی
ہوگی"۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے کوارٹروں کے قریب سے گزرنے لگے...... ان کی نظریں
یک ایک کوارٹر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں...... کوارٹروں کے دروازے کھلے بھی
تھے اور بند بھی تھے...... کہیں کہیں کسی بوڑھی عورت کی جھلک نظر آ جاتی تھی...... کسی
کوارٹر کے باہر کوئی بوڑھا آدمی بیٹھا ناریل کی گڑگڑی پی رہا تھا...... ایک دو کوارٹروں
کے باہر کچھ جوان لڑکیاں بھی دکھائی دیں...... ان کو دونوں کمانڈوز نے غور سے دیکھا،
مگر ان میں ناگ داسی اُرملا کوئی نہیں تھی۔

تھک ہار کر وہ مندر کے اندر آ گئے۔

مندر میں ایک بوڑھا پجاری ستون کے پاس سر جھکائے بیٹھا تھا...... مجاہد شاہد علی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شیر خان کو اشارہ کیا اور وہ اس بوڑھے کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور تامل زبان میں آہستہ آہستہ ناگ دیوتا کے اشلوک پڑھنے لگے...... یہ اشلوک مجاہد شاہد کو یاد تھے اور اس نے کمانڈو شیر خان کو بھی یاد کرا دیئے تھے...... کچھ دیر اشلوک پڑھنے کے بعد مجاہد شاہد علی بوڑھے سے تامل زبان میں باتیں کرنے لگا...... باتوں ہی باتوں میں اس نے بوڑھے سے کہا۔

"ہم مدراس اور ترچنا پلی کے ناگ مندروں کی یاترا کر کے آ رہے ہیں...... وہاں کی ناگ داسیاں بڑا اچھا نرت (ڈانس) کرتی ہیں...... یہاں مجورا کے ناگ مندر کی ناگ داسیاں اتنا اچھا نرت نہیں کرتیں"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"اصل میں مدراس اور ترچنا پلی کے ناگ مندروں کی ناگ داسیوں کو بڑے مہاتما لوگ نرت (ڈانس) سکھاتے ہیں اور ان ناگ داسیوں کے آرام وغیرہ کا خیال بھی رکھا جاتا ہے، جبکہ یہاں مجورا کے ناگ مندر کی داسیوں کو شاید کوئی نہیں پوچھتا رات کو وہ سوتی بھی جھونپڑیوں میں ہوں گی"۔

یہاں بوڑھے تامل نے کہا۔

"تم لوگوں کو کسی نے غلط بتایا ہے...... ہمارے مندر کی ناگ داسیاں جھونپڑیوں میں نہیں رہتیں...... مندر کے احاطے میں بنے ہوئے اپنے کوارٹروں میں رہتی ہیں"۔

شیر خان اور شاہد علی بوڑھے تامل کو جس نقطے پر لانا چاہتے تھے وہ اس طرف آ رہا تھا...... شاہد علی کہنے لگا۔

"تو پھر سب سے بڑی ناگ داسی بھی کوارٹر میں ہی رہتی ہو گی، جبکہ ترچنا پلی کے ناگ مندر کی بڑی ناگ داسی کے لئے ایک الگ شاندار مکان بنایا ہوا ہے"۔

شیر خان نے بوڑھے تامل سے پوچھا۔

"کیا یہاں بڑی ناگ داسی اُرملا کے لئے کوئی الگ مکان نہیں بنایا گیا؟"۔

بوڑھے تامل نے کہا۔

"کہتے ہیں کہ ناگ داسی اُرملا ایک شاندار مکان میں رہتی ہے، جہاں وہ صرف رات کو سونے کے لئے جاتی ہے، لیکن کسی کو نہیں پتہ کہ وہ مکان کہاں پر ہے...... مندر کا بڑا پجاری جس رات اُرملا نے ناگ نرت کرنا ہوتا ہے، اسے اپنے ساتھ اندھیرے میں اس کے مکان تک چھوڑ آتا ہے...... سوائے بڑے پجاری کے کسی کو معلوم نہیں کہ بڑی ناگ داسی کا مکان کہاں پر ہے"۔

شیر خان نے شاہد علی کی طرف دیکھا...... معاملہ مزید پراسرار ہوتا جا رہا تھا...... شاہد علی نے تامل زبان میں ہی بوڑھے سے پوچھا۔

"اُرملا ناگ داسی کے لئے اتنی رازداری کیوں برتی جا رہی ہے؟"۔

بوڑھے نے کہا۔

"اس لئے کہ کہیں دوسرے شہروں کے ناگ مندر کے پجاری اسے اغوا کر کے اپنے مندر میں نہ لے جائیں، کیونکہ اُرملا ناگ داسی کی وجہ سے اس مندر کو بہت آمدنی ہوتی ہے"۔

شیر خان اور شاہد علی۔ نے اس بوڑھے سے جو معلوم کرنا تھا وہ انہیں معلوم ہو گیا تھا...... وہ اٹھ کر مندر کے احاطے میں آ گئے...... شیر خان نے کہا۔

"معاملہ اور اُلجھ گیا ہے...... ناگ داسی کے مکان کا کیسے سراغ لگایا جائے...... اس کا مطلب ہے کہ جس رات ڈاکٹر پلائی اس کے پاس آتا ہو گا تو وہ بھی بڑی رازداری سے آتا ہو گا...... اس کے باڈی گارڈ مکان کے اِرد گرد پوشیدہ جگہوں پر چھپ کر بیٹھ جاتے ہوں گے...... سائنس دان ڈاکٹر پلائی خود بھی رازداری سے کام لینا چاہتا ہو گا تاکہ کسی کو علم نہ ہو کہ وہ رات کو مندر کی ناگ داسی سے ملنے آیا ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"ڈاکٹر پلائی بکتر بند گاڑی میں آتا ہے...... رات کے وقت کسی نہ کسی جگہ اس گاڑی کھڑی ہوتی ہوگی...... ہم اسے تلاش کرکے ناگ داسی کے مکان پر پہنچ کر ڈاک کا کام تمام کر سکتے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم کیسے تلاش کریں گے کہ ڈاکٹر پلائی کی بکتر بند گاڑی را کے اندھیرے میں کس جگہ کھڑی ہے...... مندر کے آس پاس کا علاقہ تو بہت وس علاقہ ہے...... ہمیں کوئی دوسری تدبیر سوچنی پڑے گی"۔

ان ہی خیالوں میں اُلجھے دونوں کمانڈو مجاہد مندر کے لنگر کی طرف آگئے...... دوپہر ہوگئی تھی...... لنگر تقسیم ہو رہا تھا...... انہوں نے لنگر کے دال چاول کھائے ا کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد واپس اپنی غار والی پناہ گاہ میں آگئے...... اس کے بعد وہ شا تک غار سے باہر نہ نکلے اور ہر قسم کے منصوبے سوچتے رہے، مگر ان کی سمجھ میں ک نہیں آتا تھا کہ کون سی ایسی ترکیب ہو کہ ناگ داسی کے پراسرار مکان کا کھوج سکے...... رات ہوگئی...... شیر خان نے کہا کہ مندر کا ایک چکر لگانا چاہئے...... شاہد نے کہا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں...... اب ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ جس را ناگ داسی اُرملا نے رقص کرنا ہوتا ہے، ہم اس رات مندر میں جاکر بیٹھ جائیں...... جب ناگ داسی رقص کے بعد واپس جائے تو چھپ کر اس کی نگرانی کی جائے اور جب رات کے اندھیرے میں مندر کا بڑا پجاری اسے اس کے گھر چھوڑنے جائے تو اس پیچھا کیا جائے"۔

شیر خان نے کہا۔

"مگر جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے ناگ داسی اُرملا سات دنوں کے وقفے کے بعد

کسی رات رقص کرتی ہے"۔

"یہ ہم پتہ کرلیں گے کہ وہ کس رات رقص کرنے والی ہے" مجاہد شاہد علی نے جواب دیا...... "اس رات کو ہم اس کا پیچھا کریں گے"۔

اپنے اسی منصوبے پر وہ دیر تک غار کے اندر بیٹھے سوچ بچار کرتے رہے...... پھر کچھ دیر ٹہلنے کے لئے غار سے نکل کر چٹانوں کے پیچھے آگئے...... چاندنی رات تھی...... چاند نکلا ہوا تھا...... سمندر میں جوار بھاٹا کا منظر تھا...... سمندر کافی آگے تک آگیا ہوا تھا...... سمندر کی موجیں دُور دُور آکر چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں...... چاندنی میں سمندر چمک رہا تھا...... دونوں مجاہد ناگ سادھوؤں کے لباس میں سمندری ہوا میں آہستہ آہستہ ریت پر سیر کرتے رہے...... وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے اور اسی نقطے پر غور کر رہے تھے کہ جب انہیں اُرملا ناگ داسی کے خفیہ مکان کا سراغ مل جائے گا اور جس رات سائنس دان ڈاکٹر پلائی اس کے مکان پر موجود ہوگا تو انہیں کس طریقے سے کمانڈو ایکشن کرکے اسے ہلاک کرنا ہوگا۔

سیر کرنے کے بعد وہ غار میں آگئے...... انہوں نے دیگچی میں سے تھوڑی سی کھچڑی نکال کر کھائی اور شیر خان نے تھیلے میں سے کلائی کی گھڑی نکال کر وقت دیکھا اور بولا۔

"رات کے بارہ بجنے والے ہیں...... میرا خیال ہے اب ہمیں سو جانا چاہئے"۔

موم بتی جل رہی تھی...... غار کے دہانے کو انہوں نے جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا تھا...... سمندر کی مرطوب ہوا کی وجہ سے کافی خنکی ہوگئی تھی...... وہ دری پر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے...... لیٹے لیٹے بھی وہ آپس میں باتیں کرنے لگے...... اچانک شاہد علی نے کہا۔

"کیا تم ایک آواز سن رہے ہو؟"۔

شیر خان بات کرتے کرتے خاموش ہوگیا...... اس نے کان لگا دیئے...... باہر سے

سمندر کی لہروں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی...... اس آواز کے ساتھ ایک اور آواز ؛ آ رہی تھی...... شیر خان بولا۔

"یہ تو سپیرے کے بین کی آواز ہے"۔

"ہاں" مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"میں یہی آواز تمہیں سنانا چاہتا تھا"۔

"اس وقت باہر کون بین بجا رہا ہے؟ میرا خیال ہے کوئی سپیرا ہو گا" شیر خا نے کہا۔

مجاہد شاہد علی اٹھ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"کسی سپیرے کا ہماری پناہ گاہ کے آس پاس آنا ہمارے لئے خطرے کا باع ہو سکتا ہے...... میرے ساتھ آؤ...... باہر چل کر دیکھتے ہیں"۔

وہ دونوں اٹھ کر غار سے باہر آ گئے...... وہ چٹانوں کے درمیانی راستے سے گزر لگے...... یہاں اندھیرا تھا...... چاندنی کی کرنیں ترچھی ہو کر چٹانوں کے اوپر پڑ ر تھیں...... چٹانوں کے باہر آ کر وہ محتاط ہو گئے اور رک کر یہ دیکھنے لگے کہ بین کی آو کس طرف سے آ رہی ہے...... مجاہد شاہد علی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بین کی آواز ان چٹانوں کے پیچھے سے آ رہی ہے...... میں آگے آگے چا ہوں...... تم میرے پیچھے پیچھے آؤ، جہاں میں اشارہ کروں وہاں رُک جانا"۔

مجاہد شاہد علی ان چٹانوں کی طرف چلنے لگا جہاں سے سپیرے کے بین بجانے ک آواز آ رہی تھی...... ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور سمندر کی لہریں دُور دُور سے آ کر چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں...... مجاہد شاہد علی سیدھا جانے کی بجا پہلو کی طرف سے ہو کر چٹانوں کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

کمانڈو شیر خان اس سے چند قدم پیچھے چلا آ رہا تھا...... جیسے جیسے وہ آگے بڑ رہے تھے بین کی آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی تھی۔

آخر وہ اس چٹان کے پاس آ گئے جس کی دوسری جانب سے کسی سپیرے کے بین بجانے کی آواز اب بڑی صاف سنائی دے رہی تھی...... مجاہد شاہد علی چٹان کی اوٹ میں ہو گیا جہاں اندھیرا تھا...... اس نے ہاتھ سے پیچھے اشارہ کیا...... شیر خان دوڑ کر اس کے پاس آ گیا...... دونوں مجاہد چٹان کی پتھریلی دیوار کے پاس بیٹھ گئے۔

مجاہد شاہد علی نے سب سے پہلے گردن آگے کر کے دیکھا...... اسے سامنے ایک عجیب منظر نظر آیا...... اس نے شیر خان کو اشارہ کیا...... شیر خان نے بھی آگے ہو کر چٹان کی دوسری طرف دیکھا۔

چٹان کی دوسری طرف ایک جگہ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان سمندر کے پانی نے ایک تالاب بنا دیا ہوا تھا...... چاندنی پوری طرح سے کھلی ہوئی تھی اور ایک ایک شۓ صاف دکھائی دے رہی تھی...... انہوں نے دیکھا کہ تالاب کے کنارے پتھر کی ایک بہت بڑی سل پر ایک عورت بیٹھی بین بجا رہی ہے اور اس کے سامنے ایک کوبرا سانپ پھن کھولے بین کی دھن پر ناچ رہا ہے...... عورت نوجوان تھی...... اس نے اپنے جسم کے گرد گیروے رنگ کی ساڑھی اس طرح سے لپیٹ رکھی تھی کہ اس کے جسم کا اوپر کا حصہ کئی جگہوں سے نظر آ رہا تھا...... وہ دونوں ہاتھوں سے والہانہ انداز میں بین بجا رہی تھی اور سانپ بھی بے خود سا ہو کر بین کی لے پر رقص کر رہا تھا...... سانپ کبھی ناچتے ناچتے عورت کے بالکل قریب آ جاتا اور پھن اوپر اٹھا کر اسے تکنے لگتا...... کبھی وہ ناچتے ناچتے عورت کے گرد دائرے کی شکل میں چکر لگاتا اور سامنے آ کر اسی طرح رقص کرنے لگتا...... شاہد علی نے شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"شیر خان! کیا اس عورت کو پہچانتے ہو؟ میں نے اسے پہچان لیا ہے"۔

شیر خان نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"لگتا ہے اسے کہیں دیکھا ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"غور سے دیکھو...... یہ ناگ مندر کی ناگ داسی اُرملا ہے"۔

اب شیر خان نے اس عورت کو غور سے دیکھا تو اس نے بھی پہچان لیا...... عورت واقعی ناگ داسی اُرملا تھی...... شیر خان نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"۔

شاہد علی نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"ناگ داسیوں کی عجیب عجیب رسمیں ہوتی ہیں، شاید یہ کوئی رسم ادا کر رہی ہے...... یہ جب یہاں سے واپس جائے گی تو ہم اس کا پیچھا کریں گے...... اگر یہ اپنے خفیہ گھر کی طرف گئی تو ہمیں اس کے گھر کا سراغ مل جائے گا"۔

شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ حیران تھا اور خوش بھی تھا کہ قدرت نے اپنے آپ ان کے لئے ایک موقع پیدا کر دیا ہے۔

ناگ داسی نے اچانک بین بجانی بند کر دی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی...... اس نے کوبرا سانپ کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور سل کے بالکل درمیان میں رکھ دیا...... کوبرا سانپ کو جیسے پہلے سے پتہ تھا کہ اسے کیا کرنا ہے...... وہ سل کے وسط میں کنڈلی مار کر پھن اٹھائے بیٹھ گیا...... اب ناگ داسی نے ایک عجیب حرکت کی...... ایسی حرکت کہ جس کی وجہ سے شیر خان اور شاہد علی نے ایک بار تو شرم کے مارے آنکھیں نیچی کر لیں، مگر وہ دونوں خوب جانتے تھے کہ ان مندروں کی ناگ داسیاں اور دیو داسیاں اس قسم کی رسمیں عام ادا کرتی رہتی ہیں اور ان کی بعض رسمیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں اپنا سارا لباس اتار دینا پڑتا ہے...... ناگ داسی نے بھی یہی کیا تھا...... اس نے جسم کو جس ساڑھی سے لپیٹ رکھا تھا وہ اتار کر ایک طرف رکھ دی اور اسی بے حیائی کے عالم میں کوبرا سانپ کے اِرد گرد رقص کے انداز میں چکر لگانے لگی...... پورے چاند کی چاندنی میں ناگ داسی کا عریاں جسم لہراتے ہوئے شعلے کی طرح لگ رہا تھا...... دائرے میں رقص کرتے کرتے ناگ داسی کسی وقت جھک کر اپنا منہ کوبرا سانپ کے بالکل

قریب لے آتی...... سانپ پھنکار مارتا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ جاتی اور اسی طرح دائرے میں رقص شروع کر دیتی۔

دس پندرہ منٹ تک وہ اسی طرح کوبرا سانپ کے گرد دائرے میں رقص کرتی رہی...... پھر اس نے جھک کر سانپ کو اٹھا کر اپنے گلے میں ڈال لیا اور اسے گلے میں لٹکائے ہوئے دوبارہ رقص شروع کر دیا...... سانپ ناگ داسی کے جسم پر رینگتے ہوئے کبھی ایک طرف چلا جاتا...... کبھی دوسری طرف چلا جاتا...... بے حیائی کا یہ رقص بھی چھ سات منٹ تک جاری رہا...... مجاہد شاہد علی اور کمانڈو شیر خان کبھی دیکھ لیتے تھے اور کبھی آنکھیں نیچی کر لیتے تھے...... آخر یہ رقص بھی ختم ہو گیا...... ناگ داسی نے کوبرا سانپ کا منہ اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور دیر تک لگائے رکھا...... ایسے لگ رہا تھا جیسے کوبرا سانپ اور ناگ داسی دونوں ایک دوسرے کے اندر کا زہر پی رہے ہیں......

ناگ داسی نے ایک دم کوبرا ناگ کا منہ اپنے ہونٹوں سے الگ کر لیا اور اسے پتھر کی سل پر بٹھا کر اپنی ساڑھی کو جسم کے گرد لپیٹنے لگی...... اس کے بعد ناگ داسی نے سانپ کو اپنی گردن میں ہار کی طرح ڈالا اور ایک طرف کو چل پڑی۔

شیر خان اور شاہد علی چٹان کی اوٹ میں سے اسے دیکھ رہے تھے...... چاندنی میں ناگ داسی بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی...... وہ پتھروں کے درمیان چلتی اس چھوٹی سی پگڈنڈی پر چلنے لگی جو اس چٹان کے قریب سے گزرتی تھی جہاں دونوں کمانڈو چھپ کر اسے دیکھ رہے تھے...... مجاہد شاہد نے کہا۔

"شیر خان! یہ تو سیدھی ہماری طرف آ رہی ہے"۔

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"ہم ذرا پیچھے ہٹ جاتے ہیں...... اگر ہم یہاں سے اس وقت باہر نکلے تو وہ ہمیں دیکھ لے گی اور ہم اس کا تعاقب نہ کر سکیں گے"۔

دونوں مجاہد جلدی سے چٹان کی آڑ لے کر اور پیچھے ہٹ گئے...... اب وہ ایسی جگہ

چھپ کر کھڑے ہوگئے جہاں سے وہ تو ناگ داسی کو گزرتے دیکھ سکتے تھے مگر وہ انہیں نہیں دیکھ سکتی تھی...... ناگ داسی بڑے آرام سے چلی آ رہی تھی...... وہ کچھ گنگنا بھی رہی تھی...... شاید کوئی اشلوک پڑھ رہی تھی...... وہ بالکل قریب آ گئی...... جب وہ دونوں مجاہدوں کے قریب سے گزری تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی گردن میں جو سانپ لپٹا ہوا تھا اس کا رنگ گلابی تھا...... یہ وہی سانپ تھا جو پچھلی رات جب وہ ناگ دیوتا کی مورتی کے آگے ڈانس کر رہی تھی تو اس کے ساتھ ہی ناچ رہا تھا...... جب ناگ داسی چٹان کے قریب سے گزر کر کچھ دُور چلی گئی تو شیر خان اور شاہد علی چٹان کی آڑ میں سے نکل آئے...... مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"تم نے ایک چیز ضرور نوٹ کی ہو گی کہ ناگ داسی کے گلے میں لپٹا ہوا سانپ وہی تھا جس کے ساتھ وہ کل رات ناگ بھون میں ڈانس کر رہی تھی"۔

شیر خان بولا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... میں نے بھی یہ بات نوٹ کی ہے...... یہ وہی گلابی سانپ تھا، اب ہمیں اس کا تعاقب شروع کر دینا چاہئے"۔

اور وہ دونوں کچھ فاصلہ ڈال کر ناگ داسی کے پیچھے چل پڑے...... دونوں ناگ سادھوؤں کے بھیس میں تھے...... ان پر کوئی شک بھی نہیں کر سکتا تھا...... مجورا مندروں کا شہر تھا اور وہاں دن کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی سادھو سنیاسی لوگ اِدھر اُدھر چلتے پھرتے اور خاص طور پر سمندر کے کنارے اکثر نظر آ جاتے تھے...... وہ صرف اتنی احتیاط برت رہے تھے کہ اگر ناگ داسی پیچھے مڑ کر دیکھے تو وہ اسے نظر نہ آئیں...... چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی...... ناگ داسی چٹانوں والے علاقے سے نکل کر اس طرف چلنے لگی جدھر تاڑ اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے...... دونوں مجاہد کمانڈو کافی فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کر رہے تھے...... جب ناگ داسی درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئی تو انہیں تعاقب کرنے میں آسانی ہو گئی...... انہیں درختوں کی آڑ مل گئی تھی۔

شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"یہ کس طرف جا رہی ہے؟"۔

شاہد علی آہستہ سے بولا۔

"میرا خیال ہے جہاں یہ رہتی ہے اسی طرف جا رہی ہے"۔

ایک درخت کے پاس گھاس پھونس کا چھوٹا سا جھونپڑا تھا...... ناگ داسی وہاں آ کر رُک گئی...... اس نے اپنی گردن کے گرد لپٹے ہوئے گلابی رنگ کے سانپ کو اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور جھونپڑے میں داخل ہو گئی...... شیر خان اور شاہد علی کچھ فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر دیکھ رہے تھے...... چند لمحوں کے بعد ناگ داسی جھونپڑے سے باہر نکلی تو اس کے پاس سانپ نہیں تھا...... سانپ نہ اس کی گردن میں لپٹا ہوا تھا اور نہ اس کے ہاتھ میں تھا...... شاہد علی نے شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"اس نے سانپ جھونپڑے میں کسی پٹاری میں بند کر دیا ہے"۔

ناگ داسی اب درختوں کی مخالف سمت کو جا رہی تھی...... کچھ دور چلنے کے بعد وہ درختوں میں گھری ہوئی ایک چار دیواری کے پاس آ کر رُک گئی...... دیوار میں ایک دروازہ تھا جو بند تھا...... ناگ داسی نے رُک کر ایک لمحے کے لئے اپنے ارد گرد دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر اس کے اندر چلی گئی...... دروازہ اس نے اندر جاتے ہی بند کر دیا۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اگر یہ عورت کچھ دیر کے بعد باہر نہ نکلی تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ اسی جگہ رہتی ہے"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں ذرا آگے چل کر اس جگہ کا جائزہ لینا چاہئے"۔

وہ درخت کی آڑ سے نکلے اور چار دیواری کے قریب آ کر دائیں طرف گھوم

گئے...... چار دیواری کے اندر ایک کوارٹر ساد کھائی دے رہا تھا...... دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی...... وہ دیوار کے اوپر سے اندر جھانکے...... چار دیواری کے درمیان میں ایک کمرہ ہوا تھا جس کی چھت ناریل کے پتوں کی بنی ہوئی تھی اور دیواریں پتھر کی تھیں...... صحن میں ایک جانب ایک گائے بندھی ہوئی تھی...... ایک درخت کے نیچے تخت پوش پڑا تھا...... کونے میں بھی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا...... شاید یہ غسل خانہ یا باورچی خانہ تھا...... ناگ داسی صحن میں نہیں تھی...... شاید وہ کمرے میں داخل ہو گئی تھی...... اتنے میں کمرے کے روشن دان اور کھڑکی میں اچانک بجلی کی روشنی ہو گئی...... کسی نے اندر جاکر بجلی کا بلب روشن کر دیا تھا...... یہ ناگ داسی ہی ہو سکتی تھی...... کھڑکی پر پردہ گرا ہوا تھا...... شیر خان نے شاہد کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میرا خیال ہے ناگ داسی یہیں رہتی ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"پھر بھی میرا خیال ہے ہمیں کچھ دیر رک کر انتظار کر لینا چاہئے"۔

اور وہ چار دیواری کے دروازے سے ہٹ کر درختوں کے نیچے آکر بیٹھ گئے۔

❁ ❁ ❁

وہ دس پندرہ منٹ وہاں بیٹھے رہے۔

دروازہ اسی طرح بند رہا...... کوئی باہر نہ نکلا...... وہ اٹھ کر کوارٹر کی دیوار کے قریب آئے...... انہوں نے دیوار کے اوپر سے اندر نگاہ ڈالی...... کوارٹر کے کمرے کی بتی بجھ چکی تھی...... شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"یقین کرنا ہی پڑے گا کہ ناگ داسی اسی جگہ رہتی ہے اور ہمارا دشمن ڈاکٹر پلائی اسے ملنے رات کو اسی جگہ آتا ہو گا"۔

وہ دونوں وہاں سے واپس چل پڑے...... شیر خان بولا۔

"اپنی طرف سے مندر کے ہیڈ پجاری نے ناگ داسی کے اس مکان کو خفیہ رکھا ہوا ہے...... یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ جب سائنس دان ڈاکٹر پلائی ناگ داسی سے رات کو ملنے آئے تو کسی کو خبر نہ ہو"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا...... بات جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بھارت کے دفاعی ایٹمی تحقیقاتی ادارے کا یہ ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر تھانو پلائی حکومت کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے...... جو کام ڈاکٹر پلائی کر رہا ہے یہ کوئی دوسرا بھارتی سائنس دان نہیں کر سکتا، چنانچہ بھارتی حکومت کو اس کے تمام ناز نخرے اٹھانے پڑ رہے ہیں...... یہ حکومت کو بھی معلوم ہے کہ ڈاکٹر پلائی رنگین مزاج آدمی ہے اور یہ ناگ داسی پر فریفتہ ہے اور اس سے ملنے جاتا ہے...... ڈاکٹر پلائی سے چونکہ بھارتی حکومت کے

انتہائی قیمتی مقاصد وابستہ ہیں اس لئے وہ چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اسے کھل کھیلنے کا موقع بہم پہنچاتی ہے...... مندر کے ہیڈ پجاری سے مل کر صرف اتنا خیال حکومت ضرور رکھتی ہے کہ ڈاکٹر پلائی کی ناگ داسی سے ملاقات کو جتنا خفیہ رکھا جاسکتا ہے خفیہ رکھا جائے، کیونکہ یہ شخص حکومت کے ایک ذمہ دار ادارے کا سربراہ بھی ہے“۔

شیر خان کہنے لگا۔

”اگر یہ بات طے ہے کہ ہمارا دشمن ڈاکٹر پلائی اسی مکان میں رات کو آکر ناگ داسی سے ملاقات کرتا ہے تو قدرتی طور پر یہ جگہ ہمارے کمانڈو ایکشن کا ٹارگٹ ہوگی اور ہمیں دن کے وقت آکر اس کا مشاہدہ کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ جب ڈاکٹر پلائی مکان کے اندر ہوگا تو ہمیں کمانڈو ایکشن کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس آدمی کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ بھی اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ چار دیواری کے ارد گرد درختوں میں چھپے ہوں گے...... ہمیں ان کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ ہم ان کی نگاہ میں نہ آجائیں“۔

”ٹھیک ہے“ مجاہد شاہد علی بولا۔

”ہم دن میں کسی وقت یہاں آکر ماحول کا پوری طرح سے جائزہ لیں گے“۔

شیر خان نے کسی قدر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ڈاکٹر پلائی کس رات کو ناگ داسی کے پاس آتا ہے...... اس کا کھوج لگائے بغیر تو ہم کوئی قدم آگے نہیں بڑھا سکتے“۔

شاہد علی نے کہا۔

”اس مسئلے کا حل تو یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک ہر رات یہاں آکر معلوم کرے کہ ہمارا دشمن ناگ داسی سے ملنے آیا ہوا ہے یا نہیں“۔

شیر خان بولا۔

”یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اس وقت ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے کوارٹر میں ہی ہے“۔

ظاہر ہے اس کے باڈی گارڈ بھی چھپے ہوئے ہوں گے...... وہ ہمیں رات کو دکھائی نہیں دیں گے“۔

”یہ تو ہے“ شاہد علی نے کہا۔

”پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے“۔

شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ابھی تو ہمیں اپنے ٹھکانے پر جاکر سو جانا چاہئے...... اس بارے میں کل تازہ دم ہو کر سوچیں گے“۔

وہ باتیں کرتے جب اس جھونپڑے کے قریب سے گزرے جہاں ناگ داسی نے گلابی رنگ کے سانپ کو چھپایا تھا تو شاہد علی رُک گیا، کہنے لگا۔

”ذرا اس جھونپڑے میں آؤ...... دیکھتے ہیں اس عورت نے سانپ کہاں چھپایا ہے“۔

”اس کی کیا ضرورت ہے؟“ شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی بولا۔

”تم آؤ تو سہی“۔

اور وہ دونوں جھونپڑے میں داخل ہوگئے...... باہر چاندنی کھلی ہوئی تھی...... اس کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہیں جھونپڑے کے کونے میں ایک مٹی کا مٹکا پڑا ہوا نظر آیا......

شاہد علی یہ کہہ کر مٹکے کی طرف بڑھا۔

”میرا خیال ہے سانپ اس مٹکے میں ہے“۔

”دھیان سے مٹکے کو ہاتھ لگانا...... مجھے یہ سانپ بڑا زہریلا لگتا ہے“ شیر خان نے شاہد علی کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔

شاہد علی نے کہا۔

”مجھے سانپ پکڑنے کا گر آتا ہے...... ویسے میں اسے پکڑوں گا نہیں“۔

وہ مٹکے کے قریب آ گئے...... مٹکے کا منہ کپڑے سے بند کیا ہوا تھا...... شاہد علی نے مٹکے کے منہ پر بندھے ہوئے کپڑے پر ہاتھ مارا...... مٹکے کے اندر سے سانپ کی پھنکار سنائی دی...... شاہد علی بولا۔

"سانپ مٹکے کے اندر موجود ہے"۔

اس کے بعد وہ جھونپڑے سے نکلے اور چٹانوں کی تنگ راہ داریوں میں سے گزر کر اپنی غار والی خفیہ پناہ گاہ میں آ گئے...... تھوڑی دیر آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے پھر سو گئے۔

دوسرے روز انہوں نے ناگ سادھوؤں والا لباس پہنا...... شاہد علی مجاہد نے ہاتھ میں بین پکڑلی اور تاڑ ناریل کے ان درختوں کی طرف چل پڑے جہاں ناگ داسی اُرملا کا گھر تھا...... دن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ مکان پتھر کی چار دیواری میں گھرا ہوا تھا...... اس کے اِرد گرد درخت بہت تھے جو انہیں اچھی آڑ مہیا کر سکتے تھے...... وہ آہستہ آہستہ چلتے مکان کے پیچھے آ گئے...... بظاہر وہ سادھو سنیاسیوں کی طرح درختوں اور جھاڑیوں کو دیکھتے بھالتے جا رہے تھے جیسے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ہوں لیکن ان کی تیز نظریں ماحول کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں، کیونکہ اگر ناگ داسی کی رہائش گاہ وہی تھی تو پھر کمانڈو ایکشن اسی جگہ ہونے والا تھا جس کے واسطے ضروری تھا کہ اس جگہ کا اچھی طرح سے مشاہدہ کیا جائے...... مکان کی چار دیواری کے پچھواڑے بیس پچیس قدموں کے فاصلے پر ایک کھائی تھی جس میں پانی تو نہیں تھا...... لیکن جھاڑ جھنکاڑ بہت اُگی ہوئی تھی...... دونوں مجاہد کھائی کے کنارے بیٹھ گئے...... انہوں نے دیکھا کہ کھائی آگے سمندری چٹانوں کی طرف چلی گئی تھی...... اس کھائی کو انہوں نے اپنے ذہن میں رکھ لیا اور وہاں سے سیدھا ناگ مندر میں آ کر مندر کے صحن میں ایک چبوترے کے پاس بیٹھ گئے...... پوجا کرنے والی عورتیں اور مرد چلے آ رہے تھے...... ایک عورت ان کے آگے لڈوؤں کا ڈونا اور ایک مرد ان کے آگے دہی سے بھرا

مٹی کا پیالہ رکھ گیا...... مجاہد شاہد علی نے ہنس کر کہا۔

"شیر خان! لگتا ہے آج کا ناشتہ تو آ گیا ہے"۔

انہوں نے دہی اور لڈوؤں سے ناشتہ کیا اور اٹھ کر مندر کے اندر آ گئے...... مندر میں صبح ہی سے رونق شروع ہو گئی تھی...... ناگ دیوتا کے استھان کی جانب آرتی اتاری جا رہی تھی اور بھجن کیرتن ہو رہا تھا...... مندر کے بڑے پجاریوں کو چھوڑ کر ایک دو پجاری تھے جو مندر کے چھوٹے موٹے کام کرتے تھے...... وہ سیوادار قسم کے لوگ تھے...... ان میں بوڑھے بھی تھے اور نوجوان بھی تھے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی ایک جگہ ستونوں کے پاس بیٹھ گئے...... ان دونوں مجاہدوں کے رنگ ذرا گورے گورے تھے...... وہاں جتنے لوگ تھے ان سب کے رنگ کالے...... سانولے اور گہرے سانولے تھے...... گورے رنگ کا ان میں کوئی نہیں تھا...... دونوں مجاہد اپنی شکل اور رنگ رُوپ سے ہی لگتے تھے کہ یہ شمالی بھارت کے ناگ سادھو ہیں اور جنوب کی تامل زبان نہیں جانتے ہوں گے...... ستونوں کے پاس بیٹھے وہ باتیں بھی اُردو ہندی میں کر رہے تھے۔

ان کے قریب ہی دو کالے رنگ کے دُبلے پتلے نوجوان سیوادار تامل پجاری بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے...... وہ تامل زبان میں بول رہے اور مندر کے لنگر سے ملنے والی ناقص غذا کی شکایت کر رہے تھے...... شیر خان اور شاہد علی دونوں تامل زبان سمجھتے تھے، مگر ان کی توجہ ان دونوں پجاریوں کی طرف نہیں تھی...... وہ ہندی ملی ہوئی اردو میں جنوب کے موسم وغیرہ کی بات کر رہے تھے...... اچانک ان دونوں تامل پجاریوں میں سے ایک پجاری نے کہا۔

"میں تو ناگ داسی اُرملا جی پر عاشق ہو گیا ہوں"۔

دونوں مجاہدوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور زیر لب ہنس پڑے کہ یہ بھی ناگ داسی کے تیر نظر کا شکار ہیں...... دوسرے سیوادار پجاری نے تامل زبان میں

ہی کہا۔

"ارے تو کسی دوسری ناگ داسی سے جی لگالے...... اُرملا ناگ داسی تیرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے"۔

پہلا پجاری بولا۔

"کیوں؟ مجھ میں کس چیز کی کمی ہے"۔

دوسرے پجاری نے کہا۔

"تجھ میں کمی یہ ہے کہ تو آندھیرا پردیش کا ڈاکٹر پلائی نہیں ہے"۔

یہ سن کر شیر خان اور شاہد علی کے کان کھڑے ہو گئے...... پہلا پجاری بولا۔

"ہاں کرشن جی! یہ بات تو ہے...... یہ ڈاکٹر پلائی سالا ہماری اُرملا جی پر مرمٹا ہے۔ جس رات آتا ہے اس رات اُرملا جی مندر میں ناگ نرت بھی نہیں کرتیں"۔

دوسرا پجاری ہنس کر بولا۔

"سنا ہے وہ آج رات تمہاری اُرملا ناگ داسی سے ملاقات کرنے آرہا ہے...... آج کی رات بھی اُرملا کی نرت نہ دیکھ سکو گے"۔

پہلے پجاری نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟ اس یم دوت ڈاکٹر پلائی کے آنے کی تو یہاں کسی کو خبر نہیں ہوتی"۔

دوسرے پجاری نے کہا۔

"ارے ایسی باتیں چھپی نہیں رہ سکتیں...... لوگوں میں کھسر پھسر تو ہوتی ہی رہتی ہے...... یہ الگ بات ہے ڈر کے مارے کوئی بات نہیں کرتا...... اسی لئے پجاری جی نے اُرملا کو الگ مکان دے رکھا ہے"۔

اس کے بعد دونوں وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔

جس چیز کی دونوں مجاہدوں کو تلاش تھی وہ انہیں مل گئی تھی، شیر خان کہنے لگا۔

"شاہد علی بھائی! لگتا ہے قدرت ہمارے ساتھ ہے اور ہماری مدد کر رہی ہے، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہم اتفاق سے یہاں آکر بیٹھیں اور ہمیں پتہ چل جائے کہ ناگ داسی کس رات ڈاکٹر پلائی سے ملنے والی ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"اور ان تامل پجاریوں کی باتوں سے یہ بھی تصدیق ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر پلائی ناگ داسی اُرملا سے اسی ناریل کے درختوں والے مکان میں رات کو ملنے آئے گا...... تم نے سنا نہیں...... تامل پجاری کہہ رہا تھا کہ بڑے پجاری نے اسی لئے ناگ داسی کو الگ مکان دے رکھا ہے...... وہ الگ مکان وہی ہو سکتا ہے جہاں رات کو ہم نے اسے جاتے دیکھا تھا۔

شیر خان نے کہا۔

"یقیناً وہی مکان ہے...... یہ بڑی اچھی بات ہوئی ہے...... ہمیں ابھی سے رات کے کمانڈو ایکشن کی منصوبہ بندی شروع کر دینی چاہئے...... اس سلسلے میں اُرملا کے مکان کے پچھواڑے والی کھائی ہمارے لئے بڑی مددگار ثابت ہوگی...... ہم اس میں سے گزر کر ٹارگٹ پر آئیں گے"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"یہ ساری منصوبہ بندی اپنے مجورا کے باس رشید احمد صاحب کے خفیہ ٹھکانے پر ہوگی...... آجاؤ، وہیں چلتے ہیں"۔

دونوں اٹھے اور مندر سے نکل آئے۔

"اسی ناگ سادھوؤں والے حلیے میں وہ مجورا شہر کی طرف چل پڑے...... یہ حلیہ ان کے لئے اس لئے بھی موزوں تھا کہ وہ کسی خفیہ والے کی نظروں میں نہیں آسکتے تھے...... ناگ سادھو مجورا شہر میں چلتے پھرتے عام نظر آتے تھے۔ مجورا شہر کے باہروں کے ٹھکانے پر اتفاق سے رشید احمد اور مجورا حلقے کا ماسٹر سپائی قطب الدین وہاں

پر موجود تھے...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے انہیں سارے واقعات بیان کیے اور ان سے کمانڈو ایکشن کے بارے میں مشورہ طلب کیا...... سپائی ماسٹر قطب الدین کہنے لگا۔

"یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ ڈاکٹر پلائی آج رات ہی ناگ داسی کے پاس آئے گا...... اس صورت میں آپ کو ناگ داسی کے مکان کے آس پاس کے علاقے کی رات کے وقت نگرانی کرنی ہوگی، لیکن اپنی تیاری آپ لوگوں کو کر رکھنی ہوگی تاکہ اگر رات کے وقت ڈاکٹر پلائی وہاں آجائے تو آپ اپنے منصوبے پر عمل کر سکیں"۔

رشید احمد نے قطب الدین کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر آج رات ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے پاس آجاتا ہے تو اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کتنے دنوں کے بعد وہاں آئے" مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"ہم نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے...... ہم اپنی تیاری اور ایکشن پلان پوری طرح سے تیار رکھیں گے اور ناگ داسی کے مکان کی چھپ کر نگرانی کریں گے...... اگر وہ آجاتا ہے تو ہم دس منٹ کے اندر اندر اپنے ایکشن پلان پر عمل درآمد شروع کر سکتے ہیں"۔

ماسٹر سپائی قطب الدین نے کہا۔

"آپ کو کمانڈو ایکشن کے واسطے جن جن ضروری چیزوں کی ضرورت ہے ہمیں بتادیں، ہم آپ کو مہیا کر دیں گے...... اس کی بالکل فکر نہ کریں...... اگر آپ اپنے ساتھ کچھ مجاہد لے جانا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس ایسے تربیت یافتہ کمانڈو موجود ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس مشن کے لئے ہم دو ہی کافی ہیں...... کسی تیسرے آدمی کی ضرورت نہیں پڑے گی، کیونکہ یہ ڈاکٹر پلائی کے سکیورٹی گارڈز کے دستے پر کھلا حملہ نہیں ہوگا

ہمیں چھپ کر شب خون مارنا ہوگا اور سکیورٹی گارڈز کی نظروں میں آئے بغیر پاکستان دشمن ڈاکٹر پلائی کو ہلاک کرنا ہوگا...... باقی دو تین چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے، وہ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں"۔

کمانڈو شیر خان نے مجاہد رشید احمد اور ماسٹر سپائی قطب الدین کو اپنی ضرورت کی چیزیں بتائیں جو اس نے اسی وقت نوٹ بک پر لکھ لیں اور کہا۔

"یہ چیزیں آپ کو کس وقت درکار ہیں؟"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"شام ہونے سے پہلے پہلے یہ ہمارے خفیہ غار میں پہنچ جانی چاہئیں"۔

"پہنچ جائیں گی انشاءاللہ! آپ بے فکر رہیں"۔

مجاہد قطب الدین نے جواب دیا...... اس کے بعد دوپہر تک شیر خان اور شاہد علی وہیں پر رہے...... دوپہر کے بعد وہ اپنے خفیہ غار میں واپس آگئے...... ابھی کافی دن باقی تھا...... دونوں نے آپس میں مشورہ کیا اور دس منٹ غار میں ٹھہرنے کے بعد ناگ داسی اُرملا کے خفیہ مکان کی طرف روانہ ہوگئے...... شاہد علی نے سپیروں کی بین ہاتھ میں لے لی تھی...... شیر خان کے ہاتھ میں ایک پرانا تھیلا تھا...... ناگ داسی اُرملا کے مکان کے قریب آکر شاہد علی نے یونہی بین بجانی شروع کر دی اور شیر خاں جھاڑیوں کو چھڑی سے اِدھر اُدھر ہٹانے لگا...... وہ یہ ظاہر کر رہے تھے کہ کسی خاص قسم کے سانپ کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں...... حقیقت میں وہ بڑی تیز نگاہوں سے ناگ داسی کے مکان کی چار دیواری کا جائزہ لے رہے تھے۔

مکان کی پچھلی دیوار سے تھوڑے فاصلے پر جہاں نیچے کھائی کی ڈھلان شروع ہوتی تھی، جھاڑی کے پاس بیٹھ گئے...... وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں تھے اور سامنے سے انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا...... کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"مکان کی عقبی دیوار کے ساتھ لگا ہوا پائپ تم بھی دیکھ رہے ہو گے"۔

"ہاں...... دیکھ رہا ہوں" شاہد علی نے جواب دیا۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم اس کے ذریعے چھت پر سے مکان کے صحن میں اتریں گے"۔

اس کے بعد وہ اٹھ کر مکان کی مغربی دیوار کے پاس درختوں کے نیچے آکر بیٹھ گئے...... وہاں اس وقت نزدیک اور دُور کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا، شاہد علی کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ مکان میں اس وقت کوئی نہیں ہے...... اِرد گرد بھی کوئی آدمی نہیں...... کیا خیال ہے...... ہم مکان کے صحن میں کود کر اس کمرے کا جائزہ نہ لیں جہاں ہمیں شب خون مارنا ہو گا"۔

شیر خان نے ایک لمحے کے لئے سوچا...... پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے ناگ داسی مکان کے اندر ہی ہو"۔

ابھی یہ فقرہ شیر خان کی زبان پر ہی تھا کہ مکان کے دروازے میں سے ناگ داسی بانس کی چھوٹی سی ٹوکری ہاتھ میں لئے باہر نکل آئی...... دونوں کمانڈو وہیں سمٹ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئے...... انہوں نے ناگ داسی اُرملا کو دن کی روشنی میں پہچان لیا تھا۔

"یہ کدھر جا رہی ہے؟" شیر خان نے سرگوشی کی، شاہد علی نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"اس کا رخ سانپ والی جھونپڑی کی طرف ہے"۔

"ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے" شیر خان بولا۔

جب ناگ داسی ان سے ذرا دور ہو گئی تو دونوں درختوں کے نیچے سے نکلے اور ناگ داسی کو نگاہ میں رکھ کر اس کے پیچھے چلنے لگے...... ناگ داسی سانپ والی جھونپڑی کی طرف ہی جا رہی تھی...... سانپ والی جھونپڑی اس کے مکان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی...... وہ جھونپڑی کے پاس آکر رُک گئی...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا......

دونوں کمانڈو جلدی سے نیچے جھاڑیوں میں بیٹھ گئے۔

ناگ داسی نے انہیں نہیں دیکھا تھا...... وہ جھونپڑی میں داخل ہو گئی...... دونوں کمانڈو وہیں بیٹھے رہے۔

"یہ کیا کرنے اندر گئی ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی بولا۔

"ہو سکتا ہے اپنے گلابی سانپ کی دیکھ بھال کرنے گئی ہو"۔

دو تین منٹ کے بعد ناگ داسی جھونپڑی سے نکل آئی...... اس کی گردن کے ساتھ گلابی سانپ لپٹا ہوا تھا...... گلابی سانپ نے اپنا پھن ناگ داسی کے کندھے سے اوپر اٹھا رکھا تھا...... اسے آتا دیکھ کر شیر خان اور شاہد علی سرکتے ہوئے دوسری طرف جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے...... ناگ داسی جس راستے سے گئی تھی اسی راستے سے واپس آئی اپنے مکان میں چلی گئی۔

دونوں کمانڈو جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھے مکان کے دروازے کی طرف دیکھنے لگے جسے ناگ داسی بند کر گئی تھی۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا؟" مجاہد شاہد علی نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"اس وقت مکان کے اندر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... اس لئے ہمیں واپس چلے جانا چاہئے"۔

دونوں اٹھے اور عقب کی جانب جو گہری کھائی تھی اس میں اتر گئے...... یہ کھائی آگے جا کر سمندری چٹانوں کی طرف نکل گئی تھی...... وہ کھائی کے اندر چلتے ایک جگہ کھائی سے باہر نکل آئے...... تھوڑی دیر بعد وہ اپنی خفیہ غار میں بیٹھے اپنے مشن کے بارے میں باتیں کر رہے تھے...... شیر خان کہہ رہا تھا۔

"ہمیں ہر رات یہاں سے نکل کر ناگ داسی کے مکان کا جائزہ لینا ہو گا...... اگر

آج رات واقعی ڈاکٹر پلائی آیا ہو گا تو ہمیں اس کا سراغ مل جائے گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"سکیورٹی گارڈز کے آدمی ادھر ادھر درختوں، جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہوں گے...... وہ ہمیں نظر نہیں آئیں گے...... بہتر یہی ہو گا کہ ہم میں سے کوئی ایک ہر روز رات ہوتے ہی ناگ داسی کے مکان کے قریب کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جائے، جس وقت ڈاکٹر پلائی اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ بند گاڑی میں وہاں آئے تو وہ غار میں آکر خبر کر دے"۔

"ٹھیک ہے" شیر خان بولا۔

"آج کی رات میں پہرہ دوں گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر پلائی اگر آیا تو وہ آدھی رات سے پہلے ہی آئے گا"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"لیکن میں رات کے پچھلے پہر تک نگرانی کروں گا...... اس کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے"۔

چنانچہ یہ فیصلہ ہو گیا کہ اس رات کمانڈو شیر خان ناگ داسی کے مکان کی نگرانی کرے گا...... شام ہو گئی...... اندھیرا ہوتے ہی ان کا ایک مجاہد وہ چیزیں لے کر آ گیا جس کی دونوں کمانڈوز کو ضرورت تھی...... رضا کار مجاہد نے تھیلا ان کے سامنے رکھ کر کھول دیا اور کہا۔

"قطب الدین نے کہا ہے کہ اگر کسی اور شے کی بھی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دیں"۔

شیر خان اور شاہد علی نے تھیلے میں سے ساری چیزیں نکال کر دیکھیں اور کہا۔

"نہیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے"۔

رضا کار مجاہد ان کے لئے تازہ پکا ہوا کھانا بھی لایا تھا...... کھانا وہاں رکھ کر وہ

اجازت لے کر چلا گیا...... دونوں مجاہد ان چیزوں کا جائزہ لینے لگے جو قطب الدین ماسٹر جانی نے بھیجیں تھیں...... ان میں دو سٹین گنیں اور ان کے فالتو میگزین تھے...... ہر ایک سٹین گن کی نالی پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا تا کہ فائرنگ کے دھماکوں کی زیادہ آواز پیدا نہ ہو...... اس کے علاوہ کچھ دستی بم تھے...... دو سائی لینسر والے نئے پستول تھے...... نائیلون کا مضبوط رسی کا گچھا تھا جس کے سرے پر لوہے کی ہک لگی ہوئی تھی...... انہوں نے سارے سامان کی اچھی طرح سے چیکنگ کی اور اسے تھیلے میں ڈال کر کونے میں رکھ دیا۔

اس کے بعد انہوں نے وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا اور غار کے باہر آکر پتھروں پر بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے...... پھر شاہد علی نے کہا۔

"تمہیں دو گھنٹے بعد نگرانی کی ڈیوٹی پر جانا ہے...... میرا خیال ہے تم اتنی دیر آرام کر لو"۔

شیر خان نے جواب دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں اس قسم کی سختیوں کا عادی ہوں"۔

جب رات کے دس بج گئے تو شیر خان اسی ناگ سادھو کے حلیے میں رات کی ڈیوٹی دینے ناگ داسی کے مکان کی طرف چل پڑا...... صرف ایک سائی لینسر لگا پستول اس نے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا...... ٹارگٹ پر جا کر وہ ناگ داسی کے مکان کے سامنے کی جانب کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا...... چاند نکلا ہوا تھا اور چاروں طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی...... شیر خان تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کچی سڑک کی طرف دیکھ لیتا تھا جو آگے جا کر ناگ مندر کی طرف مڑ جاتی تھی...... اس کے خیال میں اگر سائنس دان ڈاکٹر پلائی آیا تو اس کی بند گاڑی اسی راستے سے گزر کر ناگ داسی کے مکان پر آئے گی۔

شیر خان نے کلائی پر گھڑی باندھی ہوئی تھی...... رات گزرتی جا رہی تھی...... چاند آسمان کے وسط میں آکر آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا...... آدھی رات گزر گئی...... پھر

رات کا ایک بج گیا..... وہاں کوئی نہ آیا..... ناگ داسی کے مکان کی چار دیواری کے اندر جو روشنی ہو رہی تھی وہ بھی بجھ گئی..... ہر طرف خاموشی تھی..... جب رات کے ڈھائی بج گئے اور ڈاکٹر پلائی کی گاڑی نہ آئی تو شیر خان اُٹھ کر واپس چل پڑا..... غار میں آیا تو مجاہد شاہد علی سو رہا تھا..... شیر خان بھی خاموشی سے سو گیا..... اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب شاہد علی اسے جگا رہا تھا..... معلوم ہوا کہ دن کا ایک بج چکا ہے۔

بیدار ہونے کے بعد شیر خان نے بتایا کہ وہ رات کے ڈھائی بجے تک جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا رہا تھا، مگر ڈاکٹر پلائی نہیں آیا تھا..... مجاہد شاہد علی نے کہا۔

''آج رات میں ڈیوٹی دوں گا''۔

اسی طرح باری باری ڈیوٹی دیتے انہیں چار دن گزر گئے..... پانچویں رات کو شیر خان کی ڈیوٹی تھی..... وہ حسب معمول ناگ داسی کے مکان سے کچھ دُور جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا تھا کہ اس کے کان میں کسی گاڑی کے انجن کی دھیمی آواز سنائی دی..... وہ اسی لمحے چوکنا ہو گیا اور اس نے اپنی نظریں کچی سڑک پر جما دیں..... اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے اور چاند کچی سڑک والے درختوں کے پیچھے جا چکا تھا..... کچی سڑک پر اس کی مدھم چاندنی درختوں سے چھن چھن کر پڑ رہی تھی..... گاڑی کے انجن کی آواز تھوڑی دیر کے بعد رُک گئی..... اس کے بعد کوئی آواز نہ آئی..... شیر خان گھور کر دُور کچی سڑک کو دیکھ رہا تھا..... معلوم ہوتا تھا کہ گاڑی سڑک پر آگے آنے کی بجائے پیچھے ہی کسی جگہ رُک گئی تھی..... اس کے بعد خاموشی چھا گئی..... تھوڑی دیر بعد شیر خان نے دیکھا کہ مدھم چاندنی میں کچھ انسانی سائے کچی سڑک کی دونوں جانب دوڑتے ہوئے آئے اور پھر درختوں کے اندھیرے میں گم ہو گئے..... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ ڈاکٹر پلائی کے حفاظتی دستے کے کمانڈوز ہیں اور اس کے تحفظ کے لئے اِرد گرد کے درختوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے ہیں..... یہ کمانڈو اس طرف بھی آ سکتے تھے، جہاں شیر خان چھپا ہوا تھا..... یہ سوچ کر شیر خاں جلدی سے اٹھ کر پیچھے چلا گیا۔

وہ اپنی پہلی پوزیشن سے پندرہ قدم پیچھے آ کر کھائی کے کنارے ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے وہ ناگ داسی کے مکان کو دیکھ سکتا تھا..... وہ یہ یقین کرنے ے بعد وہاں سے واپس جا کر شاہد علی کو بتانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے مکان ہں داخل ہو گیا ہے..... اس دوران وہ جہاں تک ہو سکتا تھا سکیورٹی گارڈ کمانڈو کے ارے میں بھی یہ معلوم کر لینا چاہتا تھا کہ انہوں نے کس کس جگہ پوزیشنیں سنبھالی وئی ہیں، مگر مدھم چاندنی اور درختوں، جھاڑیوں کی بھرمار میں یہ سراغ لگانا مشکل ا..... شیر خان کی نظریں ناگ داسی کے مکان کے دروازے اور اس کے آگے کچی ڑک پر لگی ہوئی تھیں..... وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر پلائی کے باڈی گارڈ پہنچ گئے ہیں اور ب وہ بھی تھوڑی دیر میں آنے والا ہے۔

جہاں کمانڈو شیر خان چھپا ہوا تھا وہاں آگے ایک فٹ اونچی گھاس اور جھاڑیاں یں..... ان کے اوپر پھیکی چاندنی میں درختوں نے اندھیرا کر رکھا تھا..... کمانڈو شیر ن کی عقابی نگاہیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں..... اچانک اسے کچھ فاصلے پر تین سانی سائے ایک طرف سے نکل کر دوسری طرف جدھر ناریل کے درخت تھے دوڑ جاتے نظر آئے..... وہ سمجھ گیا کہ ڈاکٹر پلائی کے سیکورٹی گارڈ پوزیشنیں سنبھال ے ہیں..... اس کا مطلب تھا کہ سیکورٹی گارڈ کے کمانڈوز نے ناگ داسی کے مکان کو روں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور مکان کے سامنے کی طرف خاص رپر ان لوگوں نے مورچے سنبھال لئے تھے۔

اتنے میں کچی سڑک پر کچھ اور انسانی سائے نظر آئے..... یہ تیز تیز ناگ داسی ے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے..... چاندنی بہت پھیکی تھی..... یہ غروب ہوتے ند کی روشنی تھی جو درختوں کے پیچھے سے کچی سڑک پر پڑ رہی تھی..... یہ انسانی ائے ناگ داسی کے مکان کے قریب آنے کے بعد رُک گئے..... ان میں سے ایک یہ مکان کے دروازے کی طرف بڑھا..... کمانڈو شیر خان نے اسے بڑے غور سے

دیکھا...... یہ درمیانے قد کا آدمی تھا...... ایک باڈی گارڈ مکان کے دروازے تک اس کے ساتھ آیا...... جب درمیانے قد کا آدمی دروازے کے اندر چلا گیا تو باڈی گارڈ سایہ دوڑ کر مکان کے بالکل سامنے درختوں میں غائب ہو گیا...... ان لوگوں نے ناگ داسی کے مکان کے چاروں طرف اپنا جال پھیلا دیا تھا...... اس جال سے بچ کر نکلنا اور ناگ داسی کے مکان تک پہنچنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی...... شیر خان خاموشی سے اٹھا اور نیچے کھائی میں اتر گیا...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ پاکستان کا دشمن ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے مکان میں جا چکا ہے اور اب وہ پو پھٹنے سے پہلے باہر نہیں آئے گا...... وہ تیز تیز قدموں سے کھائی میں سے گزر رہا تھا...... آخر وہ اپنی خفیہ غار میں پہنچ گیا۔

مجاہد شاہد علی جاگ رہا تھا۔

کمانڈو شیر خان کو دیکھتے ہی بولا۔

"ضرور ہمارا شکار پنجرے میں داخل ہو چکا ہے"۔

شیر خان بولا۔

"شکار تو پنجرے کے اندر موجود ہے، لیکن پنجرے کے باہر ایک ایک درخت اور جھاڑی کے پیچھے ایک ایک سیکورٹی گارڈ پوزیشن لئے بیٹھا ہے"۔

اور پھر شیر خان نے اسے ساری بات بیان کر دی...... مجاہد شاہد علی نے تھیلے میں سے ایک سٹین گن نکال کر شیر خان کی طرف اچھالی...... ایک سٹین گن اپنے کندھے سے لٹکائی...... تین دستی بم شیر خان کو دیئے...... تین دستی بم لمبے کرتے میں ڈالے اور بولا۔

"شیر خان! مزا اسی میں ہے کہ دشمن کے مورچے میں گھس کر اس کو نیست و نابود کیا جائے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"لیکن شاہد علی! ہمیں سارا کام خاموشی اور خفیہ طریقے سے کرنا ہے...... دشمن کا

کوئی ایک مورچہ نہیں ہے...... اس کے مورچے ٹارگٹ کے چاروں طرف ہیں...... ہماری طرف سے ایک فائر بھی غلط جگہ پر ہو گیا تو ہم دشمن کا مقابلہ تو ضرور کریں گے مگر ہمارا مشن فیل ہو جائے گا اور ڈاکٹر پلائی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا جو ہمارا اصل دشمن ہے"۔

مجاہد شاہد علی جذباتی ہو رہا تھا...... اس کے جذبات شیر خان کے نزدیک انتہائی قابل قدر تھے، مگر یہاں صورت حال دوسری تھی...... یہاں شیر کی طرح سامنے سے آ کر حملہ کرنے والی بات نہیں تھی، بلکہ یہاں چیتے کی طرح درخت کی شاخ پر سے نیچے دشمن پر چھلانگ لگا کر اسے اس طرح دبوچ لینا تھا کہ اس کی آواز بھی نہ نکل سکے...... شیر خان نے مجاہد شاہد علی کو صورت حال کی نزاکت اور تقاضے سے آگاہ کیا تو وہ بولا۔

"میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کروں گا"۔

انہوں نے ایک ایک کمانڈو چاقو بھی لے لیا تھا...... وہ خاموشی سے غار میں سے نکلے اور چٹانوں کی تاریک راہداری میں سے ہوتے ہوئے آگے جا کر اس کھائی میں اتر گئے جو ناگ داسی کے مکان کے عقب سے ہوتی ہوئی آگے نکل جاتی تھی...... جب انہیں غروب ہوتی پھیکی چاندنی میں ناگ داسی کے مکان کی چار دیواری نظر آئی تو وہ ڈھلان چڑھ کر کھائی سے باہر آ کر وہیں بیٹھ گئے۔

ناگ داسی کے مکان کی عقبی دیوار ان سے زیادہ دور نہیں تھی...... وہ وہیں دبک کر بیٹھے ماحول کا عقابی نظروں سے جائزہ لیتے رہے...... اتنے میں چاند مغربی افق میں غروب ہو گیا...... اس کے ساتھ ہی رات کی تاریکی گہری ہو گئی، لیکن اس تاریکی میں بھی دونوں مجاہدوں کی نگاہیں کافی کچھ دیکھ سکتی تھیں...... کچھ دیر تک وہ مکان کی دیوار کو تکتے رہے...... پھر شیر خان نے شاہد علی کو ہاتھ سے اشارہ کیا...... مجاہد شاہد علی نے وہیں دیوار کی طرف رخ کر کے سٹین گن سیدھی کر کے پوزیشن لے لی اور شیر خان آہستہ آہستہ جھک کر مکان کی دیوار کی طرف بڑھا...... وہ نائیلون کی رسی اس لئے اپنے

ساتھ نہیں لائے تھے کہ اتنے سارے سیکورٹی گارڈز کے گھیرے میں کمند چھت پر پھینکنے سے اس کے آہنی ہک کی آواز پیدا ہو سکتی تھی اور سیکورٹی والوں کو خبردار کر سکتی تھی، چنانچہ انہوں نے دیوار کے ساتھ چمٹے ہوئے پائپ کے ذریعے ہی اوپر چڑھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دیوار کے قریب آکر شیر خان پائپ کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ اسے انسانی قدموں کی دھمک سنائی دی...... وہ وہیں نیچے ہو گیا...... یہ ایک نہیں دو آدمی تھے...... ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں اور وہ دیوار کی طرف آ رہے تھے...... دیوار کے پاس آکر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے...... پھر ایک سیکورٹی گارڈ دیوار کے ایک کونے کی طرف اور دوسرا دیوار کے دوسرے کونے کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا...... صورت حال تبدیل ہو گئی تھی...... شیر خان ایک فٹ اونچی گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان سمٹ کر بیٹھا دونوں کو غور سے دیکھ رہا تھا...... دونوں سیکورٹی گارڈ جم کر جیسے پہرے پر کھڑے ہو گئے تھے، خطرہ تھا کہ یہ شیر خان کو دیکھ لیں گے...... شیر خان کا ان سے فاصلہ زیادہ نہیں تھا......ان کی موجودگی میں دیوار کی طرف بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... شیر خان نے فیصلہ کیا کہ پیچھے جاکر ان دونوں کے یہاں سے ہٹ جانے کا انتظار کیا جائے۔

چنانچہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے گھاس میں پیٹ کے بل آہستہ سے لیٹ گیا اور کھائی کی طرف جہاں مجاہد شاہد علی پوزیشن لئے بیٹھا تھا رینگنے لگا...... رات کے وقت شبنم کے گرنے سے گھاس اور جھاڑیاں گیلی ہو رہی تھیں جس کی وجہ سے گھاس میں رینگنے سے سرسراہٹ کی آواز نہیں آ رہی تھی...... شیر خان آہستہ آہستہ رینگتا ہوا شاہد علی کے پاس آ گیا اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور شاہد علی کو اور پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا...... وہ کھائی کے کنارے پر آ گئے...... شاہد علی نے سرگوشی میں کہا۔

"سیکورٹی گارڈ کے دو آدمی دیوار کی نگرانی کر رہے ہیں...... میں نے دیکھ لیا تھا"۔

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"ہمیں انتظار کرنا ہوگا...... نیچے کھائی میں آ جاؤ"۔

وہ ڈھلان اتر کر نیچے کھائی میں آکر ایک طرف جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ گئے...... مجاہد شاہد علی نے بے چینی سے کہا۔

"یہاں ہم کب تک بیٹھے رہیں گے؟"۔

شیر خان بولا۔

"جب تک دونوں گارڈ دیوار کے قریب سے ہٹ نہیں جاتے، ہمیں یہیں بیٹھ کر انتظار کرنا ہوگا"۔

شیر خان محسوس کر رہا تھا کہ مجاہد شاہد علی دھاوا بولنے کے لئے بے قرار ہو رہا ہے، مگر یہ مقام صبر کرنے اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مناسب وقت تک انتظار کرنے کا تھا...... کچھ دیر کے بعد شیر خان اٹھ کر کھائی کے اوپر گیا اور اس نے دیکھا کہ دونوں گارڈ اپنی جگہ پر کھڑے تھے...... وہ نیچے آ گیا...... دوسری بار شاہد علی حالات کا جائزہ لینے اوپر گیا...... وہ بھی نیچے آ گیا اور بولا۔

"یہ لوگ تو یہاں سے نہیں ہلیں گے...... تو کیا ہم یہ موقع ہاتھ سے نکل جانے دیں گے؟"۔

شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"شاہد علی! مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان کے وہاں سے چلے جانے کا انتظار کریں"۔

"اور اگر وہ نہ گئے تو؟" شاہد علی نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر ہمیں اگلے کسی موقع کا انتظار کرنا ہوگا اور کوئی اور حکمت عملی مرتب کرنی ہوگی"۔

مجاہد شاہد علی نے کوئی جواب نہ دیا، مگر شیر خاں اندھیرے میں بھی دیکھ رہا تھا کہ شاہد علی پیچ و تاب کھا رہا ہے...... دس پندرہ منٹ کے بعد وہ دونوں کھائی میں سے نکل کر اوپر آگئے...... انہوں نے دیکھا کہ سیکورٹی گارڈ اپنی پوزیشنوں پر نہیں تھے...... شیر خان ذرا توقف کر کے یقین کر لینا چاہتا تھا کہ دونوں گارڈ وہاں سے دُور جا چکے ہیں لیکن مجاہد شاہد علی سے صبر نہیں ہو رہا تھا...... مجھے کور دو"۔

اس سے پہلے کہ شیر خان اسے پکڑ کر روکتا شاہد علی پیٹ کے بل دونوں کہنیوں کے بل رینگتا تیزی سے دیوار کی طرف نکل گیا تھا...... شیر خان نے مشین گن کا رخ دیوار کی طرف کر کے سٹین گن سیدھی کر لی...... اس کے دل میں برابر خطرہ لگا ہوا تھا کہ مجاہد شاہد علی کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھے...... شیر خان نے محسوس کر لیا تھا کہ اس قسم کے کمانڈو ایکشن میں جن مضبوط اعصاب اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے اس کا مجاہد شاہد علی کو تجربہ نہیں تھا...... وہ دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ مجاہد شاہد علی کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے...... آخر وہی ہوا جس کا شیر خان کو ڈر تھا...... ہوا یوں کہ ایک سیکورٹی گارڈ گشت لگاتا ایک بار پھر ناگ داسی کے مکان کی عقبی دیوار کے قریب نمودار ہو گیا...... شاید اسے کچھ شک پڑ گیا تھا...... وہ رُک گیا اور اس نے سٹین گن سیدھی کر کے جھک کر سامنے والی جھاڑیوں میں دیکھا، اسی جگہ مجاہد شاہد علی چھپا ہوا تھا...... خدا جانے شاہد علی کو کیا سوجھی یا اس کو ایسے لگا کہ سیکورٹی گارڈ اس پر فائر کرنے والا ہے کہ اس نے سیکورٹی گارڈ پر فائر کھول دیا...... گارڈ پورا برسٹ کھا کر گر پڑا، لیکن اس کے ساتھ ہی مکان کی دوسری طرف اور درختوں کے پیچھے سے فائرنگ شروع ہو گئی...... مجاہد شاہد علی برسٹ فائر کرتا اٹھ کر پیچھے ہٹنے لگا...... شیر خان اب اس کے سوائے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ شاہد علی کو کور دے...... اس نے بھی شاہد علی کے سر کے اوپر سے مکان اور درختوں کی طرف فائرنگ شروع کر دی اور چلا کر شاہد علی سے کہا۔

"پیچھے کی طرف دوڑو"۔

مجاہد شاہد علی پیچھے کی طرف دوڑ پڑا...... شیر خان اس کے اوپر سے فائر کر رہا تھا...... اب دونوں درختوں کی آڑ لیتے اور اندھا دھند فائر کرتے پیچھے کھائی کی طرف ہٹتے جا رہے تھے...... ناگ داسی کے مکان کے باہر اور آس پاس جتنے سیکورٹی گارڈ تھے انہوں نے گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا تھا...... شیر خان اور مجاہد شاہد کی سٹین گنوں سے فائرنگ کرتے وقت رات کی تاریکی میں جو شرارے چمک کر نکل رہے تھے سیکورٹی گارڈ فائرنگ کرتے اسی طرف آگے بڑھ رہے تھے...... وہ اتنے قریب آگئے کہ شیر خان کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب یا تو وہ دونوں مر جائیں گے اور یا پکڑے جائیں گے...... اس نے فوراً جیب میں سے دستی بم نکال کر اس کا پن ہٹایا اور اپنی طرف بڑھتے ہوئے سیکورٹی گارڈز کی طرف پھینک دیا...... مجاہد شاہد علی نے بھی ایسا ہی کیا۔

یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے اور ان دھماکوں کی روشنی میں انہوں نے سیکورٹی گارڈ کے جسموں کو فضا میں اچھلتے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا...... اس کے فوراً بعد انہوں نے کھائی میں چھلانگیں لگا دیں اور کھائی کے اندر دوڑنا شروع کر دیا...... اب وہ فائرنگ نہیں کر رہے تھے...... کھائی کے باہر سے فائرنگ کی مسلسل آوازیں آرہی تھیں...... دونوں مجاہد کھائی کے اندر بھاگتے جا رہے تھے...... یہ راستہ ان کا دیکھا بھالا تھا...... دوڑتے دوڑتے وہ بائیں جانب کو کھائی کے ساتھ ہی مڑ گئے...... دو ڈھائی سو گز آگے جا کر وہ ایک خاص جگہ سے کھائی کی ڈھلان چڑھ کر باہر سمندری چٹانوں کے پاس نکل آئے...... شیر خان نے کہا۔

"دوڑتے چلو"۔

دوڑتے دوڑتے وہ چٹانوں کے درمیان جو تنگ راستہ تھا وہاں پہنچ گئے...... وہاں اندھیرا تھا...... اب وہ دوڑنے کی بجائے تیز تیز چل رہے تھے...... اپنے خفیہ غار میں آکر شیر خان نے غار کا دہانہ جھاڑیوں کو آگے لگا کر ڈھانپ دیا اور موم بتی روشن کر دی......

سا نے کہا۔

"یہاں جو باقی کا اسلحہ پڑا ہے وہ بھی سمیٹ کر ایک چادر میں لپیٹ دو...... ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے...... وہ لوگ ہماری تلاش میں اس طرف آ سکتے ہیں"۔

مجاہد شاہد علی کو احساس ہو گیا تھا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے...... اس نے شیر خان کے آگے معذرت کا اظہار کیا تو شیر خان بولا۔

"ایسا کبھی کبھی ہو جاتا ہے...... کوئی بات نہیں...... ہم دوسری بار اس سے بہتر حکمت عملی تیار کریں گے"۔

دونوں نے مل کر غار کی کوٹھڑی میں چھپایا ہوا اسلحہ یعنی پستول، فالتو میگزین، کمانڈو چاقو، دستی بم اور اپنی سٹین گنیں ایک بڑی چادر میں لپیٹ کر اس کی گٹھڑی بنائی...... شیر خان نے گٹھڑی کندھے پر ڈالی اور شاہد علی کو لے کر غار کے دہانے سے باہر آ گیا...... فائرنگ کی آواز اب نہیں آ رہی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"لگتا ہے وہ ہماری تلاش میں نکل پڑے ہیں اور ان چٹانوں کی طرف وہ ضرور آئیں گے...... ہمیں سمندر کی طرف نکل جانا چاہئے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"سمندر کا ساحل کھلا ہے...... وہاں چھپنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملے گی...... میرے خیال میں ہمیں یہ اسلحہ کسی جگہ چھپا کر ناگ مندر میں چلے جانا چاہئے...... ہم ناگ سادھوؤں کے لباس میں ہیں...... وہاں ہم پر کسی کو شک نہیں پڑے گا"۔

شیر خان کو شاہد علی کا مشورہ پسند آیا...... وہ تیز تیز چلتے غار والی چٹانوں کے ٹیلے سے باہر نکل کر دوسری طرف والی چٹانوں کے درمیان آ گئے...... یہاں انہیں ایک گڑھا نظر آ گیا...... انہوں نے اسلحے والی گٹھڑی اس گڑھے میں ڈال کر اوپر ریت وغیرہ ڈال کر گڑھے کو بھر دیا...... نشانی کے طور پر اس کی ایک جانب پتھر کی ایک سل رکھ دی اور اس پر بھی تھوڑی سی ریت ڈال دی...... اس کام سے فارغ ہونے کے بعد شاہد علی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں اس طرف سے ناگ مندر کی جانب چلنا چاہئے"۔

مجاہد شاہد علی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مجورا شہر کے اس علاقے سے پوری طرح واقف تھا...... وہ ایک دلدلی میدان سے گزرے...... پھر ریتلا میدان آ گیا...... اس کے بعد ناریل کے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... اس کے بعد انہیں دُور سے ناگ مندر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

ناگ مندر میں کافی رونق تھی...... آرتی اتاری جا رہی تھی...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد سنکھ اور گھنٹیاں بج اٹھتی تھیں...... ناگ دیوتا کی پوجا کرنے والے اس وقت بھی مندر میں موجود تھے...... ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے اپنی کوئی منت مانی ہوئی تھی اور صرف رات کو پوجا کے لئے آتے تھے...... ناگ سادھو سنیاسی بھی مندر کے باہر آگ کے الاؤ روشن کئے بیٹھے تھے...... کمانڈو شیر خاں اور مجاہد شاہد بھی ان کے درمیان ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔

دوسری طرف سیکورٹی گارڈ کے کمانڈر نے پہلا کام یہ کیا کہ ڈاکٹر پلائی کو فوراً بکتر بند گاڑی میں سوار کروا کر اس کو مجورا کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ کر دیا اور خود چار آدمیوں کو لے کر حملہ آوروں کی تلاش میں سمندری چٹانوں کی طرف آ گیا...... یہ ان کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ اور ان کی بہت ذلت آمیز شکست تھی کہ کشمیری مجاہد ڈاکٹر پلائی کو ہلاک کرنے کے لئے بھارت کے جنوبی شہر مجورا میں بھی پہنچ گئے تھے...... وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کام کشمیری مجاہدوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا...... مجورا پولیس کا ایس پی اور ڈی ایس پی بھی پولیس کی گارد لے کر موقع واردات پر پہنچ گیا تھا...... اس کمانڈو ایکشن کے بعد اگرچہ ڈاکٹر پلائی کی جان بچ گئی تھی لیکن پولیس افسروں اور سیکورٹی گارڈ کے سارے عملے کی نوکری خطرے میں پڑ گئی تھی، کیونکہ سائنس دان ڈاکٹر پلائی بھارتی حکومت کے لئے انتہائی اہم اور قیمتی سائنس دان تھا...... شیر خان ٹھیک وقت پر شاہد علی کو لے کر خفیہ غار سے نکل آیا تھا...... سیکورٹی گارڈ کا

کمانڈر ایک ریٹائرڈ سی آئی ڈی آفیسر تھا...... وہ ساحل سمندر کی چٹانوں میں سے ہوتا ہوا اس غار میں آ گیا جہاں سے کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کچھ دیر پہلے فرار ہو چکے تھے۔

وہاں سیکورٹی گارڈ کے کمانڈر نے پانی کا مٹکا...... کھانے پینے کے برتن...... پرانے کمبل وغیرہ دیکھے تو فوراً سمجھ گیا کہ مجاہدین کا یہی خفیہ ٹھکانہ تھا...... اس نے وائرلیس پر علاقے کی پولیس کو خبردار کر دیا اور حکم دیا کہ اس سارے علاقے کا محاصرہ کر کے ایک ایک جگہ کی تلاشی لی جائے...... اس سارے علاقے میں ناگ مندر بھی آتا تھا......

شیر خان محتاط ضرور تھا لیکن اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ راتوں رات سیکورٹی گارڈ کا عملہ ان کا کھوج لگاتے ناگ مندر میں بھی پہنچ جائے گا...... دونوں مجاہد ناگ مندر کے دروازے سے کچھ دُور صحن میں آگ کے الاؤ سے ذرا ہٹ کر بیٹھے تھے...... دوسرے ناگ سادھو بھی الاؤ کے پاس بیٹھے تھے اور بھجن کیرتن وغیرہ کر رہے تھے...... اچانک ناگ مندر کے دروازے سے ہٹ کر ایک جگہ ایک گاڑی آ کر کھڑی ہو گئی...... شیر خان نے گاڑی کو دیکھا تو اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی...... جب اس نے گاڑی میں سے کچھ وردی پوش آدمیوں کو نکل کر ناگ مندر کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس نے مجاہد شاہد علی سے کہا۔

"شاہد! وہ لوگ ہماری تلاش میں آ گئے ہیں...... یہاں سے نکل چلو...... جلدی"۔

مجاہد شاہد علی نے بھی ان وردی پوش فوجی ٹائپ کے آدمیوں کو گاڑی سے اتر کر مندر کے دروازے کی طرف آتے دیکھ لیا تھا...... وہ دونوں خاموشی سے اٹھ کر پیچھے کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑے...... مندر کے بڑے ہال کمرے تک وہ بڑے آرام سے چلتے رہے تاکہ کسی کو شک نہ پڑے...... اس کے بعد وہ تیز قدموں سے ہال کمرے میں سے نکل کر مندر کی دوسری جانب صحن میں آ گئے...... یہاں بھی مندر کا ایک عقبی دروازہ تھا جس کا شاید سیکورٹی گارڈ کو علم نہیں تھا ورنہ وہ ادھر بھی اپنے کچھ آدمی ضرور بھیج دیتے۔

کافی رات گزر چکی تھی...... مندر کے عقبی دروازے پر بھی روشنیاں ہو رہی تھیں...... شیر خان اور شاہد علی مندر کے دروازے سے نکلتے ہی کچھ فاصلے پر دکھائی دیتی آبادی کی جھلملاتی روشنیوں کی طرف چل پڑے...... مجاہد شاہد علی اس راستے سے واقف تھا...... وہ مندر سے کافی دُور نکل آئے...... شیر خان نے پوچھا۔

"ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں کیا؟"۔

"بالکل ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں" شاہد علی نے جواب دیا۔

ایک نیم تاریک ویران میدان میں سے گزرتے ہوئے وہ مجورا شہر کے گنجان آبادی والے علاقے میں داخل ہو گئے...... کچھ دیر تک وہ اس علاقے کے خالی خالی بازاروں اور گلیوں میں چلتے چلے گئے...... آبادی کی دوسری جانب نیم پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا...... بس انہی پہاڑی ٹیلوں میں ایک جگہ مجورا کے رضاکار مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ تھا جس کی تفصیل ہم یہاں بیان نہیں کریں گے۔

بہرحال دونوں کمانڈو رضاکاروں کی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ گئے...... رشید احمد اس وقت وہاں نہیں تھا...... مجاہد اور ماسٹر سپائی قطب الدین موجود تھا...... شیر خان نے اسے سارا واقعہ بیان کیا...... وہ بولا۔

"آپ لوگ اس وقت آرام کریں...... صبح بات کریں گے"۔

شیر خان اور شاہد علی نے رات کا باقی حصہ سوتے جاگتے گزار دیا...... صبح رشید احمد بھی آ گیا...... مشن کی ناکامی پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں...... قطب الدین کہنے لگا۔

"اس حادثے کے بعد ڈاکٹر پلائی کا ناگ داسی کے مکان پر آنا مشکوک ہو گیا ہے...... میرا خیال ہے کہ حکومت کا متعلقہ محکمہ اسے اب وہاں جانے کی اجازت نہیں دے گا"۔

رشید احمد نے پوچھا۔

"تو پھر تمہارے خیال میں اب ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے"۔

قطب الدین بولا۔

"سب سے پہلے ہم یہ معلوم کریں گے کہ ڈاکٹر پلائی مجورا کے ریسرچ سنٹر میں ہی ہے یا اسے کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے، کیونکہ بھارتی حکومت مجورا میں مجاہد کمانڈوز کی موجودگی سے چوکس اور محتاط ہو گئی ہو گی اور وہ ڈاکٹر پلائی کی زندگی کے بارے میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے گی...... مجاہدین کی بھارتی حکومت پر بہت دہشت ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"ہم اپنا سارا اسلحہ اور ہتھیار سمندری چٹانوں میں ایک جگہ زمین میں دفن کر آئے ہیں...... وہ ہمیں واپس لے آنا چاہئے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"کیا یہ جگہ جہاں تم لوگوں نے اسلحہ دبایا ہے خفیہ غار کے قریب ہی ہے؟"۔

"وہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے" مجاہد شاہد علی نے جواب دیا۔

رشید احمد بولا۔

"پھر ہم میں سے کسی کو ابھی اس طرف نہیں جانا چاہئے...... اسلحہ اور ہتھیار ہمارے پاس بہت ہیں...... تم لوگوں کو ابھی یہاں سے باہر نہیں جانا چاہئے"۔

اس کے بعد رشید احمد نے ماسٹر سپائی قطب الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"قطب الدین! تم ایسا کرو کہ میزائل فیکٹری میں اپنا جو خاص آدمی ملازم ہے اس کو ابھی پیغام بھجوا دو کہ وہ معلوم کرے کہ ڈاکٹر پلائی ابھی تک میزائل فیکٹری میں ہی ہے یا اسے یہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"یہ آج شام تک معلوم ہو جائے گا...... میں اپنے آدمی کو ابھی پیغام بھجوا رہا ہوں وہ ابھی فیکٹری نہیں گیا ہوا ہو گا"۔

قطب الدین نے اسی وقت ایک مجاہد کو اپنے خاص آدمی کی طرف روانہ کر دیا...... شیر خان اور مجاہد شاہد علی خفیہ پناہ گاہ میں ہی چھپے رہے...... رشید احمد حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکل گئے...... دن گزر گیا...... شام ہوئی تو رشید احمد بھی آ گیا...... اس نے بتایا کہ سارے شہر میں پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے...... ریلوے سٹیشن اور ایئرپورٹ پر سیکورٹی سخت کر دی گئی ہے۔

"ڈاکٹر پلائی کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟" رشید احمد نے پوچھا۔

قطب الدین نے کہا۔

"اپنے آدمی کو پیغام پہنچا دیا تھا، وہ آج رات کسی وقت آ کر صورت حال سے آگاہ کرے گا"۔

رات کا کھانا سب نے مل کر کھایا...... اس کے بعد اپنے خاص جاسوس کا انتظار شروع ہو گیا...... یہ خاص آدمی یا خاص جاسوس میزائل فیکٹری میں ایک عرصے سے ملازم تھا اور مجورا کے مجاہدوں کی تنظیم کو فیکٹری میں تیار کئے جانے والے ایٹمی اور غیر ایٹمی اسلحہ کی تیاری کے بارے میں باخبر کرتا رہتا تھا...... یہ خاص آدمی رضاکارانہ طور پر ڈیوٹی انجام دے رہا تھا...... رات کے دس بجے یہ خاص آدمی خفیہ پناہ گاہ پر پہنچ گیا...... اُدھیڑ عمر کا دُبلا پتلا آدمی تھا...... ہم اس کا نام نہیں بتائیں گے...... قطب الدین...... رشید احمد...... شیر خاں اور مجاہد شاہد علی وہاں موجود تھے...... قطب الدین نے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو کاکا؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"خبر یہ ہے کہ اس واقعے کے بعد حکومت نے ڈاکٹر پلائی کو رام پٹی کے خفیہ ریسرچ سنٹر میں منتقل کر دیا ہے"۔

"یہ رام پٹی کس جگہ پر ہے؟" رشید احمد نے پوچھا۔

قطب الدین جو اسی علاقے کا رہنے والا تھا بولا۔

"رام پٹی ایک جنگل ہے جو مجورا سے اوپر کی جانب ترچنا پلی جانے والی ریلوے لائن کی دونوں جانب واقع ہے اور یہاں سے اس کا فاصلہ پچاس کلو میٹر کے قریب ہے"۔

قطب الدین نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"یہ ریسرچ سنٹر رام پٹی جنگل میں کس جگہ پر واقع ہے...... کیا تم کبھی وہاں گئے ہو؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"فیکٹری کے بعض ضروری امور سر انجام دینے کے لئے مجھے صرف دو بار ہی وہاں جانے کا موقع ملا ہے...... ویسے حکومت نے اس ریسرچ سنٹر کو بے حد خفیہ رکھا ہوا ہے...... میری ڈیوٹی اس نوعیت کی ہے کہ مجھے وہاں بھیجنا ضروری ہو گیا تھا، چونکہ یہ خفیہ جگہ تھی اس لئے میں نے پوری تفصیل سے اس کا جائزہ لیا تھا کہ شاید کبھی ہمیں اس کی ضرورت پڑ جائے...... جیسے آج ضرورت پڑ گئی ہے"۔

اس کے بعد خاص آدمی نے کاغذ پر اس خفیہ ریسرچ سنٹر کا پورا نقشہ بنایا اور ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔

"یہ ریلوے لائن ہے...... یہاں سے اس طرف یہ نشان جو میں نے لگایا ہے یہ ایک بہت پرانا تاریخی قبرستان ہے...... یہ قبرستان شروع ہی سے ویران پڑا ہے...... یہاں نہ کوئی گورکن ہے نہ یہاں میتیں دفن کی جاتی ہیں، کیونکہ اِردگرد کوئی آبادی نہیں ہے...... قبرستان کے شمال میں قبرستان کی ٹوٹی پھوٹی دیوار ہے...... دیوار کے قریب ہی یہ جہاں میں نے گول نشان لگایا ہے یہاں برگد کا ایک گھنا درخت ہے...... اس درخت کی دوسری طرف خفیہ ریسرچ سنٹر ہے...... ریسرچ سنٹر کی پچھلی دیوار درخت سے پانچ فٹ کے فاصلے پر ہے...... درخت کی گھنی شاخیں ریسرچ سنٹر کی چھت پر لٹکتی ہیں، جس چھت پر درخت کی شاخوں کا سایہ ہے اسی چھت کے نیچے ڈاکٹر

پلائی کا کمرہ ہے...... کمرے کے آگے چھوٹا صحن ہے جہاں پودے اُگے ہوئے ہیں"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"وہاں سیکورٹی کا کیا انتظام ہے؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"چونکہ یہ سارا علاقہ شہر سے دُور ایک سنسان جنگل میں ہے اور ریسرچ سنٹر کو بھی خفیہ رکھا گیا ہے اور وہاں کسی غیر آدمی کو جانے کی اجازت بھی نہیں ہے اس لئے خصوصی طور پر ریسرچ سنٹر کے اندر سیکورٹی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی، البتہ جنگل میں داخل ہونے والے سارے راستوں پر سیکورٹی گارڈ کے دستے تعینات ہیں اور سوائے جنگلی جانوروں کے کوئی انسان سیکورٹی گارڈز کی اجازت کے بغیر جنگل میں داخل نہیں ہو سکتا...... جنگل کے اِرد گرد چھ سات جگہوں پر واچ ٹاور بنے ہوئے ہیں جہاں سے رات کو سرچ لائٹ اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اگر ایک آدمی کسی طرح جنگل میں داخل ہو جائے تو پھر وہ بلا روک ٹوک ریسرچ سنٹر تک پہنچ سکتا ہے"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"ایسی بھی بات نہیں؟ ریسرچ سنٹر کے گرد خاردار باڑھ لگی ہے...... گیٹ پر ہر وقت پہرہ لگا ہوتا ہے...... جنگل میں بھی سیکورٹی والوں کے مسلح دستے دن رات گشت کرتے رہتے ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"ڈاکٹر پلائی جس کمرے میں سوتا ہے وہاں بھی رات کو سیکورٹی گارڈز پہرے پر موجود ہوتے ہوں گے"۔

خاص آدمی بولا۔

"اس کی مجھے ابھی پوری طرح سے خبر نہیں ہے...... ایک بار پہلے بھی ڈاکٹر پلائی جب اس ریسرچ سنٹر میں کچھ دن رہا تھا تو وہ اسی کمرے میں رات کو سوتا تھا...... تب اس کے کوارٹر کے باہر سیکورٹی گارڈ موجود ہوتے تھے......ہو سکتا ہے اب بھی وہاں پہرہ لگادیا گیا ہو"۔

"اب تو پہرہ ضرور لگادیا گیا ہوگا" رشید احمد نے کہا...... "کیونکہ اب تو اس پر قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا ہے"۔

خاص آدمی بولا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو...... میں نے جو کچھ وہاں دیکھا ہے اور جو کچھ میں نے اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم کیا ہے وہ میں نے آپ کو بتادیا ہے"۔

قطب الدین نے شیر خان سے پوچھا۔

"شیر خان! کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

شیر خان نے خاص آدمی سے کہا۔

"میرے بھائی! ہمیں دو باتوں کی تصدیق شدہ رپورٹ ملنی بہت ضروری ہے...... ایک تو یہ کہ اس دفعہ بھی ڈاکٹر پلائی کو اسی برگد کے درخت والے کمرے میں رکھا گیا ہے اور دوسری یہ بات کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے باہر کتنے جوان رات کو پہرے پر ہوتے ہیں"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"یہ میں آپ کو کل پتہ کر کے بتا سکتا ہوں"۔

خاص آدمی دوسرے دن رات کو آنے کا کہہ کر چلا گیا...... قطب الدین کہنے لگا۔

"اس دشمن اسلام کو اسی جگہ قابو کیا جا سکتا ہے...... اگر یہ یہاں سے بھی نکل گیا تو پھر اس کو ہلاک کرنا دشوار ہو جائے گا"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اگر تو یہ ڈاکٹر پلائی اسی جگہ رات کو سوتا ہے جہاں اپنے آدمی نے بتایا ہے تو پھر اسے ہلاک کرنا کوئی ناممکن کام نہیں ہے...... صرف سمجھداری اور عقلمندی سے کام لینے کی ضرورت ہوگی"۔

اب انہیں اپنے خاص آدمی کا انتظار تھا، کیونکہ اس کی تصدیق شدہ رپورٹ ملنے کے بعد ہی کوئی حکمت عملی تیار کی جا سکتی تھی...... شیر خاں نے صرف اتنا پوچھا۔

"رام پٹی کے جنگل تک لے جانے کے لئے ہمیں کسی گائیڈ کی ضرورت ہوگی"۔

قطب الدین نے کہا۔

"یہ کام اپنا خاص آدمی ہی کرے گا وہ رام پٹی جنگل کے کنارے تک تم لوگوں کے ساتھ جائے گا"۔

رات کو اپنا خاص آدمی پوری رپورٹ لے کر عین وقت پر آ گیا...... اس نے بتایا کہ اس دفعہ بھی ڈاکٹر پلائی کو ریسرچ سنٹر کے برگد کے درخت والے کمرے میں ہی رکھا گیا ہے، کیونکہ اس خفیہ ریسرچ سنٹر میں اس سے زیادہ آرام دہ کمرہ اور کوئی نہیں ہے...... دوسرے یہ کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے لان میں صرف رات کو دو سیکورٹی گارڈ پہرے پر ہوتے ہیں...... یہ دو آدمی رات ایک بجے تک ڈیوٹی دیتے ہیں، اس کے بعد دوسرے دو آدمی ڈیوٹی دینے آ جاتے ہیں۔

جب مطلوبہ اطلاعات کی تصدیق ہو گئی تو اس کے بعد ڈاکٹر پلائی کو ٹھکانے لگانے کے اہم مشن پر غور و فکر شروع ہو گیا...... خاص آدمی مطلوبہ اطلاعات بہم پہنچا کر چلا گیا تھا...... خفیہ پناہ گاہ کے چھوٹے سے کمرے میں رشید احمد...... قطب الدین اور شیر خان اور شاہد علی ہی تھے...... شیر خان کہنے لگا۔

"ہمیں اس مشن پر عمل کرنے کے سلسلے میں میرے خیال میں اس پرانے

قبرستان کو بیس کیمپ کے طور پر استعمال کرنا ہوگا جس کا ذکر اپنے آدمی نے کیا ہے اور جو ریسرچ سنٹر کی عقبی دیوار سے تھوڑے فاصلے پر ہی واقع ہے"۔

رشید احمد نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے لئے تو پھر آپ لوگوں کو ایک دن پہلے وہاں جا کر قبرستان کا مشاہدہ کرنا پڑے گا"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"میرے خیال میں اس کی نہ تو کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے...... جس رات ہم اپنے مشن پر نکلیں گے اسی وقت قبرستان کا بھی جائزہ لے لیں گے"۔

قطب الدین نے شاہد علی کے خیال کی تائید کی اور کہا۔

"شاہد علی ٹھیک کہہ رہا ہے...... ہمیں اس کام کو زیادہ لٹکانا نہیں چاہئے...... کوئی پتہ نہیں کہ بھارتی حکومت ڈاکٹر پلائی کو وہاں سے بھی کسی دوسری جگہ منتقل کر دے"۔

شیر خان بولا۔

"اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ مزید تاخیر کے بغیر ہمیں اس مہم پر نکل پڑنا چاہئے...... انشاء اللہ اس بار ہم ضرور کامیاب ہوں گے چاہے ہماری اپنی جان کیوں نہ چلی جائے، لیکن اس دشمن اسلام کو ضرور جہنم رسید کریں گے"۔

وہاں ایک دم خاموشی چھا گئی، جس اسلامی جذبے میں سرشار ہو کر کمانڈو شیر خان نے یہ بات کہی تھی وہی جذبہ وہاں پر موجود تمام مجاہدوں کے سینوں میں موجزن تھا۔

وہ رات گزر گئی۔

اگلے دن صبح صبح شیر خان نے قطب الدین سے کہا کہ اپنے خاص آدمی کو بلوا کر یہ کہا جائے کہ جیسے بھی ہو وہ ہمیں آج شام سے پہلے پہلے اس کی تصدیق کر دے کہ ڈاکٹر پلائی ریسرچ سنٹر میں ہی موجود ہے اور وہ کہیں جا نہیں رہا...... یہ بہت ضروری ہے...... شیر خان نے کہا۔

"ڈاکٹر پلائی کی وہاں پر موجودگی کی تصدیق کے بعد ہی ہم آج رات اپنے مشن پر نکلیں گے"۔

قطب الدین نے اسی وقت ایک مجاہد کے ہاتھ اپنے خاص آدمی کو شیر خان کا پیغام پہنچا دیا...... آدھ گھنٹے بعد مجاہد نے آکر بتایا کہ پیغام پہنچا دیا گیا ہے اور اپنے خاص آدمی نے کہا ہے کہ وہ شام کو آکر رپورٹ دے گا...... اس کے بعد شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے مہم کی تیاریاں شروع کر دیں...... پہلے ان کا خیال تھا کہ وہ سادھوؤں کے بھیس میں ہی جائیں گے، لیکن قطب الدین اور رشید احمد سے مشورے کے بعد یہ ارادہ ترک کر دیا گیا اور یہ طے پایا اور شیر خان اور شاہد علی شکاریوں کے لباس میں جائیں گے...... شکاریوں کی وردی میں انہیں اسلحہ اور دیگر ہتھیار ساتھ رکھنے میں بھی آسانی ہو گی اور کوئی اگر پوچھے تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے مگر راستہ بھٹک کر ادھر آنکلے ہیں۔

قطب الدین نے کہا۔

"رام پٹی کے جنگل میں داخل ہوتے وقت تمہیں بے حد محتاط رہنا ہوگا...... میں تمہارے ساتھ ہوں گا، لیکن میں تمہیں جنگل کے کنارے تک ہی لے جاسکوں گا...... اس کے آگے واچ ٹاور کی سرچ لائٹوں کی گھومتی پھرتی روشنی بھی ہوگی اور گشت کرتے فوجی جوانوں کے دستے بھی ہوں گے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"ہم ان باتوں کو ذہن میں رکھیں گے"۔

"تم لوگ اپنے ساتھ کیا کیا لے جانا چاہو گے؟" رشید احمد نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں زیادہ اسلحہ اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم کھلی جنگ لڑنے نہیں جارہے...... ہمیں چھپ کر شب خون مارنا ہے اور دشمن اسلام ڈاکٹر پلائی کو ختم کرنا ہے۔

میرا خیال ہے دوسٹین گنیں، کچھ فالتو میگزین صرف ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اور تین تین دستی بم کافی ہوں گے"۔

"اور کمانڈو چاقو؟" قطب الدین نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"وہ تو ہر حالت میں ہمارے پاس رہیں گے"۔

تیسرے پہر تک تمام ضروری انتظامات کر لئے گئے...... شیر خان اور شاہد علی نے شکاریوں والی خاکی بش شرٹ اور پتلونیں اور فوجی ٹائپ کے بوٹ پہن لئے...... چمڑے کے چھوٹے تھیلوں میں شکاری یعنی کمانڈو چاقو اور فالتو میگزین رکھ لئے...... تین تین دستی بم انہوں نے اپنی بش شرٹ کی جیبوں میں رکھنے تھے...... دونوں سٹین گنوں کی نالیوں پر سائی لینسر چڑھا دیئے گئے تھے...... جب شام کا اندھیرا چھانے لگا تو ان

کا خاص آدمی رپورٹ دینے وعدے کے مطابق آگیا۔

قطب الدین نے پوچھا۔

"کیا رپورٹ لائے ہو؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"آج شام تک کی رپورٹ یہ ہے کہ ڈاکٹر پلائی ریسرچ سنٹر میں ہی ہے اور ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ اسے آج رات کہیں باہر جانا ہے...... مجھے یقین ہے کہ رات کو وہ اپنے کمرے میں ہی سوئے گا"۔

پروگرام یہ طے پایا کہ رات کے ٹھیک گیارہ بجے کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی ایک بند جیپ میں بیٹھ کر قطب الدین کے ساتھ خفیہ پناہ گاہ سے نکل پڑیں گے...... ان کی پناہ گاہ اور مجورا شہر سے رام پٹی کا جنگل تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں طے ہو جائے گا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد قطب الدین، شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے اپنی اپنی گھڑیوں پر وقت ملالیا...... رات کے ٹھیک گیارہ بجے یہ تینوں مجاہد پناہ گاہ سے نکل کر اپنے مشن پر روانہ ہوگئے...... موسم ٹھیک تھا...... تین دن پہلے بارش ہو چکی تھی...... آسمان پر ستارے نکلے ہوئے تھے...... چاند نے آدھی رات کے بعد طلوع ہونا تھا...... ان کی بند جیپ شہر سے نکلنے کے بعد اوپر ترچناپلی کی طرف جانے والی ریلوے لائن کے ساتھ کچی سڑک پر چل پڑی...... شہر کی روشنیاں آہستہ آہستہ بہت پیچھے رہ گئیں...... کچی سڑک خالی پڑی تھی...... رات کی تاریکی اور سناٹے میں بند جیپ کافی رفتار سے اپنے ٹارگٹ کی طرف دوڑتی چلی جارہی تھی۔

آدھ گھنٹے کے بعد ریلوے لائن کی دونوں جانب کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ویران علاقہ آگیا...... قطب الدین جیپ چلا رہا تھا...... کمانڈو شیر خان اس کے ساتھ بیٹھا تھا...... قطب الدین کہنے لگا۔

"رام پٹی کا جنگل اب زیادہ دُور نہیں"۔

کچھ دیر کے بعد شیر خان کو ستاروں کی دُھندلی روشنی میں دُور ایک سیاہ دیوار سی دکھائی دی...... قطب الدین نے کہا۔

"وہاں سے رام پٹی کا جنگل شروع ہو جاتا ہے"۔

قطب الدین نے جیپ کی رفتار آہستہ کر دی تھی اور وہ ریلوے لائن سے ہٹ کر ایک میدان میں سے گزر رہے تھے جہاں جھاڑیاں اور گھاس کے علاوہ کہیں کہیں ناریل اور تاڑ کے درختوں کے جھنڈ بھی نظر آ رہے تھے...... جنگل کی سیاہ دیوار قریب آ گئی تھی...... یہ دیوار نہیں تھی بلکہ جنگل کے گھنے درختوں کی قطار تھی جو نصف دائرے کی شکل میں مشرق سے مغرب کی طرف چلی گئی تھی...... جیپ کی بتیاں گل کر دی گئی تھیں اور وہ جھاڑیوں کے درمیان آہستہ آہستہ چل رہی تھی...... ایک جگہ آ کر انہیں جنگل کی ایک جانب روشنی کا گول دائرہ سا دکھائی دیا...... یہ چھوٹا گول دائرہ درختوں کے تنوں کے اوپر سے ہو کر دوسری طرف نکل گیا...... قطب الدین نے جیپ روک لی اور انجن بند کر دیا...... کہنے لگا۔

"اس سے آگے جیپ کو لے جانا خطرے کا باعث ہو سکتا ہے"۔

تینوں مجاہد جیپ سے اتر پڑے...... قطب الدین نے گول روشنی کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"یہ واچ ٹاور کی سرچ لائٹ کی روشنی ہے...... تمہیں اس روشنی سے ہر صورت میں اپنے آپ کو بچانا ہو گا...... اگر تم اس روشنی کی زد میں آ گئے تو تم پر گولیوں کی بوچھاڑیں پڑنی شروع ہو جائیں گی...... اپنا اسلحہ وغیرہ ایک بار پھر چیک کر لو...... یہاں سے آگے تمہیں اکیلے ہی جانا ہو گا"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے اپنا اسلحہ وغیرہ فوراً چیک کیا...... شیر خان نے قطب الدین سے کہا۔

"میرا خیال ہے تم اب واپس چلے جاؤ...... تمہیں ہمارا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ کچھ پتہ نہیں آگے کیا صورت حال بن جائے، جو کچھ بھی ہو گا ہم اس سے خود ہی نمٹ لیں گے...... اگر ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو خود ہی واپس آ جائیں گے...... اگر مر گئے تو ہمارا کہا سنا معاف کر دینا...... خدا حافظ!"۔

اتنا کہہ کر کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی جنگل کی طرف چل پڑے...... قطب الدین وہیں سے واپس ہو گیا...... قطب الدین نے ان دونوں کو جنگل کے اس کونے کی طرف اتارا تھا جہاں بالکل سیدھ میں جنگل کے اندر سب سے پہلے پرانا ویران قبرستان آتا تھا اور اس کے بعد وہ برگد کا درخت جس کے پانچ دس فٹ کے فاصلے پر خفیہ ریسرچ سنٹر کے اس کمرے کی عقبی دیوار واقع تھی جس میں ڈاکٹر پلائی رات کو سوتا تھا۔

ابھی دونوں کمانڈو جنگل کے کنارے والے درختوں کی قطار سے کافی فاصلے پر تھے کہ مغرب کی جانب پہاڑی ٹیلے کے پیچھے سے چاند نکل آیا...... چاند کی پھیکی پھیکی روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ انہیں دُور سے دیکھا جا سکتا...... پھر بھی دونوں ہوشیار ہو گئے، کیونکہ دُور سے اور کچھ نہیں تو ان کے ہلتے جلتے سائے ضرور نظر آ سکتے تھے اور دشمن کو خبردار کرنے کے لئے یہی کافی تھا...... وہ خاموشی سے ایک دوسرے کے پیچھے چلے جا رہے تھے...... شیر خان آگے آگے تھا...... سٹین گنیں انہوں نے کاندھوں سے لٹکا رکھی تھیں...... وہ آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے...... جنگل قریب ہوتا جا رہا تھا...... دونوں جانب سے سرچ لائٹوں کی روشنیوں کے چھوٹے دائرے دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں جانب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھوم جاتے تھے۔

شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"ہمیں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنی ہو گی کہ سرچ لائٹ کی روشنیاں کتنے وقفے کے بعد درختوں کے نیچے پڑتی ہیں"۔

شاہد علی نے چلتے چلتے کہا۔

"میں نے جو اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق ہر سرچ لائٹ کی روشنی میں پندرہ یا سولہ سیکنڈ کا وقفہ ہوتا ہے"۔

"اس کا مطلب ہے" شیر خان بولا...... "کہ ہمیں ان پندرہ یا سولہ سیکنڈوں میں ہر حالت میں جنگل کے اندر داخل ہو جانا چاہئے...... اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں گشتی دستوں سے بھی خبردار رہنا ہوگا...... قطب الدین نے کہا تھا کہ رات کے وقت فوجی سپاہیوں کی پٹرولنگ پارٹی بھی گشت لگاتی رہتی ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"اپنی طرف سے تو ہم پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے...... باقی اللہ مالک ہے"۔

دبی آواز میں باتیں کرتے وہ جنگل کے قریب آکر ایک جگہ اونچی جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ گئے اور نظریں جما کر جنگل کے کنارے والے درختوں کی اونچی سیاہ دیوار کو اور ان کے تنوں کے آگے گردش کرنے والی سرچ لائٹ کی روشنیوں کو دیکھنے لگے۔

شیر خان نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"شاہد علی! ہم اس جگہ سے جنگل میں داخل ہوں گے"۔

جس طرف شیر خان نے اشارہ کیا تھا اس جگہ ایک چھوٹا سا ٹبہ تھا...... پھیکی چاندنی میں ٹبے کا سایہ دُور تک پڑ رہا تھا...... وہ جھک کر ٹبے کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگے...... ٹبے کے سائے میں آکر وہ ٹبے کی ڈھلواں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے اور ماحول کا تیز نگاہوں سے جائزہ لینے لگے...... سرچ لائٹ کی روشنی کا دائرہ ان سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر سے گزر جاتا تھا...... ایک دائرے کے بعد دوسرا دائرہ آجاتا تھا...... روشنی کے دونوں دائروں کے درمیان بمشکل تین سیکنڈ کا وقفہ ہوتا تھا، لیکن جب ایک بار سرچ لائٹ کی روشنی بجھ جاتی تھی تو پندرہ سولہ سیکنڈ کے بعد پھر سے سرچ لائٹ روشن ہو جاتی تھی اور اس کے روشن دائرے درختوں کے آگے سے گزرنے لگتے تھے...... ان کی وجہ سے درختوں کے نیچے اور آس پاس کی تمام جھاڑیاں اور

گھاس صاف نظر آنے لگتی تھی...... اس وقت اگر کوئی خرگوش بھی وہاں سے گزرتا تو دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔

سرچ لائٹ کے واچ ٹاور ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے، لیکن انہیں بتا دیا گیا تھا کہ دونوں واچ ٹاوروں پر مشین گنوں کی پوسٹیں ہیں اور جنگل کا یہ سارا علاقہ ان کی فائرنگ کی زد میں ہے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"روشنی کے دائروں کے درمیان صرف تین سیکنڈ کا وقفہ ہوتا ہے...... ہمیں روشنی کے دائروں کے درمیان سے گزرنے کی بجائے اس وقت جنگل میں گھسنا چاہئے جب پندرہ سولہ سیکنڈ کے وقفے کے لئے سرچ لائٹ بجھی ہوتی ہے"۔

شاہد علی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"ہمیں ایسا ہی کرنا چاہئے"۔

شیر خان نے شاہد علی کو انسٹرکشن دیتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھنا...... جنگل میں گھسنے اور سرچ لائٹ کی رینج سے دُور ہوتے ہی ہم فوراً زمین پر اوندھے لیٹ جائیں گے اور جب تک میں کوئی اشارہ نہ کروں ہم اسی طرح لیٹے رہیں گے"۔

ناگ مندر کے ناکام تجربے اور شاہد علی کے جذباتی پن کی وجہ سے شیر خاں اب اس کے بارے میں بہت محتاط ہو گیا تھا اور اسے اپنی زیر ہدایت رکھنا چاہتا تھا...... دوسری جانب مجاہد شاہد علی کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ اسے اس قسم کے کمانڈو آپریشن کے سلسلے میں ابھی شیر خان سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے...... چنانچہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی برا مانے بغیر شیر خاں کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔

دونوں کی نظریں سرچ لائٹ کے آہستہ آہستہ گردش کرتے دائروں پر لگی ہوئی تھیں...... روشنی کے دونوں دائرے ایک دوسرے کے پیچھے کچھ دُور تک جا کر پھر

واپس آجاتے تھے...... اسی طرح دوسرے واچ ٹاوروں کی روشنیوں کے دائرے اس سے آگے کے حصے میں گردش کر رہے تھے...... یوں ان واچ ٹاوروں کی سرچ لائٹوں نے جنگل کے اِردگرد کے سارے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا، جب ایک دم سے سرچ لائٹ کی روشنیاں بجھ گئیں تو شیر خاں نے شاہد علی کو سرگوشی میں کہا۔

"سیکنڈ گنتے جانا"۔

شیر خان نے بھی سیکنڈ گننے شروع کر دیئے...... ٹھیک سترہ سیکنڈ کے وقفے کے بعد سرچ لائٹیں دوبارہ روشن ہو گئیں...... شاہد علی نے سرگوشی میں کہا۔

"سترہ سیکنڈ"۔

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"سترہ سیکنڈ" اب دوسری بار روشنیاں بجھیں گی تو ہم جنگل میں گھس جائیں گے...... او کے"۔

"او کے" مجاہد شاہد علی نے سرگوشی میں جواب دیا۔

روشنی کے دائروں کی چمک میں جنگل کے اندر درختوں کے درمیان کا علاقہ بہت حد تک دکھائی دے رہا تھا...... درختوں کے تنے جنگل کے اندر دُور تک چلے گئے تھے...... ان کے درمیان اونچی گھاس بھی تھی اور اُونچی اُونچی جھاڑیاں بھی تھیں...... شیر خان نے قطب الدین کی ہدایت کے مطابق سمت کا تعین ذہن میں کر لیا تھا...... دونوں اس انتظار میں تھے کہ سرچ لائٹوں کی روشنیاں گل ہوں تو وہ جنگل میں گھس جائیں...... اپنا معین وقت پورا کرنے کے بعد روشنیاں بجھ گئیں۔

جیسے ہی روشنیاں بجھیں دونوں کمانڈو جھک کر دوڑتے ہوئے جنگل کے درختوں میں گھس گئے اور چند قدم اندر دوڑنے کے بعد ایک دم زمین پر اوندھے لیٹ گئے...... اچانک سرچ لائٹ کی روشنیاں پھر سے بیدار ہو گئیں اور جہاں سے دونوں کمانڈو دوڑ کر آئے تھے وہ سارا علاقہ دن کی طرح روشن ہو گیا...... دونوں جھاڑیوں اور گھاس میں

بے حس و حرکت پڑے رہے...... جب ایک بار پھر روشنیاں بجھ گئیں تو وہ اوندھے لیٹے آگے کو رینگنے لگے...... جس وقت جنگل میں روشنی ہو رہی تھی تو شیر خان نے دیکھ لیا تھا اور تسلی کر لی تھی کہ وہاں آس پاس کوئی گشتی پارٹی نظر نہیں آ رہی تھی...... کافی دُور تک دونوں کمانڈو مجاہد جھاڑیوں میں کہنیوں کے بل رینگتے رہے...... اب وہ اندھیرے میں تھے...... ان کے عقب میں جو سرچ لائٹ کی روشنی تھی وہ ان تک نہیں پہنچ رہی تھی...... شیر خان نے اپنے پیچھے شاہد علی کو ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا...... دونوں اٹھ بیٹھے اور چاروں طرف اپنی عقابی نگاہوں سے اندھیرے میں دیکھنے لگے۔

آدمی ایک دم اندھیرے میں آجائے تو پہلے پہل اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد اندھیرے میں بھی چیزوں کے دُھندلے دُھندلے خاکے دکھائی دینے لگتے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ اندھیرے کی بھی اپنی ایک روشنی ہوتی ہے...... جنگلی درندے اندھیرے کی اسی روشنی میں اپنے شکار کو دیکھ لیتے ہیں...... کمانڈو کو اس اندھیرے میں دیکھنے کی خاص طور پر تربیت دی جاتی ہے اور یہ جانباز اندھیرے میں واضح طور پر نہیں لیکن تھوڑا تھوڑا ضرور دیکھ لیتے ہیں اور سایوں کی نقل و حرکت سے بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آگے کیا ہو رہا ہے...... کمانڈو شیر خان نے بھی دیکھ لیا تھا کہ آگے گھنے درختوں کے درمیان سے ایک تنگ سا راستہ سامنے کی طرف جاتا ہے...... اسے یقین تھا کہ وہ اس راستے سے گزر کر پرانے ویران قبرستان میں پہنچ جائیں گے...... اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شاہد علی کے کان میں سرگوشی میں کہا۔

"ہمیں ان درختوں کے بیچ میں سے گزرنا ہے، ہمارے درمیان فاصلہ بیس فٹ کا رہے گا...... گشتی پارٹی سے ہوشیار رہنا، آجاؤ"۔

اور شیر خان اٹھ کر سامنے والے درختوں کے درمیان چلنے لگا...... وہ جھاڑیوں سے بچ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ صرف اس کا پاؤں گیلی گھاس پر پڑے اور

سر سراہٹ پیدا نہ ہو...... یہ صرف تربیت یافتہ کمانڈو یا فوجی ہی کر سکتے ہیں...... ہر آدمی ایسا نہیں کر سکتا...... کچھ دُور تک چلتے رہنے کے بعد وہ درختوں کی اوٹ میں چھپ کر اِدھر اُدھر اندھیرے میں دیکھنے لگتے کہ کہیں کسی طرف سے کوئی گشتی پارٹی یا اس پارٹی کا کوئی فوجی جوان تو گشت کرتا نہیں آ رہا، اسی طرح وہ جنگل میں آگے ہی آگے چلتے گئے۔

آخر ایک جگہ انہیں اُونچی نیچی ڈھیریاں سی دکھائی دیں...... شیر خان وہیں رُک کر بیٹھ گیا...... اس نے شاہد علی کو بھی اپنے قریب بلا لیا...... شیر خان نے اُونچی نیچی ڈھیریوں کی طرف اشارہ کیا اور دھیمی آواز میں کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ہم پرانے قبرستان میں آ گئے ہیں''۔

وہ پرانا ویران قبرستان ہی تھا...... وہ اندھیرے میں جھک کر چلتے ہوئے قبرستان کی شکستہ دیوار کے پاس آ گئے...... یہ پرانی تاریخی دیوار تھی اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی...... وہ دیوار کی آڑ لے کر بیٹھ گئے اور سامنے کی طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگے...... قطب الدین نے انہیں بتایا تھا کہ قبرستان کی شکستہ دیوار سے تھوڑے فاصلے پر برگد کا گھنا درخت اور خفیہ ریسرچ سنٹر میں اس کمرے کی پچھلی دیوار ہے جس میں ڈاکٹر پلائی رات کو سوتا ہے...... برگد کا درخت انہیں نظر آ رہا تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس کی گھنی شاخیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں...... دیوار کے پاس وہ کچھ دیر بیٹھ کر ماحول کا جائزہ لیتے رہے...... انہیں دیوار کی دوسری جانب سے کسی گاڑی کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی...... پھر یہ آواز دُور ہوتے ہوتے گم ہو گئی۔

اس کے بعد پھر خاموشی ہو گئی۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو کیا کرنا تھا...... یہ انہوں نے پہلے سے سوچ رکھا تھا اور طے بھی کر لیا ہوا تھا...... اپنے منصوبے کے مطابق جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اس طرف کوئی گارڈ وغیرہ نہیں ہے تو وہ آہستہ آہستہ ایک ایک قدم کر کے جسم کو جھکائے برگد کے درخت کی طرف بڑھے...... برگد کا تنا بہت موٹا تھا...... گھنی

شاخوں میں سے درخت کی جڑیں رسیوں کی طرح نیچے لٹک رہی تھیں...... پروگرام کے مطابق مجاہد شاہد علی لٹکتی ہوئی جڑوں کو پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا...... پھر درخت کی شاخوں کے اندر ہی اندر رینگتا درخت کے اس بڑے تنے پر آ گیا جس کی شاخیں کمرے کی چھت پر لٹکی ہوئی تھیں...... وہ آہستہ آہستہ ان شاخوں کے سہارے آواز پیدا کئے بغیر چھت پر اتر کر وہیں بیٹھ گیا...... جب شیر خاں نے اسے چھت پر اترتے دیکھ لیا تو وہ دیوار کے ساتھ کھسکتا خاردار تاروں والی دیوار کے پاس آ گیا۔

اس نے جیب سے چھوٹا پلاس نکالا اور خاردار تاروں کو بڑی احتیاط کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں دبا کر تا کہ آواز پیدا نہ ہو...... ایک جگہ سے کاٹ کر اتنی جگہ بنا لی کہ وہ اندر جا سکتا تھا...... تاروں کے شگاف میں سے اس نے دوسری جانب دیکھا...... اس کے سامنے بہت پھیکی دُھندلی چاندنی میں دو سپاہی کسی سٹول قسم کی چیز پر بیٹھے تھے...... وہ آپس میں کسی کسی وقت کوئی بات بھی کر لیتے تھے جو فاصلہ ہونے کی وجہ سے شیر خان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی...... شیر خان نے سٹین گن اپنی پشت پر لٹکا لی اور جیب سے کمانڈو چاقو نکالا...... پھر وہ تاروں کے شگاف میں سے دبے پاؤں نکل کر کمرے کی دیوار کے کونے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے سر ذرا سا آگے کر کے دیکھا۔

دونوں پہرے داروں میں سے ایک پہرے دار جو وردی میں تھا اٹھ کھڑا ہوا تھا...... دوسرا اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھا تھا...... رائفل اس نے گھٹنوں پر رکھی ہوئی تھی، جو سپاہی کھڑا ہو گیا تھا اس کی رائفل سلنگ کے ساتھ اس کے کندھے پر لٹک رہی تھی...... یہ مکان کا لان تھا جس کے بارے میں قطب الدین کے خاص آدمی نے کہا تھا کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے باہر لان میں رات کو بھی دو سپاہی پہرے پر موجود ہوتے ہیں...... شیر خان نے یہ بھی دیکھا کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے روشن دان اور بند دروازے کی ایک لمبی درز میں سے روشنی باہر آ رہی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ ڈاکٹر

پلائی ابھی تک جاگ رہا تھا...... شیر خان کو کوئل کی بڑی دھیمی سی آواز سنائی دی جیسے دُور کے درخت پر کوئل بول کر اُڑ گئی ہو، لیکن یہ کوئل کی آواز نہیں تھی...... یہ اس کے ساتھی کمانڈو مجاہد شاہد علی کا سگنل تھا کہ میں تمہیں حفاظتی کور دینے کی پوزیشن میں ہوں تم اپنا کام شروع کرو۔

شیر خان نے ایک بار پھر دیوار کے کونے سے سر ذرا سا آگے کر کے دیکھا، جو سپاہی سٹول پر بیٹھا تھا اس کا سر جھکا ہوا تھا...... شاید وہ اُونگھنے لگا تھا...... دوسرا پہرے دار سنتری ابھی تک لان میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا...... اب اس نے سگریٹ سلگا لیا تھا اور ٹہلتے ہوئے سگریٹ بھی پی رہا تھا...... کمانڈو ایکشن کے لئے فضا بڑی ہموار ہو گئی تھی...... شیر خان نے زمین پر سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور اسے قریب کی جھاڑیوں میں زور سے پھینک دیا...... پتھر کے گرنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ ٹہلتے ہوئے سنتری کو چوکنا کرنے کے لئے یہ آواز کافی تھی۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رُک گیا اور جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا...... پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے جھاڑیوں کی طرف بڑھا کہ دیکھے یہ آواز کس چیز کی تھی...... شیر خان جلدی سے پیچھے ہو گیا...... اس نے چاقو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی...... سنتری ٹہلتے ٹہلتے جھاڑیوں کے قریب ہوتا گیا...... جھاڑیوں کے پاس پہنچنے کے لئے اس دیوار کے کونے کے قریب سے گزرنا تھا...... جیسے ہی وہ دیوار کے کونے کے قریب سے گزرا شیر خان نے چیتے کی طرح اُچھل کر سب سے پہلے اپنے بائیں بازو کے شکنجے میں سنتری کی گردن اس طرح دبوچ لی کہ وہ کوئی آواز نہ نکال سکے...... اس کے ساتھ ہی اس کے سیدھے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تیز دھار اور دندانے دار چاقو کا پھل سنتری کے حلق کے نیچے ایک جھٹکے سے اس طرح پھر گیا کہ اس کی شہ رگ کٹ گئی...... شیر خان نے سنتری کے کانپتے اور ٹھنڈے ہوتے جسم کو آہستہ سے زمین کے ساتھ لگا کر لاش کو پیچھے کھینچ لیا...... اب اسے دوسرے سنتری کو ٹھکانے لگانا تھا، کیونکہ اس کی موجودگی میں

شیر خان کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے دیوار کی اوٹ میں سے جھانک کر دیکھا...... دوسرا سنتری سٹول پر سر کو جھکائے شاید سو گیا تھا...... اس کو بیدار کرنا ضروری تھا...... لان کی دوسری جانب ایک زینہ اوپر چھت پر جاتا تھا...... شیر خان نے چھت پر نگاہ ڈالی...... اسے ایک دُھندلا انسانی سایہ حرکت کرتا نظر آیا...... یہ مجاہد شاہد علی تھا...... وہ چھت کی منڈیر کے پیچھے بیٹھ گیا...... شیر خان کو اس کا سر نظر آ رہا تھا...... دوسرا سنتری ابھی تک سو رہا تھا...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا...... شیر خان نے پہلے سنتری والی ترکیب پر عمل کرنے کے خیال سے زمین پر سے ایک روڑا اٹھایا...... وہ اسے جھاڑیوں میں پھینکنے ہی والا تھا کہ سنتری نے ایک دم سے سر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا...... جب اسے اپنا ساتھی نظر نہ آیا تو اس نے اس کا نام لے کر آواز دی، جس نے جواب دینا تھا اس کی لاش شیر خان کے قریب جھاڑیوں میں پڑی تھی۔

سنتری سامنے والے زینے کی طرف گیا...... اِدھر اُدھر دیکھا...... پھر اس دیوار کی طرف آیا جس کی اوٹ میں شیر خان گھات لگائے کھڑا تھا...... سنتری نے ایک بار پھر اپنے ساتھی کو آواز دی...... کوئی جواب نہ ملنے پر وہ دیوار کے قریب آ گیا...... کمانڈو شیر خان کے جسم کے پٹھے تن گئے...... اس فوجی کو ہلاک کرنا ضروری تھا...... یہاں ایک بات یاد رکھیں کہ ایک عام آدمی وہ کام نہیں کر سکتا جو ایک کمانڈو کرتا ہے...... کمانڈو جب دشمن کی گردن کو اچانک بازو کے شکنجے میں لیتا ہے تو اس نے ایک ایک سینٹی میٹر کا حساب لگایا ہوتا ہے کہ اسے دشمن کی گردن کو بازو کے شکنجے میں جکڑتے ہی کیا کرنا ہے تاکہ اس کی آواز نہ نکل سکے...... اس کے ساتھ ہی دشمن کی شہ رگ کو کمانڈو چاقو پھیر کر کاٹنا ہوتا ہے...... دیکھنے میں یہ دو الگ الگ عمل لگتے ہیں، لیکن ایک تجربہ کار کمانڈو کے لئے یہ ایک ہی عمل ہوتا ہے...... ایک ہی وقت میں دشمن کی گردن دبوچی جاتی ہے اور اسی لمحے اس کی شہ رگ کاٹ دی جاتی ہے...... اگر کوئی کمانڈو ایسا نہیں کرتا تو وہ

نااہل کمانڈو ہے اور پھر اس کی اپنی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

کمانڈو شیر خان کے سیدھے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے تھوڑا سا اوپر اٹھایا ہوا تھا...... جیسے ہی دوسرا سنتری اپنے ساتھی کی تلاش میں دیوار کے کونے سے نکل کر سامنے آیا جس طرح بجلی چمک جاتی ہے...... بالکل اسی طرح کمانڈو شیر خان نے اپنا بازو سنتری کی گردن میں ڈال کر شکنجے میں لیا اور اوپر کو زور سے جھٹکا دے کر اس کی شہ رگ پر پوری طاقت سے چاقو پھیر دیا اور پھر اسے زمین پر ڈالا اور لاش کو پیچھے کھینچ کر ڈال دیا...... دوسرے سنتری کا اسی وقت کام تمام ہو گیا جب شیر خان کے بازو کے جھٹکے سے اس کی گردن کے مہرے ٹوٹ کر الگ ہو گئے تھے۔

شیر خان دوڑ کر دیوار کے پاس آیا اور دوسری طرف لان میں دیکھا...... لان خالی پڑا تھا...... اس نے چھت پر نگاہ ڈالی...... اسے اپنے ساتھی شاہد علی کا سر منڈیر سے ذرا اوپر اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا...... یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ یہ اس کا اپنا ساتھی ہی ہے شیر خان نے بڑی دھیمی آواز میں کوئل کی آواز نکالی...... اس کے جواب میں چھت کے اوپر سے بھی کوئل کی مدھم آواز میں مجاہد شاہد علی نے جواب دیا...... شیر خان دیوار سے ہٹ کر لان میں پودوں کے پیچھے جھک کر چلتا کمرے کے بند دروازے کے پاس آ گیا...... دروازے کی درز میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی...... اس نے درز کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا...... کمرے میں ڈاکٹر پلائی پلنگ پر ایک عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا...... کمرے میں بلب جل رہا تھا...... اس کی روشنی میں شیر خان ڈاکٹر پلائی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا...... عورت کو اس نے پہچان لیا تھا...... وہ ناگ مندر کی ناگ داسی اُرملا تھی...... شیر خان یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی ڈاکٹر پلائی ہی ہے...... فوراً اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی...... اس کے پاس اپنی ترکیب پر مزید سوچ بچار کرنے کے لئے وقت نہیں تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا بس اسی لمحے کرنا تھا...... اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی...... ڈاکٹر پلائی نے دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”کون ہے باہر؟“۔

شیر خان نے بولنے کی بجائے پھر دستک دے دی...... ڈاکٹر پلائی اٹھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا...... اس کے قدم صحیح نہیں پڑ رہے تھے...... صاف لگتا تھا کہ وہ نشے میں ہے...... شیر خان دروازے کے باہر ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا...... اوپر سے مجاہد شاہد علی اسے دیکھ رہا تھا...... دروازہ کھلا...... ڈاکٹر پلائی نے غصے میں پوچھا۔

”کیا بات ہے؟“۔

کمانڈو شیر خان شکاریوں کی خاکی وردی میں تھا...... باہر اندھیرا بھی تھا...... اس کی وردی فوجی وردی ہی لگ رہی تھی...... سٹین گن بھی اس کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی...... شیر خان نے ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ کیا اور کہا۔

”ڈاکٹر پلائی صاحب کے لئے سیکورٹی کمانڈر کا ضروری پیغام ہے“۔

ڈاکٹر پلائی نے ذرا سا جھومتے ہوئے سیکورٹی کمانڈر کو انگریزی میں گالی دی اور کہا۔

”میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... کیا کہا ہے اس باسٹرڈ نے؟“۔

کمانڈو شیر خان کو آگے کچھ کہنے اور کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ تو صرف اس دشمن اسلام کے منہ سے یہ سننا چاہتا تھا کہ میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... یہ اس نے سن لیا تھا...... جیسے ہی ڈاکٹر پلائی نے اپنا فقرہ پورا کیا شیر خاں نے گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا...... گن کی نالی پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا...... سٹین گن کے برسٹ کے دھماکوں کی آواز تو آنی نہیں تھی...... ٹھک ٹھک کی مسلسل آواز کے ساتھ شیر خان نے دو برسٹ فائر کر کے ڈاکٹر پلائی کا سینہ اور پیٹ چھلنی کر دیا...... وہ گرا تو شیر خان نے تیسرا برسٹ بھی اس کے سینے اور کھوپڑی پر فائر کر دیا، تاکہ اس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہے۔

مصیبت یہ ہوئی کہ کمرے میں ناگ داسی موجود تھی...... اس نے یہ خونی منظر

دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں...... شیر خان کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ناگ داسی کو بھی ہلاک کرے، جس کو اس نے ہلاک کرنا تھا اسے ہلاک کر دیا تھا...... وہ لان میں پیچھے کی جانب دوڑا...... اس کے ساتھ ہی ناگ داسی چیختی چلاتی دروازے پر آ گئی...... اس کی چیخوں کی آواز پر نہ جانے کہاں سے گشت لگاتا ایک سنتری ادھر آ گیا...... اس نے چیخوں کی آواز پر ہوائی فائر کر دیئے...... اس کے فائر کے دھماکوں نے وہاں پر موجود سیکورٹی والوں کو بیدار کر دیا...... اب چاروں طرف سے ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی...... ایک گشتی پارٹی کے چھ سات سنتری دوڑتے ہوئے لان میں آ گئے۔

شیر خان دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... وہ نکل گیا ہوتا اگر مجاہد شاہد علی چھت پر نہ ہوتا...... شیر خان اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا...... خدا جانے کس نے ایک جانب سے اوپر تلے دو روشنی راؤنڈ فائر کر دیئے...... سارا لان روشن ہو گیا...... ایک سپاہی نے چھت پر مجاہد شاہد کو دیکھتے ہی اندھادھند اوپر فائرنگ شروع کر دی...... شیر خان نے شاہد علی کو دیوار کی دوسری جانب چھلانگ لگاتے اور چار پانچ فوجیوں کو اس کے پیچھے دوڑتے دیکھا...... اب خود شیر خان خطرے میں گھر چکا تھا...... اسے یقین تھا کہ شاہد علی فرار ہو گیا ہو گا...... شیر خاں تیزی سے اٹھا اور پیچھے جنگل کی طرف اندھادھند بھاگنے لگا...... روشنی راؤنڈ آہستہ آہستہ نیچے آ کر بجھ چکے تھے...... شیر خان بھاگتے ہوئے پرانے قبرستان سے بھی نکل گیا...... پیچھے فائر کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر یہ آوازیں دوسری جانب سے آ رہی تھیں...... شیر خان کے پیچھے کوئی نہیں تھا...... اس لئے کہ کسی سپاہی نے اسے فرار ہوتے نہیں دیکھا تھا...... وہ جتنی تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتے ہوئے جنگل کے کنارے والے درختوں کے پاس آ کر چھپ گیا...... اب اسے ایک خطرناک مرحلے سے گزرنا تھا...... یہ دونوں واچ ٹاور کی سرچ لائٹوں کی روشنیاں تھیں۔

دونوں واچ ٹاوروں پر جو مشین گنوں کے مورچے تھے فائرنگ کی آوازیں سن کر وہ بھی چوکس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ پیچھے کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی مشین گنوں کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے...... گولیاں درختوں کی ٹہنیوں سے ٹکراتی اور انہیں چیرتی ہوئی نیچے گرنے لگیں...... شیر خان سمجھ گیا کہ مشین گن پوسٹوں سے نیچے فائر آ رہا ہے...... سرچ لائٹ کی روشنیوں کے دائرے بھی تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگے تھے، لیکن کمانڈو شیر خان کو ہر حالت میں وہاں سے نکلنا تھا...... وہ درختوں کی آڑ لیتا جنگل کے آخری کنارے پر اس جگہ آ گیا جہاں ایک چھوٹا ٹیلہ تھا...... روشنیوں کے دائرے جلدی جلدی ایک دوسرے کے آگے پیچھے سامنے سے گزر رہے تھے...... اوپر سے فائرنگ بھی ہو رہی تھی...... کمانڈو شیر خان اس صورت حال میں جتنا اندازا لگا سکتا تھا اس نے اپنے ذہن میں اندازہ لگایا اور پیٹ کے بل رینگتا آگے بڑھا...... ایک بار جب روشنی کے دائرے دائیں جانب کو جانے کے بعد واپس بائیں جانب کو آتے ہوئے اس کے سامنے سے گزر گئے تو شیر خان کہنیوں کے بل بڑی تیزی سے رینگتا ہوا سرچ لائٹ کی زد سے باہر نکل گیا۔

چاند غروب ہو چکا تھا...... سامنے ویران میدان تھا جس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... کمانڈو شیر خان نے دوڑنا شروع کر دیا...... وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اب تک ریسرچ سنٹر کی آرمی سیکورٹی کمانڈو بٹالین کو ڈاکٹر پلائی کے قتل کا علم ہو چکا ہو گا اور بہت جلد فوج اس سارے علاقے کی ناکہ بندی کر لے گی، چنانچہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا...... وہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے پر واپس جا رہا تھا...... دوڑتے ہوئے ہی اس نے میدان عبور کر لیا...... سامنے زمین سے اونچائی پر ریلوے لائن گزرتی تھی...... اسے اسی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل کر اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچنا تھا۔

ریلوے لائن بھی رات کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی...... جنگل کی طرف سے

نااہل کمانڈو ہے اور پھر اس کی اپنی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

کمانڈو شیر خان کے سیدھے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے تھوڑا سا اوپر اٹھایا ہوا تھا...... جیسے ہی دوسرا سنتری اپنے ساتھی کی تلاش میں دیوار کے کونے سے نکل کر سامنے آیا جس طرح بجلی چمک جاتی ہے...... بالکل اسی طرح کمانڈو شیر خان نے اپنا بازو سنتری کی گردن میں ڈال کر شکنجے میں لیا اور اوپر کو زور سے جھٹکا دے کر اس کی شہ رگ پر پوری طاقت سے چاقو پھیر دیا اور پھر اسے زمین پر ڈالا اور لاش کو پیچھے کھینچ کر ڈال دیا...... دوسرے سنتری کا اسی وقت کام تمام ہو گیا جب شیر خان کے بازو کے جھٹکے سے اس کی گردن کے مہرے ٹوٹ کر الگ ہو گئے تھے۔

شیر خان دوڑ کر دیوار کے پاس آیا اور دوسری طرف لان میں دیکھا...... لان خالی پڑا تھا...... اس نے چھت پر نگاہ ڈالی...... اسے اپنے ساتھی شاہد علی کا سر منڈیر سے ذرا اوپر اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا...... یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ یہ اس کا اپنا ساتھی ہی ہے شیر خان نے بڑی دھیمی آواز میں کوئل کی آواز نکالی...... اس کے جواب میں چھت کے اوپر سے بھی کوئل کی مدھم آواز میں مجاہد شاہد علی نے جواب دیا...... شیر خان دیوار سے ہٹ کر لان میں پودوں کے پیچھے جھک کر چلتا کمرے کے بند دروازے کے پاس آ گیا...... دروازے کی درز میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی...... اس نے درز کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا...... کمرے میں ڈاکٹر پلائی پلنگ پر ایک عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا...... کمرے میں بلب جل رہا تھا...... اس کی روشنی میں شیر خان ڈاکٹر پلائی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا...... عورت کو اس نے پہچان لیا تھا...... وہ ناگ مندر کی ناگ داسی اُرملا تھی...... شیر خان یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی ڈاکٹر پلائی ہی ہے......

فوراً اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی...... اس کے پاس اپنی ترکیب پر مزید سوچ بچار کرنے کے لئے وقت نہیں تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا بس اسی لمحے کرنا تھا...... اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی...... ڈاکٹر پلائی نے دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کون ہے باہر؟"۔

شیر خان نے بولنے کی بجائے پھر دستک دے دی...... ڈاکٹر پلائی اٹھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا...... اس کے قدم صحیح نہیں پڑ رہے تھے...... صاف لگتا تھا کہ وہ نشے میں ہے...... شیر خان دروازے کے باہر ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا...... اوپر سے مجاہد شاہد علی اسے دیکھ رہا تھا...... دروازہ کھلا...... ڈاکٹر پلائی نے غصے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان شکاریوں کی خاکی وردی میں تھا...... باہر اندھیرا بھی تھا...... اس کی وردی فوجی وردی ہی لگ رہی تھی...... سٹین گن بھی اس کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی...... شیر خان نے ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ کیا اور کہا۔

"ڈاکٹر پلائی صاحب کے لئے سیکورٹی کمانڈر کا ضروری پیغام ہے"۔

ڈاکٹر پلائی نے ذرا سا جھومتے ہوئے سیکورٹی کمانڈر کو انگریزی میں گالی دی اور کہا۔

"میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... کیا کہا ہے اس باسٹرڈ نے؟"۔

کمانڈو شیر خان کو آگے کچھ کہنے اور کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ تو صرف اس دشمن اسلام کے منہ سے یہ سننا چاہتا تھا کہ میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... یہ اس نے سن لیا تھا...... جیسے ہی ڈاکٹر پلائی نے اپنا فقرہ پورا کیا شیر خاں نے گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا...... گن کی نالی پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا...... سٹین گن کے برسٹ کے دھماکوں کی آواز تو آنی نہیں تھی...... ٹھک ٹھک کی مسلسل آواز کے ساتھ شیر خان نے دو برسٹ فائر کر کے ڈاکٹر پلائی کا سینہ اور پیٹ چھلنی کر دیا...... وہ گرا تو شیر خان نے تیسرا برسٹ بھی اس کے سینے اور کھوپڑی پر فائر کر دیا، تاکہ اس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہے۔

مصیبت یہ ہوئی کہ کمرے میں ناگ داسی موجود تھی...... اس نے یہ خونی منظر

دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں...... شیر خان کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ناگ داسی کو بھی ہلاک کرے، جس کو اس نے ہلاک کرنا تھا اسے ہلاک کر دیا تھا...... وہ لان میں پیچھے کی جانب دوڑا...... اس کے ساتھ ہی ناگ داسی چیختی چلاتی دروازے پر آ گئی...... اس کی چیخوں کی آواز پر نہ جانے کہاں سے گشت لگاتا ایک سنتری ادھر آ گیا...... اس نے چیخوں کی آواز پر ہوائی فائر کر دیئے...... اس کے فائر کے دھماکوں نے وہاں پر موجود سیکورٹی والوں کو بیدار کر دیا...... اب چاروں طرف سے ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی...... ایک گشتی پارٹی کے چھ سات سنتری دوڑتے ہوئے لان میں آ گئے۔

شیر خان دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... وہ نکل گیا ہوتا اگر مجاہد شاہد علی چھت پر نہ ہوتا...... شیر خان اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا...... خدا جانے کس نے ایک جانب سے اوپر تلے دو روشنی راؤنڈ فائر کر دیئے...... سارا لان روشن ہو گیا...... ایک سپاہی نے چھت پر مجاہد شاہد کو دیکھتے ہی اندھا دھند اوپر فائرنگ شروع کر دی...... شیر خان نے شاہد علی کو دیوار کی دوسری جانب چھلانگ لگاتے اور چار پانچ فوجیوں کو اس کے پیچھے دوڑتے دیکھا...... اب خود شیر خان خطرے میں گھر چکا تھا...... اسے یقین تھا کہ شاہد علی فرار ہو گیا ہو گا...... شیر خاں تیزی سے اٹھا اور پیچھے جنگل کی طرف اندھا دھند بھاگنے لگا...... روشنی راؤنڈ آہستہ آہستہ نیچے آ کر بجھ چکے تھے...... شیر خان بھاگتے ہوئے پرانے قبرستان سے بھی نکل گیا...... پیچھے فائر کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر یہ آوازیں دوسری جانب سے آ رہی تھیں...... شیر خان کے پیچھے کوئی نہیں تھا...... اس لئے کہ کسی سپاہی نے اسے فرار ہوتے نہیں دیکھا تھا...... وہ جتنی تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتے ہوئے جنگل کے کنارے والے درختوں کے پاس آ کر چھپ گیا...... اب اسے ایک خطرناک مرحلے سے گزرنا تھا...... یہ دونوں واچ ٹاور کی سرچ لائٹوں کی روشنیاں تھیں۔

دونوں واچ ٹاوروں پر جو مشین گنوں کے مورچے تھے فائرنگ کی آوازیں سن کر وہ بھی چوکس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ پیچھے کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی مشین گنوں کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے...... گولیاں درختوں کی ٹہنیوں سے ٹکراتی اور انہیں چیرتی ہوئی نیچے گرنے لگیں...... شیر خان سمجھ گیا کہ مشین گن پوسٹوں سے نیچے فائر آ رہا ہے...... سرچ لائٹ کی روشنیوں کے دائرے بھی تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگے تھے، لیکن کمانڈو شیر خان کو ہر حالت میں وہاں سے نکلنا تھا...... وہ درختوں کی آڑ لیتا جنگل کے آخری کنارے پر اس جگہ آ گیا جہاں ایک چھوٹا ٹیلہ تھا...... روشنیوں کے دائرے جلدی جلدی ایک دوسرے کے آگے پیچھے سامنے سے گزر رہے تھے...... اوپر سے فائرنگ بھی ہو رہی تھی...... کمانڈو شیر خان اس صورت حال میں جتنا اندازا لگا سکتا تھا اس نے اپنے ذہن میں اندازہ لگایا اور پیٹ کے بل رینگتا آگے بڑھا...... ایک بار جب روشنی کے دائرے دائیں جانب کو جانے کے بعد واپس بائیں جانب کو آتے ہوئے اس کے سامنے سے گزر گئے تو شیر خان کہنیوں کے بل بڑی تیزی سے رینگتا ہوا سرچ لائٹ کی زد سے باہر نکل گیا۔

چاند غروب ہو چکا تھا...... سامنے ویران میدان تھا جس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... کمانڈو شیر خان نے دوڑنا شروع کر دیا...... وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اب تک ریسرچ سنٹر کی آرمی سیکورٹی کمانڈو بٹالین کو ڈاکٹر پلائی کے قتل کا علم ہو چکا ہو گا اور بہت جلد فوج اس سارے علاقے کی ناکہ بندی کر لے گی، چنانچہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا...... وہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے پر واپس جا رہا تھا...... دوڑتے ہوئے ہی اس نے میدان عبور کر لیا...... سامنے زمین سے اونچائی پر ریلوے لائن گزرتی تھی...... اسے اسی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل کر اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچنا تھا۔

ریلوے لائن بھی رات کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی...... جنگل کی طرف سے

فائرنگ کی آوازیں اب بند ہو گئی تھیں...... فوج کے کمانڈو دستے اور انٹیلی جنس والے شیر خان اور شاہد علی کی تلاش میں نکل آئے ہوں گے...... وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کافی تیز رفتاری سے چلا جا رہا تھا...... اس کی پناہ گاہ تک کا فاصلہ کافی طویل تھا...... تقریباً پچاس کلو میٹر کا فاصلہ تھا...... یہ پیدل چل کر یا دوڑ کر طے نہیں ہو سکتا تھا...... شیر خان یہی سوچ رہا تھا کہ اگر وہ کسی چھوٹے مضافاتی سٹیشن تک پہنچ جائے تو ہو سکتا ہے اسے کوئی گاڑی مل جائے جو مجورا شہر کی طرف جا رہی ہو...... مجورا شہر کے نام کا تلفظ مدورا اور مدورائی بھی کیا جا سکتا ہے...... ہم نے مجورا لکھا ہے تو اب اسے اسی طرح پکاریں گے...... یہ وضاحت میں نے اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ جو لوگ اس شہر سے واقف ہیں کہیں وہ میرے مجورا لکھنے پر اعتراض نہ کریں اور میں تو جنوبی ہندوستان کے شہر میں نہ صرف کئی بار جا چکا ہوں بلکہ میں نے یہاں کے ناگ مندر بھی دیکھے ہیں۔

دستی بم ابھی تک شیر خان کی جیب میں تھے...... سٹین گن بھی اس کے پاس ہی تھی...... یہ اسلحہ اسے کسی بھی جگہ پولیس کے ہاتھوں پکڑوا سکتا تھا، چنانچہ اس سے وقتی طور پر نجات حاصل کرنی بہت ضروری تھی...... ایک جگہ ریلوے لائن کے ساتھ سگنل کا کھمبا آ گیا...... کھمبے پر سگنل کی سرخ بتی روشن تھی...... وہاں ڈھلان پر ایک جگہ اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... شیر خان کو اسلحہ چھپانے کے لئے وہ جگہ موزوں دکھائی دی...... اس نے جلدی جلدی اینٹوں کو ایک جگہ سے ہٹا کر اندر کافی جگہ بنا لی...... اس میں اپنی سٹین گن اور دستی بم اور فالتو میگزین چھپا کر اس پر اینٹیں اس طرح رکھ دیں کہ کسی کو شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی شے چھپائی گئی ہے...... سگنل کے کھمبے کی نشانی جگہ تلاش کرنے کے لئے کافی تھی...... اس نے یہی سوچا کہ بعد میں قطب الدین وغیرہ اپنا کوئی آدمی بھیج کر وہاں سے اسلحہ نکال کر لے جائے گا۔

اس کے پاس صرف کمانڈو چاقو ہی رہ گیا تھا، چونکہ اس کی وردی شکاریوں والی تھی، اس لئے کسی کو اس کے چاقو پر اعتراض نہیں ہو سکتا تھا...... ایک جگہ ریلوے

پھاٹک آ گیا...... وہاں سے ایک سڑک ریل کی پٹڑی سے اتر کر اس طرف جاتی تھی جس طرف شہر تھا۔

کمانڈو اس خیال سے ریلوے لائن سے اتر کر سڑک پر چل پڑا کہ شاید یہ سڑک آگے جا کر شہر کو جانے والی بڑی سڑک کے ساتھ مل جاتی ہو اور وہاں سے اسے شہر کو جاتا کوئی ٹرک وغیرہ مل جائے...... رات کے اندھیرے میں ریلوے پھاٹک والی سڑک سنسان پڑی تھی...... کچھ دُور تک کھیتوں اور درختوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہنے کے بعد اس سڑک نے شیر خان کو بڑی سڑک پر پہنچا دیا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ شہر کس سمت پر ہے...... یہ بڑی سڑک اسی سمت کو جا رہی تھی اور اس پر بجلی کی بتیاں بھی فاصلے فاصلے پر روشن تھیں...... وہ سڑک سے تھوڑا ہٹ کر شہر کی جانب پیدل ہی چلنے لگا...... شہر کی طرف سے ایک دو ٹرک آ کر گزر گئے...... پیچھے سے بھی ایک ٹرک آیا...... شیر خان نے اسے ہاتھ دیا مگر وہ نہ رُکا...... پھر ایک پرائیویٹ گاڑی آئی اور وہ بھی اس کے اشارے پر نہ رکی اور آگے نکل گئی...... کچھ دیر کے بعد پیچھے سے پھر کسی گاڑی کی روشنی دکھائی دی تو شیر خان نے ہاتھ کا اشارہ دیا...... یہ ایک ٹرک تھا جس پر لکڑیوں کے شہتیر لدے ہوئے تھے...... خدا جانے ڈرائیور کے ذہن میں کیا آیا کہ اس نے ٹرک آگے جا کر سڑک کے کنارے روک لیا۔

کمانڈو شیر خان دوڑ کر ٹرک کے پاس گیا...... اس کا ڈرائیور نوجوان تامل تھا...... اس نے تامل زبان میں ہی پوچھا۔

"کہاں جانا ہے بابو؟"۔

شیر خان نے بھی تامل زبان میں جواب دیا۔

"مجورا جانا ہے"۔

ڈرائیور نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ"۔

شیر خان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا...... ٹرک چل پڑا...... ڈرائیور نے پوچھا۔

"اس وقت رات کو تم کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ایک شکار پارٹی کے ساتھ ہرن کا شکار کھیلنے جنگل میں گیا تھا...... پارٹی سے بچھڑ کر جنگل میں بھٹک گیا"۔

ٹرک پر بڑا بھاری بوجھ لدا ہوا تھا...... اس کی رفتار ہلکی تھی...... اس نے مجورا شہر میں پہنچتے پہنچتے دو گھنٹے لگا دیئے...... رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... شہر کی مارکیٹوں، شاپنگ سنٹروں اور بلند عمارتوں پر نیون سائن کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں مگر سڑکیں تقریباً خالی پڑی تھیں...... کسی کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی...... ٹرک شہر میں داخل ہو گیا تھا...... کمانڈو شیر خان یک خاص جگہ پر اتر گیا...... وہاں سے پیدل ہی مجورا کے مجاہدوں کے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل پڑا، جس وقت وہ وہاں پہنچا آسمان پر صبح کاذب کی نیلاہٹ جھلملانے لگی تھی۔

دکن کا ماسٹر سپائی رشید احمد اور مجورا کا ماسٹر سپائی مجاہد قطب الدین دونوں خفیہ ٹھکانے پر موجود تھے اور دونوں ہی چائے کی چینک اور پیالیاں سامنے رکھے جاگ رہے تھے...... کمانڈو شیر خان کو اکیلا آتے دیکھ کر رشید احمد نے پہلا سوال یہی کیا۔

"کیا ہوا؟"۔

کمانڈو شیر خان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر پلائی کا قصہ پاک کر دیا ہے...... گن کے دو برسٹ اس کے سینے اور پیٹ اور ایک برسٹ اس کی کھوپڑی سے پار کر دیا تھا"۔

"زندہ باد؟"۔

قطب الدین اور رشید احمد نے بیک وقت کہا۔

"لیکن شاہد علی کہاں ہے؟" قطب الدین نے پوچھا۔

کمانڈو شیر خان نے اسے ساری کہانی سنا دی اور کہا۔

"میں نے اسے ڈاکٹر پلائی کے کمرے کی چھت سے دوسری طرف چھلانگ لگاتے دیکھا تھا...... گارڈ کے سنتری فائرنگ کرتے اس کے پیچھے ضرور بھاگے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ مجاہد شاہد علی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہو گا...... وہ صبح تک یہاں پہنچ جائے گا"۔

لیکن کمانڈو شیر خان کو معلوم نہیں تھا کہ مجاہد شاہد علی کے ساتھ کیا گزری تھی...... یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں...... مجاہد شاہد علی نے چھت پر سے دیکھ لیا تھا کہ شیر خان نے ڈاکٹر پلائی کا کام تمام کر دیا ہے، لیکن ناگ داسی کی چیخوں کی وجہ سے وہاں سیکورٹی گارڈ کے سنتریوں اور فوجی سپاہیوں کی جانب سے جو اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور جس کے جواب میں شیر خان نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی تھی اس کے بعد شاہد علی نے بھی اوپر سے شیر خان کو تحفظ مہیا کرنے کے لئے فائر کھول دیا...... سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا اور اس کو پکڑنے یا ہلاک کرنے کے لئے گولیاں برساتے اس زینے کی طرف دوڑے جو چھت پر جاتا تھا...... اب شاہد علی کے لئے وہاں سے فرار ہونا لازمی ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے چھت کی دوسری طرف جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی...... جھاڑیاں کافی گھنی تھیں...... وہاں گرنے سے اسے کوئی چوٹ وغیرہ نہ لگی...... وہ جھاڑیوں سے نکل کر اندھیرے میں جنگل کی طرف دوڑ پڑا...... سپاہیوں نے اسے چھلانگ لگاتے دیکھ لیا تھا...... انہوں نے اس پر گولیاں برسانی شروع کر دیں...... گولیاں درختوں کے پتوں اور شاخوں کو اُڑاتی ہوئی گزر رہی تھیں، لیکن شاہد علی ان کی زد سے نکل گیا۔

سمت کا اسے اندازہ تھا...... کشمیر کے جنگلوں میں وہ بھارتی فوجیوں کے خلاف اس قسم کے کئی معرکے انجام دے چکا تھا...... وہ جنگلی پودوں اور جھاڑیوں میں سے بھاگتا ہوا اس سمت کو جا رہا تھا جدھر جنگل کا کنارہ تھا اور جہاں سے وہ شیر خان کے ساتھ جنگل

میں داخل ہوا تھا...... رات کے اندھیرے میں جنگل کے راستے کو پہچاننا اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی...... اس کے پیچھے فائرنگ کے دھماکے ضرور ہو رہے تھے مگر گولیاں اس کے اوپر سے ہی گزر رہی تھیں...... دوڑتے دوڑتے وہ جنگل کے اس تنگ راستے پر آ گیا جو درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا جنگل کی سرحد تک چلا گیا تھا...... اب وہ دوڑ نہیں رہا تھا...... اندھیرے میں زیادہ سے زیادہ تیز تیز چلنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس کے پیچھے اب فائرنگ کی آواز کبھی کبھی آ جاتی تھی لیکن یہ آوازیں بہت دُور رہ گئی تھیں...... اسے دُور درختوں کے تنوں کے درمیان روشنیاں اِدھر سے اُدھر گردش کرتی نظر آئیں...... وہ سمجھ گیا کہ یہ جنگل کے کنارے والے واچ ٹاوروں کی سرچ لائٹوں کی روشنیاں ہیں...... اسے ان روشنیوں کے درمیان سے گزر کر جنگل کی سرحد پار کرنی تھی...... وہ محتاط ہو کر چلنے لگا...... روشنیوں کے قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ روشنیاں بڑی تیز تیز گردش کر رہی تھیں۔

اچانک فائرنگ کے دھماکے ہونے لگے...... شاہد علی وہیں ایک درخت کے پیچھے ہو گیا اور سامنے کی طرف دیکھنے لگا...... یہ فائرنگ واچ ٹاوروں کی مشین گن پوسٹوں سے کی جا رہی تھی...... اس کو شیر خان کا خیال آ گیا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ بھی اس جگہ سے جنگل عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور اسے دیکھ کر سپاہیوں نے فائرنگ شروع کر دی ہو...... اس نے اس جگہ سے جنگل سے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جنگل کی دوسری سمت کی جانب چل پڑا...... جنگل کے اس علاقے سے وہ واقف نہیں تھا، لیکن اسے یقین تھا کہ وہ جنگل سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا...... آخر جنگل کسی نہ کسی جگہ جا کر تو ختم ضرور ہو گا...... اس بات کی اسے خوشی تھی کہ ان کا مشن ناکام نہیں رہا تھا اور انہوں نے دشمن اسلام اور دشمن پاکستان ڈاکٹر پلائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا...... جنگل کے جس علاقے میں وہ داخل ہوا تھا وہاں کھائیاں اور گھاٹیاں بہت تھیں چنانچہ اندھیرے میں اسے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑ رہا تھا، مگر وہ

کہیں رُکنے کی بجائے چلتا رہا...... اسے اُمید نہیں تھی کہ جنگل ختم ہو جائے گا، لیکن وہ خلاف توقع جنگل کے مشرقی کنارے کی طرف پہنچ گیا تھا۔

اسے درختوں کے درمیان سے بہت فاصلے پر دو تین روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں...... یہ کسی سڑک پر لگے ہوئے کھمبوں کی روشنیاں ہو سکتی تھیں...... شاہد علی جلدی جلدی چلنے لگا...... اس کا خیال تھا کہ خفیہ ریسرچ سنٹر والوں نے اس طرف کوئی واچ ٹاور نہیں بنایا، کیونکہ اس طرف سرچ لائٹ کی روشنی کہیں بھی نہیں تھی...... لیکن یہ اس کا خیال غلط تھا...... ریسرچ سنٹر والے اتنے احمق نہیں تھے کہ جنگل کے ایک کنارے پر تو انہوں نے زبردست سیکورٹی کا انتظام کر رکھا ہو اور دوسرا کنارا کھلا چھوڑ دیا ہو...... واچ ٹاور جنگل کے اس کنارے پر بھی تھا اور سرچ لائٹ بھی موجود تھی مگر اسے جان بوجھ کر بجھا دیا گیا تھا...... واچ ٹاور والوں کو وائرلیس پر اطلاع مل چکی تھی کہ ڈاکٹر پلائی کو کشمیری مجاہدین نے قتل کر دیا ہے اور وہ جنگل میں فرار ہوئے ہیں اور جنگل کے اسی علاقے میں سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے، چنانچہ اس اطلاع کے ملتے ہی اس علاقے کی سرچ لائٹ گل کر دی گئی تھیں...... یہ کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو پکڑنے کے لئے ایک ٹریپ تھا...... ایک جال تھا...... واچ ٹاور کی مشین گن پوسٹ سے اندھیرے میں بھی چیزوں کے دُھندلے خاکے دکھانے والی دُوربین سے جنگل کے اس کنارے کے باہر نکلنے والے راستوں کی مسلسل نگرانی ہو رہی تھی۔

مجاہد شاہد علی اس جال سے بے خبر یہ سوچ کر کہ راستہ صاف ہے جلدی جلدی آگے بڑھ رہا تھا...... جنگل کا یہ کنارا جہاں ختم ہوتا تھا وہاں آگے ایک میدان تھا...... ہر طرف خاموشی تھی...... شاہد علی ان درختوں سے باہر نکل آیا اور سامنے کھلے میدان کی طرف بڑھا...... جیسے ہی وہ درختوں سے باہر کھلی جگہ میں آیا اسے مشین گن پوسٹ کے کمانڈر نے اپنی دوربین میں دیکھ لیا...... اس نے فوراً اشارہ کیا...... ایک دم سے سرچ

لائٹ روشن ہو گئی اور اس کی روشنی میں شاہد علی صاف نظر آنے لگا...... شاہد علی دوڑ پڑا، مگر اس کے آگے فوجی پٹرول پارٹی کے چھ مسلح سپاہی پہلے سے گھات لگائے بیٹھے ہوئے تھے...... وہ ایک سیکنڈ میں باہر نکل آئے...... ان سب کی سٹین گنوں کا رُخ شاہد علی کی طرف تھا...... وہ پوری روشنی میں تھا۔

"گن پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھالو...... بھاگنے کی کوشش کی تو چھلنی کر دیں گے"۔

مجاہد شاہد علی سمجھ گیا کہ وہ پھنس گیا ہے اور اب دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے...... اس نے سٹین گن نیچے رکھ دی اور ہاتھ اوپر اٹھالئے...... مشین گن پوسٹ کے کمانڈر کو ریسرچ سنٹر سیکورٹی فورس کے کمانڈر کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مفرور کمانڈو کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے...... اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو بے شک اسے گولی مار دی جائے...... ایسی صورت میں کسی کمانڈو کو زندہ پکڑنا بڑا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس سے اس کے مشن اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی جاسکے اور معلومات حاصل کی جاسکیں۔

مجاہد شاہد علی پکڑا گیا تھا اور زندہ پکڑا گیا تھا۔

فوراً شاہد علی کے دونوں بازو پیچھے سے رسی سے کس کر باندھ دیئے گئے...... اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے شکاری کپڑوں کی جیب میں سے دستی بم اور کمانڈو چاقو بھی برآمد ہو گیا...... اسے پوری طرح حراست میں لینے کے بعد سیکورٹی فورس کے سپاہی اسے دھکیلتے ہوئے لے کر واچ ٹاور کی گن پوسٹ پر لے آئے...... یہاں لا کر انہوں نے مجاہد شاہد علی کے پاؤں میں بھی اس طرح رسی باندھ دی کہ وہ بمشکل چل تو سکتا تھا مگر دوڑ نہیں سکتا تھا...... اسی وقت واچ ٹاور سے پیچھے جنگل کے خفیہ ریسرچ سنٹر میں وائرلیس کر دیا گیا کہ ڈاکٹر پلائی کے قاتلوں میں سے ایک کشمیری کمانڈو کو پکڑ لیا گیا ہے...... ریسرچ سنٹر سے اسی وقت ایک ہیلی کاپٹر اُڑ کر جنگل کے کنارے میدان میں واچ ٹاور کے سامنے آکر اتر گیا...... اس میں ریسرچ سنٹر کی سیکورٹی فورس کا کمانڈر چار

سپاہیوں کے ساتھ بیٹھا تھا...... اس نے واچ ٹاور کو پیغام دیا کہ کشمیری کمانڈو کو ہیلی کاپٹر میں لایا جائے...... شاہد علی کو واچ ٹاور سے اتار کر ہیلی کاپٹر میں بٹھا دیا گیا اور ہیلی کاپٹر اسے لے کر پچاس میل کے فاصلے پر مجورا شہر کے فوجی کیمپ میں آ گیا...... وہاں شاہد علی کو کوارٹر گارڈ میں زبردست پہرے کے ساتھ بند کر دیا گیا...... صبح ہوتے ہی اسے فوجی کمانڈوز کی حراست میں ایک فوجی طیارے کے ذریعے حیدر آباد پہنچا دیا گیا۔

حیدر آباد کے نواح میں گیارہ مدراس آرٹلری رجمنٹ کا ہیڈ کوارٹر تھا...... یہاں مجاہد شاہد علی کو ملٹری انٹیلی جنس کے ٹارچر سیل میں لا کر اس سے پوچھ گچھ اور تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اُدھر جب دوسرے روز بھی مجاہد شاہد علی مجورا کے رضا کاروں کے خفیہ ٹھکانے پر نہ پہنچا تو قطب الدین اور ماسٹر سپائی رشید احمد اور کمانڈو شیر خان کو فکر لگ گئی...... رشید احمد کہنے لگا۔

"کہیں شاہد علی شہید نہ ہو گیا ہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں نے اسے ڈاکٹر پلائی کے کمرے کی چھت سے دوسری طرف چھلانگ لگاتے خود دیکھا تھا...... اس کے بعد اگر وہ سیکورٹی گارڈز کے ساتھ جھڑپ میں شہید ہو گیا ہو تو کچھ نہیں کہا جاسکتا"۔

قطب الدین بولا۔

"اس بارے میں پوری تحقیقات کرنی پڑے گی...... اگر وہ شہید ہو گیا ہے تو ہم جنگل سے اس کی میت اٹھالانے کی کوشش کریں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے بھارتی سنتریوں نے شہید کی میت کو کسی گہری کھائی یا گڑھے میں پھینک دیا ہو"۔

قطب الدین کہنے لگا۔

"تلاش کرنے میں کیا حرج ہے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"جنگل کا وہ علاقہ بے حد حساس اور خطرناک علاقہ بن چکا ہے...... وہاں جو رضا کار جائے گا وہ بھی پکڑ لیا جائے گا"۔

قطب الدین نے بڑی جرات مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گا...... میں اپنے شہید ساتھی کی میت پورے احترام کے ساتھ سپرد خاک کروں گا"۔

شیر خان اور رشید احمد خاموش ہو گئے...... وہ قطب الدین کو روک بھی نہیں سکتے تھے...... جب شیر خان نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا تو قطب الدین بولا۔

"تمہارا چہرہ مہرہ پنجاب کے رہنے والوں کا ہے...... تم خواہ کتنی مہارت سے یہاں کی تامل زبان بولو تمہارا لہجہ صاف پہچانا جاتا ہے کہ تم تامل نہیں ہو...... میں یہاں کا باشندہ ہوں...... تامل مسلمان ہوں...... میں اس جنگل کی ایک ایک جگہ سے واقف ہوں...... میں جنگل میں آدھی باسیوں کے بھیس میں بھی جاسکتا ہوں اور جنگلی دیہاتیوں کی زبان اچھی طرح سے بول لیتا ہوں...... بہر حال یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو...... میں آج ہی اپنے مجاہد ساتھی شاہد علی کی تلاش میں جاؤں گا...... اگر وہ شہید ہو گیا ہے تو میں اس کی میت تلاش کرنے کی کوشش کروں گا...... شہید کی میت کسی گہری سے گہری کھڈ میں ہو گی تو میں اس تک پہنچ جاؤں گا...... یاد رکھو...... شہید کی میت سے جنت کی خوشبو آیا کرتی ہے"۔

قطب الدین کے قابل احترام جذبات کے آگے سب نے اپنے سر جھکا دیئے...... اب اسے خفیہ ریسرچ سنٹر کے خطرناک جنگل میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

بھارت کے وسطی اور جنوبی علاقے کے دیہات میں آدھی واسیوں کا ایک ایسا قبیلہ بھی آباد ہے جس کے مرد بندروں کا تماشہ دکھا کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں...... یہ جنگل سے بندر پکڑ کر لاتے ہیں...... انہیں سدھاتے ہیں اور پھر ان کا تماشہ دکھا کر لوگوں، خاص طور پر بچوں کو خوش کرتے ہیں اور لوگ انہیں پیسے...... آٹا وغیرہ دیتے ہیں۔

دن کے ٹھیک ایک بجے قطب الدین نے اپنا حلیہ بندروں کا تماشہ دکھانے والے آدھی باسیوں والا بنایا...... ایک چھوٹا بندر ساتھ لیا...... کپڑے کا میلا سا تھیلا بغل میں لٹکایا...... ہاتھ میں چھڑی پکڑی اور مجورا سے لاری میں سوار ہو کر ریسرچ سنٹر والے جنگل کی طرف چل پڑا...... یہ لاری آگے کسی دوسرے شہر کو جاتی تھی...... پچاس کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جب وہ جگہ آئی جہاں سے ریسرچ سنٹر والا جنگل شروع ہوتا تھا تو قطب الدین لاری سے اتر پڑا اور اس میدان میں چلنے لگا جس کے دوسرے کنارے پر سے جنگل شروع ہوتا تھا اور جہاں دونوں جانب واچ ٹاور بنے ہوئے تھے۔

بندر رسی کے ساتھ بندھا قطب الدین کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... قطب الدین کے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا ڈمرو تھا جس کو بجا کر بندروں والے تماشہ دکھاتے اور بندروں کو نچاتے ہیں، مگر وہ ڈمرو بجا نہیں رہا تھا...... اس نے سب کچھ سوچ رکھا تھا کہ جب کوئی فوجی سپاہی اس سے پوچھ گچھ کرے گا تو وہ کیا جواب دے گا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... آسمان بالکل صاف تھا...... قطب الدین کو جنگل سامنے نظر آ رہا تھا...... یہ جنگل خاص طور پر اس کے لئے کوئی نئی جگہ نہیں تھی...... اسے یہ بھی علم تھا کہ سیکورٹی فورس کے واچ ٹاور کس طرف ہیں اور اگر شاہد علی کے ساتھ سیکورٹی گارڈز کے سپاہیوں کی جھڑپ ہوئی ہو گی تو وہ ان دونوں واچ ٹاوروں کے درمیان ہی ہوئی ہو گی اور اگر شاہد علی شہید ہو گیا ہے تو اس کی لاش بھی اسی علاقے میں کسی جگہ پر ملے گی۔

قطب الدین واچ ٹاوروں کے درمیان سے گزرنے کی بجائے ایک واچ ٹاور کے پہلو سے ہو کر جنگل میں داخل ہو گیا...... احتیاط کے طور پر کہ اس پر کوئی شک نہ کرے اس نے جنگل کے قریب آتے ہی ڈمرو بجانا شروع کر دیا تھا اور بندر کو اپنے کاندھے بٹھا لیا تھا...... واچ ٹاور کی گن پوسٹ سے سپاہیوں نے قطب الدین کو دیکھا مگر اسے بندروں کا تماشہ دکھانے والا سمجھ کر اس طرف توجہ نہ دی...... قطب الدین کو اپنے خاص آدمی کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ جنگل میں ریسرچ سنٹر کس مقام پر ہے، چنانچہ وہ اسی طرف چلنے لگا...... جنگل کے اندر آ کر اس نے ڈمرو بجانا بند کر دیا تھا...... بندر ابھی تک اس کے کاندھے پر بیٹھا ہوا تھا...... وہ اس سے اپنی آدھی باسی بولی میں بندر نچانے والوں کی طرح باتیں بھی کرتا جا رہا تھا تاکہ آس پاس اگر کوئی سپاہی موجود ہو تو وہ اس پر کوئی شک نہ کرے اور اسے بندر نچانے والا ہی سمجھے۔

چلتے چلتے وہ اس پرانے قبرستان تک آ گیا جس کی دوسری جانب ریسرچ سنٹر کی خاردار دیوار اور قتل ہونے والے ڈاکٹر پلائی کے کمرے کی عقبی دیوار تھی...... وہ یہ سوچنے کے لئے کہ اب اسے کس طرف جانا چاہئے قبرستان میں ایک قبر کے پاس بیٹھ گیا...... رسی سے بندھا ہوا بندر بھی اس کے سامنے دونوں ہاتھ بغلوں میں دے کر بیٹھ گیا...... قطب الدین نے تھیلے میں سے چنے نکال کر بندر کے آگے ڈالے اور اس سے باتیں شروع کر دیں...... اتنے میں اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی...... اس نے پلٹ کر دیکھا...... دو فوجی سپاہی سٹین گنیں کاندھوں سے لٹکائے اس کی طرف آ رہے تھے...... قریب آ کر ایک فوجی نے تامل زبان میں پوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

قطب الدین جلدی سے ہاتھ باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا...... بڑی عاجزی سے تامل دیہاتیوں کی بولی میں بولا۔

"مہاراج! میں راجہ بندر والا ہوں"۔

دوسرے فوجی نے رعب دار آواز میں کہا۔

"وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ تو بندر والا ہے، مگر یہاں کیا کر رہا ہے؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! غریب آدمی ہوں...... بازار سے بندر خرید نہیں سکتا...... جنگل میں آکر بندر بندریا پکڑتا ہوں اور اسے سدھا کر بچوں کو تماشہ دکھاتا ہوں...... اس وقت بھی میں کوئی بندر بندریا پکڑنے آیا ہوں"۔

دونوں فوجی تامل ناڈو کے رہنے والے تھے...... انہیں یقین آ گیا کہ یہ بندر والا ہی ہے...... وہ اس کے قریب آ گئے اور زمین پر بیٹھے چنے کھاتے بندر کو دیکھنے لگے...... ایک نے پوچھا۔

"کیوں...... یہ بندر ہے یا بندریا؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! یہ بندر ہے...... ہنومان جی کے بنش سے ہے...... بڑا بھاگوان ہے...... جب سے میرے پاس آیا ہے لوگ بڑا دان پن کرتے ہیں"۔

دونوں بھارتی فوجی وہاں پڑے پتھروں پر بیٹھ گئے اور بڑی دلچسپی سے بندر کو تکنے لگے...... قطب الدین بھی بیٹھ گیا...... اس نے ڈمرو بجا کر کہا۔

"مہاراج بندر کا تماشہ دیکھیں گے؟"۔

ایک فوجی نے اسے سختی سے منع کرتے ہوئے کہا۔

"خبردار یہاں ڈمرو مت بجانا"۔

قطب الدین نے فوراً ڈمرو بجانا بند کر دیا۔

"جو حکم مہاراج!"۔

دوسرے فوجی نے بندر کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم نے سنا ہے کہ جو بندر ہنومان جی کے بنش (خاندان) سے ہوتا ہے اس کے

پاس بڑی زبردست طاقت ہوتی ہے"۔

قطب الدین فوراً سمجھ گیا کہ طاقت سے اس فوجی کی کیا مراد ہے...... ان فوجیوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے قطب الدین کے ہاتھ ایک بڑا اچھا نقطہ آ گیا تھا...... اس نے فوراً کہا۔

"ہاں مہاراج! اس بندر میں بھی بڑی زبردست طاقت ہے...... جب یہ مستی میں ہوتا ہے تو اس کے جسم سے ایک خاص بو نکلتی ہے جس کی بو سونگھ کر جنگل کی بندریاں دُور دُور سے بھاگ کر اس کے پاس آ جاتی ہیں"۔

"اچھا؟" ایک فوجی نے بڑی دلچسپی سے کہا۔

قطب الدین نے ان بھارتی فوجیوں کی دُکھتی رگ پکڑ لی تھی...... کہنے لگا۔

"ہاں مہاراج! جنگل کی ساری بندریاں خواہ چھ ہوں خواہ دس ہوں اس بندر کے آگے پیچھے پھرنے لگتی ہیں"۔

دوسرے فوجی نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"پھر تمہارا بندر کیا کرتا ہے؟"۔

قطب الدین ہنس پڑا، کہنے لگا۔

"مہاراج! پھر میرا بندر تمام بندریوں سے بیاہ رچا لیتا ہے"۔

"سب بندریوں سے؟" پہلے فوجی نے حیران ہو کر کہا۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! میرا بندر ہنومان جی کے بنش سے ہے، اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ دنیا کی ساری بندریوں کو اپنی پتنی بنا سکتا ہے"۔

دوسرے فوجی نے للچائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دوست! یہ بتاؤ...... اس کی یہ طاقت ہمیں نہیں مل سکتی؟"۔

قطب الدین ان بھارتی سپاہیوں کو جس مقام پر لانا چاہتا تھا وہ اس جگہ پر آ گئے

تھے...... اس نے ٹال مٹول کرنے کے انداز میں جواب دیا۔

"یہ بڑا مشکل کام ہے مہاراج...... یہ بندر ہر ماہ پہاڑیوں میں نکل جاتا ہے اور پہاڑیوں کا ست سلاجیت کھاتا ہے"۔

"یہ سلاجیت کیا ہوتی ہے؟" ایک فوجی نے پوچھا۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! یہ پہاڑوں کی مستی ہوتی ہے، پہاڑیوں میں یہ ایسی جگہوں پر پتھروں کے ساتھ چمٹی ہوتی ہے کہ جہاں کسی انسان کا گزر نہیں ہوتا...... صرف یہ خاص بندر ہی اس کی بو سونگھ کر اس تک پہنچ جاتا ہے"۔

دوسرے فوجی نے بے چین ہو کر کہا۔

"راجہ! اگر تم ہمیں یہ سلاجیت لا دو تو ہم تمہیں منہ مانگے پیسے دیں گے...... تمہارا گھر کہاں ہے؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! یہاں قریب ہی ہے"۔

اس کے فوراً بعد قطب الدین نے اپنے اصل مطلب پر آتے ہوئے بڑا انجان بن کر پوچھا۔

"مہاراج کل رات کو ادھر بڑی گولیاں چلنے کی آواز آئی تھی...... کوئی ڈاکو آ گئے تھے کیا مہاراج؟"۔

پہلے فوجی نے بے نیازی سے کہا۔

"ڈاکو نہیں ایک اتنک وادی (دہشت گردی) آ گیا تھا"۔

قطب الدین نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"سالے کو مار ڈالنا تھا وہیں"۔

فوجی نے کہا۔

"ارے بے وقوف اٹنک وادی (دہشت گرد) زندہ ہاتھ آجائے تو اس کی گردن دبا کر پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں...... اس طرح ہم اس کے باقی ساتھیوں کو بھی پکڑ لیتے ہیں"۔

قطب الدین نے احمقوں کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی...... یہ تو آپ نے ٹھیک کہا...... تو کیا آپ نے اس دہشت گرد کو پکڑ لیا تھا نا؟"۔

"کیوں نہیں" دوسرے فوجی نے بڑی شان سے کہا...... "پکڑ بھی لیا اور اسے حیدر آباد کے فوجی کیمپ میں بھی پہنچا دیا...... تم ان باتوں کو چھوڑو اور ہماری بات کا جواب دو...... کیا تم ہمیں وہ سلاجیت لا کر دے سکتے ہو جو ہنومان جی کے بندر کھاتے ہیں؟ ہم تمہیں بڑے روپے دیں گے"۔

سارا منصوبہ قطب الدین کے دماغ میں آچکا تھا...... اس نے کہا۔

"مہاراج! ہمارے قبیلے میں کسی باہر کے آدمی کو ہنومان جی کے بندر کی سلاجیت دینا بہت بڑا پاپ سمجھا جاتا ہے...... میں نے آپ کو سلاجیت دی اور قبیلے والوں کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

دونوں فوجی اور زیادہ بے تاب ہو گئے...... ایک نے کہا۔

"راجہ! ہم سے بھگوان کی شپت لے لو...... ہم تمہارا راز کسی کو نہیں بتائیں گے...... بس تم ہمیں ہنومان جی کی سلاجیت لا کر دے دو...... کہو کب لاؤ گے؟ ہم تمہیں ایک ہزار روپیہ دیں گے؟ کیا ہم تمہارے گاؤں آجائیں"۔

قطب الدین نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"نا مہاراج نا...... یہ کام نہ کرنا...... میرے گاؤں آئے تو سب کو شک پڑ جائے گا کہ راجہ سے سلاجیت لینے آئے ہیں"۔

دوسرے فوجی نے کہا۔

"تو پھر تم کل اسی وقت سلاجیت لے کر یہاں آجاؤ...... ہم ایک ہزار روپیہ لے کر اسی جگہ تمہارا انتظار کریں گے"۔

قطب الدین نے ترپ کا پتہ پھینکتے ہوئے کہا۔

"مگر مہاراج! ہنومان جی کی سلاجیت میرے بھائی کے پاس ہے...... اس کے پاس اتنی سلاجیت ہے کہ آپ دونوں کو ساری عمر کام آئے گی"۔

"تو پھر اپنے بھائی سے لے آؤ، یار ہمیں اس کے پاس لے چلو" پہلے فوجی نے کہا۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج! میرا بھائی حیدر آباد میں رہتا ہے...... میں آپ کے لئے یہ کر سکتا ہوں کہ آپ وہاں پہنچ جائیں...... میں آپ کو اپنے بھائی سے سلاجیت لے کر دے دوں گا...... اکیلے آپ جائیں گے تو وہ آپ سے بات بھی نہیں کرے گا"۔

پہلا فوجی بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات تم نے کی...... میرا ایک دوست حیدر آباد میں آرٹلری رجمنٹ کا حوالدار ہے، اس کا نام حوالدار رام جی ہے...... وہ میرا بچپن کا یار ہے...... میں اس کے نام پرچہ لکھ کر تمہیں دے دیتا ہوں...... تم اسے سلاجیت دے دینا...... وہ تمہیں ہزار روپے دے دے گا، مگر یاد رکھنا...... اگر نقلی سلاجیت دی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا...... قطب الدین کا کام عین اس کے منصوبے کے مطابق ہو رہا تھا...... اس نے کہا۔

"مہاراج! ہم ہنومان جی کے بھگت ہیں...... ان کے نام کی چیز نقلی دی تو ہمیں ان کا سراپ (بددعا) لگے گی...... آپ پرچہ لکھ دیں...... میں حیدر آباد جا کر آپ کے دوست حوالدار رام جی سے مل لوں گا"۔

پہلے فوجی نے کہا۔

"میرا نام لانس نائیک بھگت رام ہے، یاد رکھنا"۔

لانس نائیک بھگت رام نے جیب سے پاکٹ بک نکالی...... پنسل اس کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی...... بھگت رام نے ایک رقعہ لکھ کر قطب الدین کے حوالے کیا اور پوچھا۔

"تم پڑھ لیتے ہو؟"۔

قطب الدین نے ہنس کر کہا۔

"نہیں مہاراج...... ہم تو ان پڑھ ہیں"۔

لانس نائیک بھگت رام نے کہا۔

"پرچے پر میں نے اپنے دوست حوالدار ام جی کا پتہ لکھ دیا ہے...... میں تمہیں سمجھا بھی دیتا ہوں کہ وہ تمہیں کہاں ملے گا"۔

بھگت رام نے قطب الدین کو حیدر آباد میں اپنے دوست حوالدار رام جی کے کوارٹر کا پورا پتہ سمجھایا اور کہا۔

"میں تمہیں حیدر آباد آنے جانے کا ریل کا کرایہ بھی دے دیتا ہوں...... تم آج ہی حیدر آباد چلے جاؤ"۔

سلاجیت کا ان دونوں بھارتی سپاہیوں پر کچھ ایسا نشہ چڑھ گیا تھا کہ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ بندر والا مداری کہیں ان کے پیسے لے کر بھاگ نہ جائے...... بھگت رام نے قطب الدین کو چالیس روپے بٹوے سے نکال کر دیئے، کہنے لگا۔

"یاد رکھو راجہ...... اگر تم نے ہمیں دھوکا دیا تو تم جہاں بھی ہو گے ہم تمہیں تلاش کر لیں گے اور پھر کوارٹر گارڈ میں بند کر دیں گے"۔

قطب الدین نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"نہیں مہاراج نہیں...... ہم ایسا نہیں کر سکتے...... ہم آج ہی حیدر آباد جا کر آپ کے دوست کو یہ پرچہ پہنچا دیں گے"۔

پہلے فوجی نے کہا۔

"بس اب جاؤ...... اس طرف سے باہر نکلنا"۔

قطب الدین نے بندر کو کاندھے پر بٹھایا اور رام رام کہہ کر جس طرف فوجی نے اسے کہا تھا اس طرف چل دیا...... اسے یہاں آنے کی وجہ سے دو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں...... پہلی کامیابی یہ ہوئی تھی کہ اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ مجاہد شاہد علی شہید نہیں ہوا بلکہ پکڑا گیا ہے اور فوجی اسے حیدر آباد فوجی کیمپ میں لے گئے ہیں...... دوسری کامیابی یہ حاصل ہوئی تھی کہ اسے حیدر آباد کے بھارتی فوجی کیمپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہاتھ آ گیا تھا...... یہ ذریعہ حیدر آباد میں مقیم آرٹلری رجمنٹ کا حوالدار رام جی تھا جسے قطب الدین نے ملنا تھا اور اسے لانس نائیک بھگت رام کا خط پہنچانا تھا...... یہ خط تامل زبان میں لکھا ہوا تھا...... قطب الدین نے اسے پڑھ لیا تھا...... اس میں حوالدار رام جی کو تاکید کی گئی تھی کہ مداری راجہ کا بھائی تمہیں جو سلاجیت دے گا اسے اچھی طرح سے پرکھنا اور اگر وہ اصلی ہوئی تو مداری راجہ کو ایک ہزار روپے دے دینا۔

قطب الدین اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

اس نے ماسٹر سپائی رشید احمد کو اور شیر خان کو ساری داستان سنائی اور کہا۔

"مجھے اُمید نہیں تھی کہ مجھے اتنی بڑی کامیابی اچانک حاصل ہو جائے گی"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ حیدر آباد میں حوالدار رام جی سے مل کر تمہیں مجاہد شاہد علی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو جائے گا"۔

قطب الدین بولا۔

"میں زیادہ سے زیادہ سراغ رسانی کرنے بلکہ اس حوالدار کے ذریعے شاہد علی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا...... اس کے بعد دیکھوں گا کہ میں اسے کیمپ سے نکالنے کے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا...... شیر خان بھی ہمارے ساتھ جائے گا...... حیدر آباد میرا ہیڈ کوارٹر ہے...... وہاں ہمیں ہر قسم کی سہولت میسر آسکتی ہے"۔

قطب الدین بولا۔

"تمہارا ساتھ جانا بہت ضروری ہے...... ہم آج ہی کسی گاڑی سے حیدر آباد روانہ ہو جائیں گے"۔

شام کے وقت ایک گاڑی حیدر آباد جاتی تھی...... تینوں مجاہد رشید احمد، شیر خان اور قطب الدین گاڑی میں سوار ہو کر حیدر آباد روانہ ہو گئے...... کافی لمبا سفر تھا...... انہیں ساری رات اگلا سارا دن اور اگلی ساری رات ٹرین میں گزر گئی...... اگلے دن صبح کے وقت وہ حیدر آباد پہنچے۔

حیدر آباد پہنچتے ہی وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر آ گئے...... وہاں دوسرے مجاہدوں اور رضاکاروں سے بھی ملاقات ہو گئی...... قطب الدین کہنے لگا۔

"اس وقت حوالدار رام جی فوجی کیمپ میں ڈیوٹی پر ہو گا...... میں اسے شام کو اس کے کوارٹر میں جا کر ملوں گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"مگر اس کا کوارٹر بھی تو کیمپ کے اندر ہی ہو گا...... کیا سنتری تمہیں اندر جانے کی اجازت دیں گے...... تم آدھی باسی دیہاتیوں کے حلیے میں ہو گے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں اس کا بندوبست کر لوں گا"۔

شام ہوتے ہی قطب الدین نے تامل ناڈو کے دیہاتیوں ایسا حلیہ بنایا اور حوالدار رام جی کے کوارٹر کی طرف چل پڑا جو مدراس آرٹلری رجمنٹ کے کیمپ میں تھا...... کیمپ شہر سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں تھا...... چاروں طرف خاردار تاروں کی دیوار تھی...... گیٹ پر ایک فوجی سنتری پہرہ دے رہا تھا...... قطب الدین نے سنتری کو جا کر دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور کہا۔

"مہاراج! میرا نام راجہ بھیکو ہے...... مجھے حوالدار رام جی سے ملنا ہے...... میں اس کے چچا جی کا بڑا ضروری سندیسہ لے کر گاؤں سے آیا ہوں"۔

سنتری نے قطب الدین کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور کہا۔

"اس طرف ہو کر بیٹھ جاؤ...... میں اس کو خبر کرتا ہوں"۔

قطب الدین ایک طرف ہو کر زمین پر ہی بیٹھ گیا...... سنتری نے گارڈ روم میں جا کر ٹیلی فون پر کسی سے کچھ دیر بات کی اور باہر آ کر بولا۔

حوالدار رام جی آ رہا ہے...... یہیں بیٹھے رہو۔

"بہت اچھا مہاراج" قطب الدین نے عاجزی سے کہا۔

کچھ دیر کے بعد ایک گہرے سانولے رنگ کا آدمی فوجی وردی میں چلتا گیٹ پر آ گیا...... اس نے سنتری سے پوچھا۔

"کون آیا ہے میرے گاؤں سے جوان؟"۔

سنتری نے کہا۔

"سر! وہ آدمی آیا ہے"۔

اس نے قطب الدین کی طرف اشارہ کیا...... حوالدار رام جی گیٹ سے نکل کر قطب الدین کی طرف بڑھا...... قطب الدین بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر حوالدار کو پرنام کیا...... حوالدار رام جی نے تلگو زبان میں پوچھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"۔

حوالدار رام جی اسی صوبے یعنی آندھرا پردیش کا رہنے والا تھا...... قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! آپ کے نام ایک ضروری خط لایا ہوں"۔

"کس نے دیا ہے خط؟" حوالدار نے پوچھا۔

قطب الدین نے جیب سے خط نکالتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! آپ کے دوست لانس نائیک بھگت رام نے دیا ہے جو مجورا کیمپ میں ہے"۔

بھگت رام کا نام سن کر حوالدار رام جی کی حیرانی ذرا کم ہو گئی...... کہنے لگا۔

"تم اسے کہاں ملے تھے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج! آپ خط پڑھ لیں...... آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا"۔

حوالدار رام جی نے کھڑے کھڑے سارا خط پڑھ ڈالا...... خط پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر ایک خوشگوار سی تبدیلی نمودار ہو گئی تھی...... لگتا تھا کہ وہ خود ہنومان جی کی سلاجیت کا ضرورت مند تھا اور اسے اس کی تلاش تھی...... وہ قطب الدین کو کیمپ کے گیٹ سے ذرا پرے ایک درخت کے نیچے لے آیا اور پوچھا۔

"یہ سلاجیت تمہارے بھائی کے پاس ہے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"ہاں مہاراج! میرے بھائی کے پاس ہے اور وہ حیدر آباد میں ہی رہتا ہے"۔

حوالدار نے کہا۔

"کان کھول کر سن لو...... مجھے سلاجیت کی بڑی پہچان ہے...... اگر تمہاری سلاجیت نقلی ہوئی تو تم جہاں بھی ہو گے تمہاری گردن پکڑ لوں گا"۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج! ہم ہنومان جی کے بھگت ہیں، ہنومان جی کے مال میں ملاوٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے...... آپ کو مال بالکل کھرا ملے گا"۔

حوالدار رام جی کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے تم آج رات کے گیارہ بجے چوک چار مینار میں آ جانا...... وہاں ایک چائے کا ہوٹل ہے جس کا نام کرشنا ریسٹورنٹ ہے...... میں تمہیں وہیں ملوں گا...... تمہاری رقم میں اپنے ساتھ لیتا آؤں گا، مگر یاد رکھو مال اصلی ہونا چاہئے"۔

قطب الدین کو معلوم تھا کہ وہ رات کو سلاجیت نہیں لا سکتا تھا...... سلاجیت کا بندوبست ماسٹر سپائی رشید احمد نے دوسرے دن کرنا تھا، چنانچہ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج شما کر دیجئے...... مجھے دُور سے آنا پڑتا ہے، رات کو نہیں آ سکوں گا......

آپ کل دن کے وقت وہاں آجائیں“۔

حوالدار رام جی سوچ میں پڑ گیا...... کہنے لگا۔

”کل دن کے وقت ہمیں ایک خطرناک قیدی کو جھومر پٹی کیمپ لے جانا ہے...... نہیں نہیں...... میں کل دن میں نہیں آسکتا“۔

قطب الدین کے کان کھڑے ہو گئے...... اس نے انجان سا بن کر کہا۔

”مہاراج! کیا یہ خطرناک قیدی کوئی قاتل ڈاکو ہے“۔

حوالدار رام جی کل دن میں کوئی وقت نکالنے کی سوچ میں اُلجھا ہوا تھا...... اس نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔

”ارے نہیں...... یہ کشمیری جاسوس ہے“۔

”مہاراج پھر ضرور یہ شاہد علی ہی ہوگا“۔

قطب الدین نے گنواروں کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا...... حوالدار رام جی نے چونک کر قطب الدین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

”تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟“۔

قطب الدین بولا۔

”مہاراج اس کشمیری جاسوس کا نام تو ہمارے گاؤں میں سب کو معلوم ہے...... ہمارے گاؤں کا مکھیا شام کو ہمیں اخبار کی خاص خاص خبریں سنایا کرتا ہے...... اس میں اس کشمیری اٹنک وادی (دہشت گرد) کی خبریں بھی ہوتی ہیں کہ اس نے فلاں جگہ بم کا دھماکہ کیا...... فلاں جگہ ہمارے جوانوں کے کیمپ پر حملہ کیا...... میں نے سوچا کہ ضرور یہ وہی اٹنک وادی ہوگا“۔

حوالدار رام جی کو قطب الدین کی وضاحت پر یقین سا ہو گیا تھا...... اس نے بے دلی سے کہا۔

”ہاں وہی مصیبت ہے...... پوری رجمنٹ اس کی نگرانی کے لئے ساتھ جارہا

ہے...... ایسا کرو تم کل اسی وقت یعنی شام کا ٹائم رکھ لو“۔

اب قطب الدین کو کوئی ٹائم طے کرنے یا نہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی...... اسے اب صرف خانہ پری ہی کرنی تھی...... اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے مہاراج! ہم کل شام ٹھیک چھ بجے چار مینار والے کرشنا ریسٹورنٹ میں آپ کا مال لے کر پہنچ جائیں گے“۔

حوالدار رام جی بولا۔

”مجھے پہچان لو گے نا؟ میں وردی میں نہیں ہوں گا...... سویلین ڈریس میں ہوں گا“۔

قطب الدین نے کہا۔

”مہاراج پہچانوں گا کیوں نہیں...... اچھا مہاراج اب چلتا ہوں...... کل شام کو ملاقات ہوگی“۔

”سلاجیت لانا مت بھولنا“ حوالدار بولا۔

”کیوں نہیں مہاراج! بے فکر ہو کر جائیں“ قطب الدین نے کہا۔

اس کے بعد حوالدار رام جی کیمپ کے گیٹ کی طرف چلا گیا اور قطب الدین واپس اپنی تنظیم کے حیدر آباد والے خفیہ ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑا۔

ماسٹر سپائی، شیر خان اور دوسرے ضاکار اس کا انتظار کر رہے تھے...... قطب الدین نے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ کر ماسٹر سپائی رشید احمد کو ساری کہانی بیان کر دی اور کہا۔

”شاہد علی کو کل دن کے وقت جھومر پٹی کے فوجی کیمپ میں لے جایا جارہا ہے...... یہ فوجی کیمپ کس جگہ پر ہے؟“۔

رشید احمد بولا۔

”یہ حیدر آباد سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ایک نیم پہاڑی علاقے میں ہے...... یہ کوئی اتنا بڑا کیمپ نہیں ہے...... کانٹے دار تاروں کی دیواریں کھڑی کر کے اندر دو چار

بیر کیس بنادی گئی ہیں...... پرانا کیمپ ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"کیا ہم راستے میں حملہ کر کے شاہد علی کو نہیں چھڑا سکتے؟"۔

قطب الدین نے جواب میں کہا۔

"حوالدار رام جی نے بتایا تھا کہ پوری ایک رجمنٹ شاہد علی مجاہد کی نگرانی کے لئے ساتھ جارہی ہے...... ہم پوری رجمنٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتے"۔

کچھ دیر کے لئے وہاں سب خاموش ہو گئے...... رشید احمد کہنے لگا۔

"لیکن اس بات کی تصدیق کرنی ضروری ہے کہ یہ لوگ کمانڈو شاہد علی کو ہی جھومر پٹی لے کر جارہے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"شہر سے باہر باہر ایک سڑک جھومر پٹی کے پرانے کیمپ کو جاتی ہے...... ہم وہاں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور دیکھیں گے کہ وہاں سے یہ فوجی شاہد علی کو لے کر گزرتے ہیں کہ نہیں"۔

قطب الدین نے کہا۔

"لیکن انہوں نے کمانڈو شاہد علی کو کسی کھلی جیپ میں تھوڑی بٹھایا ہوا ہو گا...... وہ تو ہمیں دکھائی نہیں دے گا"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن فوج کی رجمنٹ کے گزرنے سے کم از کم اس بات کی تصدیق ضرور ہو جائے گی کہ کل دن کے وقت ایک فوجی رجمنٹ جھومر پٹی کیمپ میں جائے گی اور ننانوے فی صد اس بات کا امکان ہے کہ شاہد علی اس رجمنٹ کی حراست میں ہی ہو"۔

قطب الدین بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے...... ہم جھومر پٹی کو جانے والی سڑک پر کسی خاص جگہ چھپ کر بیٹھ جائیں گے...... لیکن ہمیں یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ فوجی دن میں کس وقت وہاں سے گزریں گے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"فوجی کانوائے عام طور پر صبح صبح ہی روانہ ہوتے ہیں"۔

رشید احمد بولا۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ فوجی صبح صبح ہی شاہد علی کو لے کر جائیں گے...... ہم صبح کی اذان کے ساتھ ہی اپنے سپاٹ کی طرف چل پڑیں گے"۔

چنانچہ اگلے روز صبح کی اذان کے ساتھ ہی ماسٹر سپائی رشید احمد جنوبی بھارت کے شہر مجورا کا چیف قطب الدین، شیر خان کو لے کر خفیہ ٹھکانے سے نکل پڑے اور اس سڑک پر آکر جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے جو آگے جھومر پٹی کے فوجی کیمپ کو جاتی تھی...... ابھی سورج نہیں نکلا اور رات کا ہلکا پھلکا اندھیرا ہی تھا...... قطب الدین اور رشید احمد ساتھ ساتھ ہی تھے...... شیر خان ذرا دور ایک جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوا تھا...... سڑک خالی پڑی تھی...... آہستہ آہستہ دن کا اُجالا نمودار ہو رہا تھا...... قطب الدین نے رشید احمد سے کہا۔

"کہیں فوجی کمانڈو شاہد علی کو لے کر ہم سے پہلے نہ نکل گئے ہوں"۔

رشید احمد نے کہا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا...... بہر حال ہم انتظار کریں گے"۔

"چونکہ یہ سڑک آگے جھومر پٹی کیمپ پر جا کر ختم ہو جاتی تھی، اس لئے اس پر کوئی ٹریفک نہیں تھی...... صرف ایک فوجی ٹرک گزر گیا تھا...... اس کے بعد سڑک پھر خالی ہو گئی تھی...... مشرق کی جانب پہاڑی ٹیلوں کے پیچھے سے سورج کی طلوع ہوتی کرنوں نے آسمانوں کو روشن کر دیا...... عین اس وقت ایک جیپ بڑی تیزی سے شہر کی

طرف سے آتی ہوئی کیمپ کی طرف نکل گئی۔

رشید احمد بولا۔

"لگتا ہے کوئی کانوائی آرہا ہے"۔

اس کے بعد ایک اور جیپ گزر گئی جس میں مسلح بھارتی فوجی بیٹھے تھے...... اس جیپ کے گزر جانے کے بعد دو جیپیں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آئیں...... ان کے پیچھے ایک بکتر بند گاڑی تھی...... بکتر بند گاڑی کے پیچھے پھر دو فوجی جیپیں تھیں جن میں مسلح فوجی کھڑے تھے...... بکتر بند گاڑی اور چاروں جیپیں بڑی تیزی سے سڑک پر سے گزر گئیں...... اس کے بعد سڑک پر خاموشی چھا گئی...... رشید احمد نے کہا۔

"قطب الدین! مجھے یقین ہے کہ اس بکتر بند گاڑی میں کمانڈو شاہد علی کو لے جایا گیا ہے"۔

قطب الدین بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

اس دوران شیر خان بھی جھاڑی کے پیچھے سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آگیا اور کہنے لگا۔

"شاہد علی کو اسی بکتر بند گاڑی میں کیمپ لے جایا گیا ہے...... مجھے پورا یقین ہے؟"۔

وہ تینوں کچھ دیر وہاں چھپ کر بیٹھے رہے...... جب کوئی فوجی گاڑی وہاں سے نہ گزری اور دن بھی کافی نکل آیا تو وہ اٹھے اور واپس چل پڑے...... شیر خان نے قطب الدین سے پوچھا۔

"اب تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"پہلے تو ہمیں یہ پتہ چلانا ہوگا کہ اس فوجی بکتر بند گاڑی میں کمانڈو شاہد علی ہی

تھا...... اس کے بعد یہ کھوج لگانا ہوگا کہ اگر شاہد علی کو جھومر پٹی کیمپ میں ہی لایا گیا ہے تو اسے کس جگہ پر رکھا گیا ہے...... اس کے بعد ہی ہم کوئی ایکشن پلان بنانے کی پوزیشن میں ہوں گے"۔

رشید احمد اور شیر خان خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے...... شیر خان نے رشید احمد سے سوال کیا۔

"یہ بتائیں کہ اس جھومر پٹی فوجی کیمپ میں آپ کا کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمیں یہ معلومات فراہم کر سکے کہ شاہد علی کو کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے اور دوسرے یہ بتا سکے کہ اس کیمپ میں فوج کی نفری کتنی ہے اور سیکورٹی کا کیا انتظام ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا...... اس سلسلے میں مجھے اپنے رضاکار امجد خان سے بات کرنی ہوگی...... اسے اپنے ان آدمیوں کا سارا پتہ ہے جو مختلف فوجی اور سرکاری محکموں میں ہمیں معلومات فراہم کرنے کے فرائض انجام دے رہے ہیں"۔

اپنے خفیہ ٹھکانے پر واپس آکر رشید احمد نے ایک آدمی بھیج کر رضاکار امجد خان کو بلا لیا...... امجد خان سے پوری بات ہوئی تو اس نے کہا۔

"ہمارا ایک آدمی جھومر پٹی کے فوجی کیمپ میں ضرور موجود ہے...... میں آج رات اسے ساتھ لے کر یہاں آجاؤں گا...... "وہ اس بارے میں بہت کچھ بتا سکے گا...... وہ پچھلے پانچ سال سے اس فوجی کیمپ میں ملازم ہے"۔

رات کے نو بج رہے تھے جب رضاکار امجد خان فوجی کیمپ والے اپنے آدمی کو لے کر آگیا...... ہم اس خاص آدمی کا نہ تو نام بتائیں گے اور نہ اس کا حلیۂ بیان کریں گے، کیونکہ یہ مجاہد آج بھی وہاں اپنے فرائض ادا کر رہا ہے...... رشید احمد نے اس خاص آدمی سے سارا مدعا بیان کیا تو وہ بولا۔

"آج صبح ایک کشمیری مجاہد کو قید کر کے کیمپ میں لایا ضرور گیا ہے مگر نہ تو میں

نے اسے دیکھا ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کا نام کیا ہے...... یہ میں کل معلوم کرنے کی کوشش کروں گا"۔

رشید احمد نے کہا۔

"کوشش ہی نہیں کرنی بلکہ اس کشمیری مجاہد کا نام ہر حالت میں معلوم کرنا ہے اور یہ بھی پتہ چلانا ہے کہ اسے کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے"۔

شیر خان نے سوال کیا۔

"اس کیمپ میں فوج کی نفری کتنی ہے اور سیکورٹی کے انتظام کی کیا پوزیشن ہے؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"عام حالات میں تو سیکورٹی نارمل ہی ہوتی ہے، یعنی گیٹ پر ایک سنتری ہر وقت پہرے پر موجود ہوتا ہے...... رات کو ایک دو فوجی کبھی کبھی کیمپ کی چار دیواری کا چکر لگا لیتے ہیں، لیکن اب ایک کشمیری مجاہد کو وہاں گرفتار کر کے لایا گیا ہے اس لئے سیکورٹی کا نظام سخت کر دیا گیا ہے...... آج دوپہر کو ہی کیمپ کے گیٹ کی دائیں جانب ایک مشین گن پوسٹ بن گئی تھی اور میرا خیال ہے کہ رات کو بھی پہرے دار سنتریوں کی تعداد بڑھا دی گئی ہوگی"۔

"اور فوج کتنی ہے یہاں پر؟" قطب الدین نے پوچھا۔

خاص آدمی کہنے لگا۔

"یہ انڈین آرمی کی ساتویں انفنٹری ڈویژن کا سپلائی کیمپ ہے...... یہاں انفنٹری کی صرف چار پلاٹون تعینات ہیں...... جن کا پلاٹون کمانڈر ایک مرہٹہ کرنل واڈیکر ہے"۔

"کیا اس کیمپ میں ایمونیشن ڈمپ بھی ہے؟"۔

شیر خان نے پوچھا۔

خاص آدمی نے جواب میں کہا۔

"نہیں نہیں...... یہ کوئی ایمونیشن سپلائی کیمپ نہیں ہے...... یہ فوڈ راشن کا سپلائی کیمپ ہے اور یہاں سے آگے اورنگ آباد قلعے کی فوجی پلاٹونوں کو ہفتے میں ایک بار راشن سپلائی ہوتا ہے...... ایمونیشن کی پوزیشن یہ ہے کہ ایک سٹور ہے جس میں عام حالات میں استعمال کیے جانے والا اسلحہ ہر وقت موجود رہتا ہے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"دوست! اب تمہاری یہ ڈیوٹی ہے کہ تم یہ پتہ کرو کہ جو کشمیری مجاہد آج کیمپ میں لایا گیا ہے اس کا نام کیا ہے اور اسے کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے"۔

خاص آدمی نے جواب دیا۔

"یہ میں انشاءاللہ معلوم کر کے کل رات کو اسی وقت آپ کو بتا دوں گا"۔

جب خاص آدمی چلا گیا تو شیر خان نے رشید احمد سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں یہ آدمی معاملے کی پوری سراغ رسانی کر سکے گا؟"۔

ماسٹر سپائی رشید احمد بولا۔

"مجھے اس آدمی پر پورا بھروسہ ہے تم بے فکر رہو...... یہ اپنے محدود وسائل میں رہ کر جتنی جاسوسی کر سکے گا اتنی ضرور کرے گا"۔

وعدے کے مطابق خاص آدمی دوسری رات مجاہدوں کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا...... ماسٹر سپائی رشید نے پوچھا۔

"کہو...... کیا خبر لائے ہو؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کشمیری مجاہد کو گرفتار کر کے سپلائی کیمپ میں لایا گیا ہے اس کا نام شاہد علی ہی ہے"۔

ماسٹر سپائی رشید نے شیر خان سے کہا۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا"۔

پھر اس نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"شاہد علی کو کہاں رکھا گیا ہے؟"۔

خاص آدمی ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا، پھر کہنے لگا۔

"مجاہد شاہد علی کو جہاں رکھا گیا ہے وہاں کسی باہر کے آدمی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... کیمپ کا کوئی فوجی بھی کیمپ کمانڈر کی اجازت کے بغیر وہاں نہیں جاسکتا......اس کے علاوہ کیمپ کے اندر اور باہر سیکورٹی اتنی سخت کر دی گئی ہے کہ کوئی پرندہ بھی اڑتا ہوا وہاں آجائے تو سیکورٹی کو معلوم ہو جاتا ہے"۔

ماسٹر سپائی رشید اور شیر خان چپ تھے...... خاص آدمی نے پوچھا۔

"سر! یہ کشمیری مجاہد کوئی زبردست کمانڈو لگتا ہے...... اس سے پہلے بھی کیمپ میں کچھ قیدی لائے گئے تھے مگر تب سیکورٹی کا اتنا سخت انتظام نہیں تھا"۔

ماسٹر سپائی رشید نے کہا۔

"شاہد علی سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی ہو گی"۔

خاص آدمی کہنے لگا۔

"میری سراغ رسانی کے مطابق جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اسی کوٹھڑی میں ہو رہا ہے جہاں مجاہد شاہد علی کو بند کیا گیا ہے...... پوچھ گچھ کرنے والے دو فوجی کیمپ کمانڈر واڈیکر کے ساتھ شام کو پوچھ گچھ کے لئے آتے اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد واپس چلے جاتے ہیں"۔

خاص آدمی خاموش ہو گیا۔

آخر اس خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے کمانڈو شیر خان نے سوال کیا۔

"تم نے تو وہ ساری جگہ دیکھی ہوئی ہے جہاں کمانڈو شاہد علی کو قید میں رکھا ہوا ہے...... یہ بتاؤ کہ یہ کوٹھڑی یا جیل خانہ کیمپ میں کس جگہ پر ہے اور اس کے ارد گرد کیا ہے؟"۔

خاص آدمی بولا۔

"یہ پتھر کی دیواروں والی کوٹھڑی کیمپ کے جنوب کی طرف ہے...... اس کے پیچھے کانٹے دار تاروں والی سات فٹ اونچی دیوار کوٹھڑی سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر ہے"۔

رشید نے شیر خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کانٹے دار تار کی دیوار کو کسی جگہ سے کاٹ کر کیمپ کے اندر پہنچا جاسکتا ہے"۔

یہ سن کر خاص آدمی نے کہا۔

"ان کانٹے دار تاروں میں شام ہوتے ہی بجلی کی رو چھوڑ دی جاتی ہے...... اس کے ان تاروں کے ساتھ خطرے کے سائرن منسلک کر دیئے گئے ہیں...... اس کا دن میں ایک بار میری موجودگی میں تجربہ بھی ہو چکا ہے...... کانٹے دار تار سے کوئی بھی چیز ٹکرائے تو یہ سائرن چیخنے لگتے ہیں"۔

رشید نے کہا۔

"پہلے تو کیمپ میں ایسا انتظام نہیں تھا"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"کشمیری مجاہد کے کیمپ میں لائے جانے کے بعد ہی یہ سارا انتظام کیا گیا ہے تاکہ قیدی کسی حالت میں بھی فرار نہ ہو سکے"۔

کمانڈو شیر خان اس دوران کسی گہری سوچ میں گم بھی تھا اور خاص آدمی کی باتیں بھی سن رہا تھا...... جب اسے معلوم ہوا کہ کیمپ کی کانٹے دار تار والی دیوار میں بھی شگاف نہیں ڈالا جاسکتا تو اس نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"کمانڈو شاہد علی کی کوٹھڑی کے باہر پہرے کی کیا پوزیشن ہے"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"کوٹھڑی کے باہر رات کے وقت ایک مسلح فوجی ہر لمحے موجود رہتا ہے......

ایک فوجی رات بارہ بجے تک پہرہ دیتا ہے...... بارہ بجے کے بعد دوسرا فوجی آ کر ڈیوٹی سنبھال لیتا ہے...... کیمپ کے اندر اور باہر سیکورٹی کا نظام اس قدر سخت ہے کہ کوٹھڑی کے باہر صرف ایک گارڈ کو ہی ڈیوٹی پر کافی سمجھا گیا ہے“۔

”کیا کوٹھڑی کو باہر سے تالا لگا ہوتا ہے؟“

کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

خاص آدمی بولا۔

”جی ہاں...... باقاعدہ تالا لگا ہوتا ہے اور اس کی ایک چابی پہرے پر موجود فوجی جوان کے پاس ہوتی ہے اور دوسری چابی کیمپ کمانڈر کے پاس ہوتی ہے...... پہرے پر کھڑے سنتری کے پاس چابی اس لئے رکھی جاتی ہے کہ اگر دن بھر کے تشدد کے باعث قیدی کی حالت رات کو بگڑ جائے اور درد کی شدت سے قیدی کی چیخ و پکار میں اضافہ ہو جائے تو فوجی جوان کیمپ کے میڈیکل افسر کو فوراً اطلاع دے کر اسے قیدی تک فوجی گارڈ کی موجودگی میں پہنچا سکے، کیونکہ کیمپ کمانڈر کو اوپر سے ہدایات ملی ہوئی ہیں کہ کشمیری مجاہدین کو ہر قسم کی اذیت دی جائے مگر اسے ہر حالت میں زندہ رکھا جائے تاکہ اس سے کشمیری کمانڈوز کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جا سکیں“۔

رشید احمد نے پوچھا۔

”کمانڈو شاہد علی کو کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو تو دیتے ہی ہوں گے...... وہ کھانا وغیرہ کون اسے دینے جاتا ہے“۔

خاص آدمی نے کہا۔

”یہ ڈیوٹی ایک حوالدار کے سپرد ہے جو بڑا متعصب برہمن ہے اور جب وہ ٹین کے ڈبے میں دال اور ایک دو چپاتیاں لے کر شاہد علی کی کوٹھڑی میں جاتا ہے تو دو مسلح سپاہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں“۔

ان سب باتوں کو سننے کے بعد ماسٹر سپائی رشید احمد نے کمانڈو شیر خان سے کہا۔

”اب تو ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ شاہد علی کی کوٹھڑی تک ایک سرنگ کھودی جائے“۔

خاص آدمی بولا۔

”یہ بھی ناممکن ہے، کیونکہ یہ کیمپ پتھریلی زمین پر بنا ہوا ہے...... شاید اسی وجہ سے اس فوجی کیمپ میں خطرناک قیدی لا کر رکھے جاتے ہیں کیونکہ اس کیمپ کے نیچے سرنگ نہیں کھودی جا سکتی...... کہتے ہیں کہ گندے پانی کے نکاس کے لئے کیمپ کے نیچے پائپ بچھاتے وقت پورے چھ ماہ لگ گئے تھے...... جدید مشینوں کی مدد سے زمین کے نیچے پتھروں کو توڑ کر پائپ بچھایا گیا تھا“۔

زمین دوز پائپ کے نام پر کمانڈو شیر خان کچھ چونکا...... اس نے خاص آدمی سے کہا۔

”اس پائپ کی لمبائی کتنی ہے؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟“۔

خاص آدمی بولا۔

”یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ لمبائی کتنی ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ کیمپ کا گندا پانی ایک بڑے پائپ کے ذریعے کیمپ کے جنوب میں کوئی ڈیڑھ دو سو فٹ دور جا کر ایک کھائی میں گرتا ہے“۔

کمانڈو شیر خان نے رشید احمد سے کہا۔

”اس پائپ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا سکتی ہے“۔

شیر خان نے رشید احمد کے جواب کا انتظار کئے بغیر خاص آدمی سے پوچھا۔

”کیمپ کے گٹر کا پانی پائپ کے ذریعے جس کھائی میں گرتا ہے وہ کس جگہ پر واقع ہے؟“۔

خاص آدمی نے بتایا کہ کھائی کیمپ کے عقب کے ٹیلوں میں ایک جگہ پر ہے اور کیمپ کا پانی ایک عرصے سے وہاں گرنے سے ایک نالہ بن گیا ہے...... اس کے بعد

کمانڈو شیر خان نے خاص آدمی سے کہا۔

"دوست! اب تمہیں دو باتیں معلوم کر کے ہمیں بتانی ہیں...... پہلی بات یہ معلوم کرنی ہے کہ ہمارے مجاہد کمانڈو شاہد علی کو اس کیمپ میں زیادہ سے زیادہ کتنے دنوں تک رکھے جانے کا امکان ہے...... دوسری بات یہ معلوم کر کے بتانی ہے کہ کیمپ کے اندر گٹر کے ڈھکن کہاں کہاں پر ہیں"۔

ماسٹر سپائی سمجھ گیا تھا کہ کمانڈو شیر خان کے ذہن میں کون سا منصوبہ ہے...... چنانچہ اس نے خاص آدمی کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دونوں باتیں تمہیں کل ہی معلوم کر کے ہمیں بتانی ہیں...... یوں سمجھ لو کہ ہمارے سارے مشن کا دارومدار ان دو باتوں پر ہی ہے"۔

"آپ فکر نہ کریں" خاص آدمی نے کہا...... "میں دونوں باتیں معلوم کر کے آپ کو کل رات اسی وقت آکر بتاؤں گا...... یہ پتہ چلانا کہ کشمیری مجاہد کو کیمپ میں کب تک رکھا جائے گا مشکل کام ہے، لیکن میں کچھ نہ کچھ ضرور کھوج لگا لوں گا"۔

خاص آدمی کے جانے کے بعد رشید احمد اور شیر خان آپس میں باتیں کرنے لگے...... اتنے میں قطب الدین بھی آ گیا...... خاص آدمی نے جو باتیں بیان کی تھیں وہ سب اس کے گوش گزار کر دی گئیں...... قطب الدین بولا۔

"میں ان پہاڑی ٹیلوں سے واقف ہوں جہاں فوجی کیمپ کا پانی کھائی میں گرتا ہے...... ہم کبھی کبھی جنگلی ہرن کا شکار کرنے ادھر جایا کرتے تھے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کل دن میں کسی وقت ان ٹیلوں میں جا کر یہ دیکھنا چاہئے کہ جس پائپ میں سے کیمپ کا پانی کھائی میں گرتا ہے اس کی چوڑائی یعنی اس کا قطر کتنا ہے"۔

قطب الدین بولا۔

"ہم صبح سویرے ہی نکل چلیں گے"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا...... دوسرے دن صبح سویرے قطب الدین اور کمانڈو شیر خان اس علاقے کے دیہاتیوں کا بھیس بنا کر خفیہ ٹھکانے سے نکل کھڑے ہوئے...... ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا...... پہاڑی ٹیلوں تک پہنچتے پہنچتے سورج نکل آیا اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی...... وہ چھوٹے بڑے پہاڑی ٹیلوں میں جا رہے تھے...... ان ٹیلوں کو جنگلی جھاڑیوں نے چھپا رکھا تھا...... کہیں کہیں تاڑ کے درخت بھی نظر آ رہے تھے...... زمین کہیں پتھریلی تھی اور کہیں سرخ مٹی کی تھی...... گھاس بہت اگا ہوا تھا...... قطب الدین نے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کھائی اس ٹیلے کے پیچھے ہے"۔

وہ آگے چل پڑے...... ٹیلے کے پاس آکر کمانڈو شیر خان نے دیکھا کہ وہ فوجی کیمپ کے عقب میں آ گئے تھے...... فوجی کیمپ وہاں سے کافی فاصلے پر تھا...... قطب الدین شیر خان کو لے کر کھائی میں اتر گیا...... یہ ایک تنگ کھائی تھی جس کی دونوں ڈھلانوں پر خود رو گھاس اور جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں...... کھائی کے درمیان کہیں کہیں پانی دکھائی دے رہا تھا...... وہ کھائی کی ڈھلان پر چل رہے تھے...... یہاں جھاڑیوں اور گھاس کے درمیان چھوٹی سی پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... لگتا تھا کہ دیہاتی لوگ یہاں سے ہی گزرا کرتے ہیں۔

ایک جگہ انہیں پانی گرنے کی آواز سنائی دی...... چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ کھائی کی ڈھلان میں ذرا اندر کر کے ایک گٹر میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے پتھروں پر گر رہا تھا...... گٹر کے اوپر لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی...... شیر خان اور قطب الدین اس کے پاس بیٹھ گئے اور غور سے گٹر کے پائپ کو دیکھنے لگے...... پائپ کا قطر انیس بیس انچ ہو گا...... کمانڈو شیر خان نے پائپ کی جالی کو پکڑ کر اسے اپنی طرف ہلکا سا جھٹکا دیا...... جالی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی...... اس نے قطب الدین سے کہا۔

"اس جالی کو پلاس سے کاٹنا پڑے گا، لیکن یہ ہم اسی صورت میں کریں گے جب

ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ اس پائپ کے گٹر کے ڈھکن فوجی کیمپ کے اندر کہاں کہاں کھلتے ہیں"۔

قطب الدین بولا۔

"شیر بھائی! میں تمہارے منصوبے کو سمجھ گیا ہوں، لیکن کیا تمہارے خیال میں ہم اس منصوبے پر عمل کر سکیں گے؟"۔

"عمل نہ کر سکنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے ڈھکن کیمپ کے اندر کوارٹر گارڈ یا مشین گن پوسٹ کے آگے کھلتے ہوں" شیر خان نے جواب دیا۔

قطب الدین نے کہا۔

"اس منصوبے میں ایک اور رکاوٹ بھی ہے"۔

"مثلاً وہ کیا؟" شیر خان نے پوچھا۔

قطب الدین بولا۔

"وہ یہ کہ جہاں تک میرا خیال ہے سالہا سال سے اس ڈیڑھ سو فٹ لمبے پائپ میں شاید ہی کوئی صفائی کی غرض سے داخل ہوا ہو...... اس پائپ کو پریشر پمپ سے ہی کبھی کبھی صاف کیا جاتا ہو گا جس طرح کہ حیدر آباد کے سرکاری اور فوجی علاقوں کے گٹر صاف کئے جاتے ہیں...... ظاہر ہے اتنی مدت سے بند پڑے رہنے کے بعد پائپ کے اندر زہریلی گیس ضرور پیدا ہو گئی ہو گی، جس کی تھوڑی بہت مقدار پائپ کے اندر ہر وقت موجود رہتی ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان نے اس کی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا۔

"قطب بھائی! ان باتوں پر بھی غور ہو جائے گا...... پہلے آج رات اپنا آدمی آکر ہمیں یہ تو بتا دے کہ کیمپ کے اندر مین ہول کی صورت حال کیا ہے"۔

"یہ تو ہے" قطب الدین نے شیر خان کی تائید کی۔

اس کے بعد وہ اٹھے اور واپس چل پڑے۔

کھائی سے باہر آکر کمانڈو شیر خان نے اس علاقے کا طائرانہ نگاہ سے جائزہ لیا اور قطب الدین سے کہا۔

"میں حیدر آباد میں ضرور رہا ہوں، مگر اس طرف آنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا...... یہ تو بتاؤ کہ جنوب کی طرف یہ پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ کس طرف کو جاتا ہے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"زیادہ دُور تک نہیں جاتا...... آگے ایک ویران علاقہ ہے، اس کے بعد جنگل شروع ہو جاتا ہے"۔

"اس جنگل کے آگے کیا ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

قطب الدین بولا۔

"آگے ایک بڑی شاہراہ ہے جو رائے پور شہر' سے ہوتی ہوئی آگے بلادی تک چلی جاتی ہے"۔

کمانڈو شیر خان کو یاد آگیا کہ وہ ایک بار رائے پور کے سٹیشن سے گزرا تھا...... اس نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ رائے پور سے اوپر شمال کی طرف ریل گاڑی کون کون سے شہر کو جاتی ہے"۔

وہ باتیں بھی کر رہے تھے اور پہاڑی ٹیلوں میں سے گزرتے بھی جا رہے تھے...... قطب الدین کہنے لگا۔

"رائے پور سے ٹرینیں مغرب کی جانب شولا پور اور ممبئی تک جاتی ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے اس کے آگے کوئی سوال نہ کیا اور خاموشی سے قطب الدین کے ساتھ چلتا رہا...... قطب الدین نے بھی شیر خان سے اس کے منصوبے کے بارے میں زیادہ تفصیل نہ پوچھی کیونکہ ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا تھا کہ ان کا منصوبہ قابل عمل بھی ہے کہ نہیں۔

وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچے تو ماسٹر سپائی رشید احمد ان کے انتظار میں تھا......

کمانڈو شیر خان نے اسے پہاڑی ٹیلوں اور اس کھائی کے بارے میں بتایا جس میں فوجی کیمپ کا پانی پائپ کے ذریعے گرتا تھا...... رشید احمد نے شیر خان سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں یہ منصوبہ کامیاب ہو سکے گا؟"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"اس کا فیصلہ اسی وقت ہوگا جب اپنا خاص آدمی رات کو یہ بتائے گا کہ گٹر کے ڈھکن کیمپ کے اندر کہاں کہاں پر ہیں"۔

رات کے دس بجے کا عمل ہوگا کہ خاص آدمی خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا...... وہ کاپی سائز کے کاغذ کے ورق پر پنسل سے ایک خاکہ سا بنا کر لایا تھا...... اس نے وہ کاغذ شیر خان قطب الدین اور رشید احمد کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔

"یہ کیمپ کے اندر ان جگہوں کا رف سا خاکہ ہے جہاں جہاں سیوریج پائپ کے ڈھکن یعنی مین ہول ہیں"۔

اس نے چار پانچ جگہوں پر چھوٹے گول دائرے بنائے ہوئے تھے...... وہ ایک ایک گول دائرے پر انگلی رکھ کر بتاتا جاتا تھا۔

"یہ مین ہول کیمپ کے کچن کے پیچھے ہے...... یہ مین ہول کا ڈھکن کیمپ کے ایمونیشن سٹور کے عقب میں ہے...... یہ مین ہول کوارٹر گارڈ کے سامنے ہے...... یہ مین ہول اس کوٹھڑی کے عقب میں ہے جہاں کشمیری مجاہد قید ہے"۔

کمانڈو شیر خان اس مین ہول کے دائرے کو غور سے دیکھنے لگا...... اس نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"یہ مین ہول جو شاہد علی کی کوٹھڑی کے عقب میں ہے اس کا کوٹھڑی سے فاصلہ کتنا ہے؟ کیا تم اندازے سے بتا سکتے ہو؟"۔

خاص آدمی اپنے ذہن میں اندازہ لگانے لگا...... پھر بولا۔

"میرے اندازے کے مطابق یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ بیس فٹ ہو سکتا ہے"۔

یہ سن کر کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

"کمانڈو شاہد علی کو تمہاری معلومات کے مطابق کب تک اس کیمپ میں رکھا جائے گا"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"میں نے جو کھوج لگایا ہے اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کشمیری مجاہد کو ابھی کم از کم دس پندرہ دن اور کیمپ میں رکھا جائے گا، کیونکہ اس نے ابھی تک ملٹری انٹیلی جنس کو کچھ نہیں بتایا"۔

شیر خان کو اب خاص آدمی سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی...... اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اسے جتنی معلومات کی ضرورت تھی وہ اسے مل گئی تھیں...... رات گیارہ بجے خاص آدمی واپس چلا گیا...... اس کے بعد تینوں مجاہد یعنی ماسٹر سپائی رشید احمد، قطب الدین اور شیر خان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

رشید احمد نے شیر خان سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اب تمہیں اپنے منصوبے کی تفصیلات سے ہمیں آگاہ کر دینا چاہیے"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"میرا منصوبہ یہ ہے کہ ہم جنگلی ٹیلوں میں رات کی تاریکی میں جائیں گے اور کھائی میں کھلنے والے پائپ میں داخل ہو کر پائپ کے اندر ہی اندر سے پہلے مین ہول میں سے کیمپ کے اندر نکل آئیں گے...... خاکے کے مطابق یہ پہلا مین ہول وہ ہے جو اس کوٹھڑی سے بیس پچیس فٹ پیچھے کھلتا ہے جہاں شاہد علی قید ہے...... ہم رات کے اندھیرے میں مین ہول کا ڈھکن الگ کر کے باری باری اس میں سے باہر نکل آئیں گے اور خاموش کمانڈو ایکشن سے کوٹھڑی کے دروازے پر پہرے دینے والے سنتری کو

ہلاک کردیں گے...... اس کے بعد اس کی جیب میں سے کوٹھڑی کی چابی نکالیں گے...... اس چابی کی مدد سے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر شاہد علی کو اپنے ساتھ لے کر دوبارہ مین ہول میں اتر کر پائپ کے اندر ہی اندر کھائی میں آجائیں گے اور کوشش یہی ہوگی کہ کمانڈو شاہد علی کو یہاں اپنے ٹھکانے پر لانے کی بجائے راتوں رات حیدر آباد دکن کی سرحدوں سے نکال کرلے جائیں"۔

رشید احمد نے فوری طور پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا...... کمانڈو شیر خاں نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

"شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ یہ منصوبہ نا قابل عمل ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم نے پوری احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیا تو اپنے مجاہد شاہد علی کو دشمن کی قید سے نکال لائیں گے"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"مجھے اس منصوبے کی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہے...... گندے پانی کے دوڈھائی سو فٹ لمبے پائپ میں سے گزر کر مین ہول تک جانا کوئی آسان کام نہیں ہے...... پائپ میں زہریلی گیس ضرور بھری ہوئی ہوگی، اس گیس کا ایک سانس انسان کو موت کی نیند سلا دینے کے لئے کافی ہوتا ہے"۔

شیر خان بولا۔

"اس کا علاج ایک چھوٹے، آکسیجن ماسک سے کیا جاسکتا ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے چھوٹے آکسیجن ماسک ہمیں کسی نہ کسی ہسپتال یا سٹور سے ضرور مل جائیں گے"۔

"ان کا انتظام ہو جائے گا" قطب الدین نے کہا۔

رشید احمد کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے ابھی تک اس منصوبے کی کامیابی پر شک ہے...... کمانڈو شیر خان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"بھائی رشید احمد! میں نے اور قطب الدین نے اس منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، کیونکہ اس کے سوا دوسرا کوئی منصوبہ ان حالات میں قابل عمل نہیں ہے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"اگر تم لوگ فیصلہ کر ہی چکے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں...... تمہیں جس جس چیز کی اس مشن کے لئے ضرورت ہے مجھے بتا دو...... وہ تمہیں مہیا کر دی جائیں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں تین آکسیجن ماسک کی ضرورت ہوگی...... یہ آکسیجن ماسک ایسے ہونے چاہئیں جن میں مائع آکسیجن کی مقدار کم از کم چھ گھنٹوں کے لئے کافی ہو"۔

رشید احمد بولا۔

"اس کا بندوبست ہو جائے گا"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"باقی ہمیں معمول کی چیزیں ہی درکار ہوں گی جو پہلے ہی سے ہمارے پاس موجود ہیں...... مثلاً کمانڈو چاقو، سائی لینسر والے تین پستول، لیکن ان کے علاوہ جس شے کی ہمیں منصوبے کی کامیابی کے بعد ضرورت ہوگی وہ درست حالت میں ایک جیپ ہے جو مجھے قطب الدین اور کمانڈو شاہد علی کو راتوں رات رائے پور سے بھی آگے شولاپور ممبئی لائن پر جس قدر دُور تک لے جاسکتی ہے لے جاسکے...... ہم دن نکلتے ہی ریلوے ٹریک پر کسی بھی سٹیشن سے شولاپور ممبئی جانے والی کوئی بھی مسافر گاڑی یا مال گاڑی پکڑ لیں گے...... یہ جیپ پہاڑی ٹیلوں میں ایک جگہ موجود ہونی چاہئے اور اس میں کمانڈو شاہد علی کے لئے ایک کرتہ پاجامہ ضرور رکھ دیا جائے...... قید میں اس کے کپڑوں کی حالت خستہ ہو چکی ہوگی"۔

رشید احمد نے کہا۔

"جو جیپ تم لوگوں کو ٹارگٹ پر لے کر جائے گی وہی تمہیں آگے بھی لے جائے گی...... مجاہد شاہد علی کے لئے کپڑوں کا جوڑا بھی رکھ دیا جائے گا، لیکن آگے تمہارا کس طرف جانے کا پروگرام ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں منصوبے کی کامیابی کی صورت میں شاہد علی کو یہاں سے نکال کر ممبئی کی طرف لے جانا چاہتا ہوں...... اس کو ساتھ لے کر یہاں رہنا یا اوپر دلی کی طرف جانا خطرناک ثابت ہوگا، کیونکہ اس کے فرار کے فوراً بعد فوج اس سارے علاقے کو گھیرے میں لے لے گی اور دلی بھارت کی راجدھانی ہے وہاں تک ایک ایک سٹیشن پر پولیس ناکہ بندی کرے گی"۔

"ممبئی میں تم کہاں جاکر چھپو گے؟" رشید احمد نے پوچھا۔

شیر خان نے کندھوں کو سکیڑتے ہوئے کہا۔

"ممبئی میں اپنے کسی آدمی کا مجھے علم نہیں، یہی ہو سکتا ہے کہ شاہد علی کے ساتھ ہم کسی جنگل میں چھپ جائیں اور موقع پاکر وہاں سے کشمیر کی طرف نکل جائیں"۔

قطب الدین نے کہا۔

"ممبئی میں اپنا ایک آدمی ہے...... وہ ہمیں کسی خفیہ جگہ پر چھپا دے گا"۔

رشید احمد بولا۔

"یہ ٹھیک ہے"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"دشمن اسلام ڈاکٹر پلائی کے قتل کے بعد ایک طرح سے ہمارا یہ مشن ختم ہو چکا ہے...... اب صرف اپنے ساتھی کو دشمن کی قید سے چھڑانا ہی باقی ہے...... اس کے بعد ہم کشمیر کے محاذ پر جاکر جہاد کشمیر میں شامل ہو جائیں گے"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"ہماری دعا ہے کہ تم دونوں مجاہد کشمیر کے محاذ پر قابض بھارتی فوج کے ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لئے کشمیر خیر وعافیت سے پہنچ جاؤ"۔

اس کے بعد رشید احمد نے قطب الدین سے پوچھا۔

"ممبئی میں تم جس آدمی کے ہاں جاکر چھپو گے وہ بھروسے کا آدمی ہے ناں؟"۔

قطب الدین بولا۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہم بڑی جانچ پڑتال کے بعد کسی کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں...... یہ آدمی بھی سرفروش مجاہد ہے"۔

"بس میں یہی تسلی چاہتا تھا" رشید احمد نے کہا۔

اس کے بعد رشید احمد نے شیر خان سے پوچھا۔

"تم کب اپنے منصوبے پر عمل کرنا چاہتے ہو؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... ابھی تک تو شاہد علی اسی فوجی کیمپ میں ہے...... کوئی پتہ نہیں اسے کس وقت یہاں سے نکال کر کس جگہ پہنچا دیا جائے...... اس لئے میرا پروگرام کل رات کو حملہ کرنے کا ہے"۔

"ٹھیک ہے" رشید احمد بولا...... "تمہاری مطلوبہ تمام چیزیں کل شام سے پہلے پہلے مہیا کر دی جائیں گی...... کیوں قطب الدین تمہارا کیا مشورہ ہے؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"شیر خان نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے...... ہمیں وقت ضائع کئے بغیر کل کمانڈو ایکشن کر ڈالنا چاہئے...... اللہ نے چاہا تو ہم اس مشن میں کامیاب ہوں گے"۔

"انشاءاللہ" کمانڈو شیر خان نے کہا۔

چنانچہ دوسری رات ٹھیک ایک بجے کمانڈو شاہد علی کو فوجی کیمپ کی جیل سے

نکالنے کا پروگرام طے ہو گیا...... اگلے روز شاہد علی کے لئے ایک کرتہ پاجامہ چپل اور تین آکسیجن ماسک کا بھی انتظام کر دیا گیا...... یہ گیس ماسک چھوٹے سائز کے تھے اور اس سے صرف منہ اور ناک ڈھانپا جاتا تھا...... رشید احمد نے بتایا کہ ہر گیس ماسک میں اتنی آکسیجن ہے کہ جو کم از کم آٹھ گھنٹے تک ان کے کام آسکتی ہے...... تین کمانڈو چاقو اور تین سائی لینسر چڑھی پستولیں بھی ایک چھوٹے سے تھیلے میں رکھ لی گئیں...... دو مختلف سائز کے بڑے پلاس بھی رکھ لئے گئے جن کی مدد سے کھائی میں نکلنے والے پائپ کے منہ پر لگی جالی کو کاٹنا تھا...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"گٹر کے پائپ کا دہانہ اگرچہ انیس انچ کا ہے، پھر بھی اس میں سے فوجی کیمپ کے اندر تک جاتے ہوئے ہمارے کپڑوں کا خراب ہو جانا یقینی ہے...... اس لئے بہتر ہے کہ ہم اپنے لئے بھی پتلون بش شرٹ کا ایک ایک فالتو جوڑا رکھ لیتے ہیں"۔

چنانچہ قطب الدین اور شیر خان کے لئے ایک ایک دھلی ہوئی پرانی پتلون، بش شرٹ بھی تھیلے میں ڈال دی گئی...... دونوں نے ڈھائی ڈھائی سو کی رقم بھی اپنے پاس رکھ لی تاکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کیا جا سکے۔

رات کے ٹھیک آٹھ بجے تینوں سرفروش مجاہد ایک جیپ میں بیٹھ کر اپنے خطرناک مشن پر نکل پڑے...... رشید احمد خود جیپ ڈرائیو کر رہا تھا...... قطب الدین اس کے ساتھ اور شیر خان پیچھے بیٹھا تھا...... جیپ کی پٹرول کی ٹینکی فل کروالی گئی تھی...... رات کی تاریکی میں جیپ سنسان سڑک پر تیز رفتاری سے جا رہی تھی...... بیس منٹ کے بعد وہ شہر سے باہر ویران نیم پہاڑی علاقے میں سے گزر رہے تھے...... قطب الدین رشید احمد کو راستہ بتاتا جا رہا تھا...... وہ سیدھے راستے سے جانے کی بجائے ایک نصف دائرے کا چکر کاٹ کر ان چھوٹے ٹیلوں میں آگئے جو فوجی کیمپ کا عقبی علاقہ تھا اور جہاں ایک کھائی میں کیمپ کے گٹر کا پائپ کھلتا تھا...... اس خطرناک حساس علاقے میں داخل ہوتے ہی جیپ کی بتیاں بجھا دی گئی تھیں اور اس کی رفتار بھی بہت آہستہ

کر دی تھی...... قطب الدین نے جیب سے چھوٹی ٹارچ نکال کر ایک طرف روشنی ڈالی اور رشید احمد سے کہا۔

"یہاں گاڑی کھڑی کر دیں"۔

جیپ ٹیلے کی اوٹ میں روک دی گئی۔

قطب الدین اور کمانڈو شیر خان جیپ سے اتر آئے...... قطب الدین نے رشید احمد سے کہا۔

"جب تک ہم واپس نہ آجائیں آپ اسی جگہ کھڑے رہیں گے"۔

رشید احمد بولا۔

"بے فکر رہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"اگر اندر فائرنگ شروع ہو گئی تو آپ انجن اسٹارٹ کر کے رکھیں...... فائرنگ رُک گئی اور ہم میں سے کوئی واپس نہ آیا تو آپ گاڑی لے کر یہاں سے نکل جائیں گے...... ہمارا انتظار نہیں کریں گے"۔

"میں سمجھ گیا ہوں" رشید احمد نے جواب دیا۔

تھیلے میں سے شیر خان اور قطب الدین نے اپنا اپنا کمانڈو چاقو اور سائی لینسر والا پستول نکال کر جیب میں رکھ لیا...... چھوٹا پلاس شیر خان نے جیپ میں ہی رہنے دیا...... بڑا پلاس ساتھ لے لیا...... اس کے بعد دونوں سرفروش مجاہد اندھیرے میں اس طرف چل پڑے جدھر کھائی تھی...... آکسیجن ماسک ان کے گلے میں لٹک رہے تھے...... رات تاریک اور سنسان تھی...... درختوں، جھاڑیوں اور ٹیلوں نے اندھیرے کی چادر اوڑھ رکھی تھی...... دونوں سرفروش خاموشی سے چاروں طرف سے چوکنے ہو کر آہستہ آہستہ چل رہے تھے...... کھائی آگئی...... وہ اس میں اتر گئے...... پھر کھائی کی ڈھلان پر چلنے لگے...... کچھ دُور تک چلتے رہے...... پھر پانی گرنے کی آواز آنے لگی......

قطب الدین نے اشارے سے شیر خان کو بتایا کہ ہم پائپ کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں...... اندھیرے میں دو سایوں کی طرح نظر آ رہے تھے...... گٹر کے دہانے کے پاس بیٹھ کر انہوں نے جالی کو ٹٹول کر دیکھا...... کمانڈو شیر خان نے جیب سے پلاس نکالا اور جالی کو ایک طرف سے کاٹنے کی کوشش کرنے لگا...... اسے دس منٹ لگ گئے...... اس نے جالی کو ایک طرف سے اتنا کاٹ دیا کہ اس میں سے ایک آدمی پائپ میں داخل ہو سکتا تھا۔

شیر خان نے چھوٹی ٹارچ کی روشنی گٹر کے اندر ڈالی...... پائپ منہ کے پاس سے انیس بیس انچ قطر میں تھا لیکن اندر سے تقریباً تین فٹ کے قریب تھا...... گندے پانی کی نالی درمیان میں بہہ رہی تھی...... نالی کی ایک جانب چلنے کے لئے چھوٹا سا فٹ پاتھ بنا ہوا تھا...... پائپ میں انہیں ایک تیز بو کا احساس ہوا...... دونوں نے ناک منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا لئے اور پائپ کے اندر آہستہ آہستہ چل پڑے...... پائپ زیادہ اونچا نہیں تھا...... انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا...... دونوں اپنی اپنی چھوٹی ٹارچ کی روشنی ڈال رہے تھے...... اس روشنی میں وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے آگے بڑھ رہے تھے......
اس گٹر پائپ کی چونکہ پریشر پمپ سے صفائی ہوتی رہتی تھی، اس لئے پائپ میں جالے وغیرہ کہیں نہیں تھے...... انہیں پائپ کے پہلے مین ہول سے باہر نکلنا تھا...... کمانڈو شیر خان آگے تھا...... پائپ کے اندر کی فضا گرم تھی...... آکسیجن ماسک کی وجہ سے انہیں گھٹن کا احساس تو بالکل نہیں ہو رہا تھا لیکن ان کے جسم حبس کو ضرور محسوس کر رہے تھے...... پائپ ڈھلان پر نیچے کی طرف آ رہا تھا، لیکن چڑھائی معمولی تھی...... آکسیجن ماسک ناک اور منہ پر چڑھے ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ آسانی سے بات نہیں کر سکتے تھے...... کسی کسی وقت وہ اشاروں سے ایک دوسرے سے کوئی بات کر لیتے تھے۔

پائپ کے اندر وہ جب کافی دُور تک آگے نکل گئے تو ٹارچ کی روشنی میں کمانڈو شیر خان کو ایک جگہ دیوار کے ساتھ لوہے کی سیڑھی اوپر جاتی دکھائی دی...... اس نے

اشارے سے قطب الدین کو جو پیچھے آ رہا تھا بتایا کہ یہ سیڑھی گٹر کے پہلے مین ہول کی طرف جاتی ہے...... یہاں سے پائپ آگے ایک طرف کو مڑ گیا تھا...... وہ لوہے کی سیڑھی کے پاس آ کر رُک گئے...... اوپر ٹارچ کی روشنی ڈالی...... یہ کنوئیں کی طرح کا ایک گول شگاف تھا جس کی چھت تک سیڑھی چلی گئی تھی...... کمانڈو شیر خان نے قطب الدین کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور سیڑھی پر چڑھنے لگا...... سیڑھی دس بارہ فٹ بلند تھی، آخری سیڑھی پر پہنچ کر شیر خان نے قطب الدین کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور ٹارچ کی روشنی میں پائپ کی چھت کو ٹٹولا...... یہ مین ہول کا ڈھکن تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد مین ہول کا ڈھکن ایک طرف سے کھل گیا...... شیر خان نے ٹارچ جیب میں رکھ لی تھی اور دونوں ہاتھوں سے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ آواز پیدا نہ ہو ڈھکن کو آدھے سے زیادہ ایک طرف کر دیا...... اوپر ڈھکن کے سوراخ میں سے روشنی اندر آنے لگی...... شیر خان نے زینے کے آخری پائیدان پر پاؤں جما کر اپنا سر باہر نکالا...... اسے اپنے سامنے پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر ایک دیوار نظر آئی جس کے کونے پر ایک بلب روشن تھا...... یہ وہی کوٹھڑی ہو سکتی تھی جس کے اندر شاہد علی قید تھا...... شیر خان گٹر سے باہر نکل کر وہیں بیٹھ گیا...... اس نے قطب الدین کو اشارہ کیا...... قطب الدین بھی مین ہول میں سے باہر نکل آیا اور وہیں بیٹھ گیا...... پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ اپنے اپنے گیس ماسک اتارے اور انہیں جیب میں ڈال لیا...... شاہد علی کے لئے وہ جو آکسیجن ماسک لائے تھے وہ شیر خان کی جیب میں محفوظ پڑا تھا۔

وہ آواز پیدا کئے بغیر رات کی شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس پر دوڑ کر سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے...... یہاں انہوں نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لئے......
کمانڈو شیر خان نے دیوار کے کونے میں سے سر ذرا سا آگے نکال کر دیکھا اور فوراً سر پیچھے کر لیا اور قطب الدین کو اشارے سے بتایا کہ کوٹھڑی کے باہر ایک سنتری پہرہ دے رہا ہے...... وہ گھٹنوں کے بل چلتے دیوار کے دوسرے کونے کے پاس آ کر زمین پر

اوندھے لیٹ گئے...... شیر خان نے قطب الدین کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہی کوٹھڑی ہے"۔

کوٹھڑی پتھر کی دیواروں والی تھی اور اس میں نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ باہر کی جانب کوئی روشن دان ہی تھا...... دروازے کے اوپر شاید ہوا کے آنے جانے کے لئے کوئی روشن دان ہو، مگر دروازے کے باہر مسلح فوجی پہرہ دے رہا تھا...... یہ فوجی ٹریننگ والا فوجی تھا...... ہو سکتا ہے کمانڈو بٹالین کا جوان ہی ہو...... ایسے فوجی پر قابو پانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا...... ایک تربیت یافتہ کمانڈو کو بھی ایسے فوجی پر قابو پانے کے لئے بڑی عقل مندی اور چالاکی سے کام لینا پڑتا ہے۔

کمانڈو شیر خان گھاس پر پیٹ کے بل لیٹا یہی سوچ رہا تھا ایسا کون سا حربہ استعمال کیا جائے کہ فوجی پہرے دار کوئی آواز بھی نہ نکال سکے...... دُور سے اگر اس پر پستول کا فائر کیا جاتا تو عین ممکن تھا کہ فوجی صرف زخمی ہو کر گر پڑتا...... ایسی صورت میں وہ فائرنگ کر کے سارے کیمپ کو بیدار کر سکتا تھا...... اگرچہ شیر خان کی پستول پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا اور اس کے فائر کا دھماکہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن اگر وہ فوجی سنتری کے سر کا نشانہ بھی لیتا ہے تو نشانہ خطا جا سکتا تھا اور فوجی ہوشیار ہو کر جوابی حملہ کر سکتا تھا، کیونکہ وہ یقینی طور پر سائی لینسر والے پستول کی ٹھک کی آواز پہچان سکتا تھا...... شیر خان کو قطب الدین کی مہارت پر زیادہ بھروسہ نہیں تھا...... اسی لئے اس نے اسے پیچھے رکھا ہوا تھا۔

شیر خان نے پیٹ کے بل لیٹے لیٹے اپنی بائیں جانب اور سامنے کی جانب دیکھا...... اسے کچھ فاصلے پر بجلی کے بلب کی روشنی میں دو ٹینک کھڑے نظر آئے...... سامنے درختوں کے پیچھے شاید کیمپ کا آفس تھا جہاں روشنی ہو رہی تھی اور تین چار چھوٹی بڑی فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں...... شیر خان کو جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا...... ان کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا...... انہیں اپنی جان کی فکر نہیں تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنی کسی غیر ذمے دارانہ حرکت سے خود ہلاک ہو جائیں اور

کمانڈو شاہد علی دشمن کی قید میں ہی پڑا رہے...... شیر خان کا دماغ پوری تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا...... اسے یہی ایک ترکیب قابل عمل نظر آ رہی تھی کہ کسی طرح فوجی سنتری کو پہرے کی پوزیشن سے ہٹا کر دیوار کی اوٹ میں بلایا جائے...... یہ حکمت عملی پہلے دو تین بار کامیاب ہو چکی تھی...... قطب الدین پستول ہاتھ میں لئے شیر خان کے ساتھ ہی زمین پر اوندھا لیٹا ہوا تھا، شیر خان نے اس کے کان میں سرگوشی کر کے کہا۔

"تم ذرا پیچھے ہو کر جھاڑیوں میں گھات لگاؤ"۔

قطب الدین فوراً پیچھے کو کھسکتا ہوا جھاڑی کی اوٹ میں آ گیا اور اس نے وہیں لیٹے لیٹے دونوں ہاتھوں میں پستول لے کر پوزیشن سنبھال لی...... کمانڈو شیر خان کہنیوں کے بل تیزی سے آگے کو کھسکتا ہوا دیوار جہاں مڑتی تھی وہاں بالکل سیدھا ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے کمانڈو چاقو کی بجائے پستول کے خاموش فائر سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا...... کمانڈو چاقو سے حملہ کرنے کی صورت میں بھارتی فوجی جو پوری طرح سے چاق و چوبند اور ہوشیار نظر آ رہا تھا آواز نکال سکتا تھا...... مقابلہ بھی کر سکتا تھا اور فائر کر کے کیمپ کے فوجیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتا تھا...... کمانڈو شیر خان نے وہی کارگر حربہ استعمال کرتے ہوئے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور اسے زور سے اپنے قریب ہی زمین پر پھینک دیا...... اس سے آواز پیدا ہوئی...... شیر خان نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر پستول کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی، لیکن فوجی سنتری نہ آیا...... شیر خان نے سر ذرا سا باہر نکال کر دیکھا...... فوجی اسی طرح پہرے پر کھڑا تھا...... شاید اس نے پتھر کی آواز نہیں سنی تھی...... شیر خان نے دوسری بار پتھر اٹھا کر اپنی دیوار پر زور سے مارا۔

اس کے ساتھ ہی اسے فوجی بوٹوں کی ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی...... فوجی سنتری نے یہ آواز سن لی تھی اور برین گن تانے دیوار کی طرف آ رہا تھا...... شیر خان جلدی سے دیوار کے ساتھ ایک قدم آگے کو کھسک کر آ گیا...... اس کے دونوں ہاتھ

اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور دیوار سے پانچ فٹ کی بلندی پر تھے...... پستول اس کے دونوں ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں تھا...... سیدھے ہاتھ کی انگلی پستول کے ٹریگر پر تھی...... اس نے بھارتی فوجی کے سر پر فائر کرنا تھا...... تین سیکنڈ کے بعد بھارتی فوجی دیوار کے پیچھے سے نمودار ہوا...... دیوار کے کونے پر جلتے ہوئے بلب کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی...... شیر خان کی طرف اس کا بایاں پہلو تھا...... آنکھوں کے کونے سے اسے شیر خان بڑی آسانی سے نظر آسکتا تھا...... شیر خان کا کام یہ تھا کہ وہ بھارتی فوجی کو اتنی مہلت ہی نہ دے کہ وہ اسے دیکھ سکے...... جیسے ہی بھارتی فوجی برین گن پکڑے دیوار کی اوٹ سے نکل کر شیر خان کے نشانے کی زد میں آیا۔

شیر خان نے اُس کی کھوپڑی پر اوپر تلے تین فائر کر دیئے۔

کمانڈو شیر خان کا نشانہ اتنے قریب سے کبھی خطا نہیں گیا تھا۔

پستول سے نکلی ہوئی تین گولیوں کی ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ ہی بھارتی فوجی لڑکھڑا کر آگے کو گر پڑا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ تینوں گولیاں بھارتی فوجی کی کھوپڑی کو اُڑاتی ہوئی نکل گئی ہیں اور اب وہ زمین سے کبھی نہیں اُٹھے گا...... وہ دوڑ کر بھارتی فوجی کی لاش کے پاس گیا اور سب سے پہلے اس کی برین گن اس کی اکڑی ہوئی انگلیوں میں سے جدا کر کے ایک طرف جھاڑیوں میں پھینک دی اور وہیں اوندھا لیٹ کر پیچھے قطب الدین کو اشارہ کیا...... قطب الدین نے یہ سارا منظر دیکھ لیا تھا...... وہ کہنیوں کے بل تیزی سے رینگ کر شیر خان کے پاس آگیا۔

اس وقت شیر خان اوندھے لیٹے لیٹے بھارتی فوجی کی لاش کی تلاشی لے رہا تھا...... اسے کال کوٹھڑی کی چابی کی تلاش تھی...... آخر اسے لاش کی پتلون کی چھوٹی جیب میں سے ایک چابی مل گئی...... شیر خان نے لیٹے لیٹے قطب الدین کو پیچھے جھاڑیوں کی پوزیشن میں جانے کو کہا اور خود کال کوٹھڑی کے دروازے کی طرف کھسکنے لگا...... وہ دروازے کے پاس آکر رُک گیا...... لیٹے لیٹے اس نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف درختوں کے پیچھے کچھ فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں...... وہاں روشنی ہو رہی تھی مگر کوئی فوجی دکھائی نہیں دے رہا تھا...... شیر خان اٹھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا...... بند دروازے پر تالا لگا ہوا تھا...... اس نے چابی تالے کے سوراخ میں ڈال کر گھمائی...... تالا

کھل گیا۔

شیر خان دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ یااللہ پاک اپنا آدمی شاہد علی اس کال کوٹھڑی میں ہی موجود ہو...... شیر خان نے صرف اتنا ہی دروازہ کھولا جس میں سے وہ اندر داخل ہو سکے...... کوٹھڑی میں اندھیرا تھا...... نیم کھلے دروازے میں سے اندر آتی روشنی میں شیر خان نے زمین پر کسی کو سوتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اس کے پاس جا کر دیکھا...... وہ کمانڈو شاہد علی ہی تھا...... اس نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا اور کہا۔

"یہاں سے نکل چلو...... میں شیر خان ہوں"۔

شاہد علی اٹھ کر بیٹھ گیا...... شیر خان نے اس کے بازو کو پکڑ کر کہا۔

"چل سکتے ہو؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"ہاں"۔

شیر خان دروازے کی طرف دوڑا...... باہر نکلتے ہی وہ جھک گیا تا کہ دُور سے دیکھا نہ جا سکے...... شاہد علی نے بھی جو اس کے پیچھے تھا ایسا ہی کیا...... قطب الدین جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپا انہیں دیکھ رہا تھا...... دونوں دوڑتے ہوئے اس کے قریب سے گزرے تو قطب الدین بھی اٹھ کر ان کے پیچھے دوڑ پڑا...... گٹر کا مین ہول زیادہ دُور نہیں تھا...... وہاں پہنچتے ہی پہلے قطب الدین نیچے اترا...... اس نے آکسیجن ماسک چڑھایا اور لوہے کی سیڑھی اترنے لگا...... شیر خان نے فالتو آکسیجن ماسک شاہد علی کو دیا...... اس نے اور شیر خان دونوں نے ماسک منہ پر چڑھا لئے...... شیر خان نے شاہد علی کو اپنے اور قطب الدین کے درمیان کر لیا...... سب سے آگے قطب الدین تھا جس نے ٹارچ روشن کر لی تھی...... ٹارچ کی روشنی میں وہ سیڑھیاں اتر کر بڑے پائپ کی گولائی والی دیوار کے ساتھ چلنے لگے...... ایک ٹارچ شیر خان نے بھی روشن کر لی تھی...... شیر خان نے مین ہول میں سے نیچے اترنے کے بعد ڈھکن سے مین ہول کا منہ بند کر دیا

تھا...... اس طرح وہ کسی حد تک محفوظ ہو گئے تھے، کیونکہ اگر اس دوران کیمپ میں کمانڈو شاہد کے فرار کا علم بھی ہو جاتا تو شاید ہی کسی کا اس طرف دھیان جاتا کہ قیدی گٹر میں اتر کر فرار ہوا ہے۔

واپسی پر انہوں نے بڑے پائپ کے اندر اپنی رفتار تیز کر لی تھی...... آخر وہ گٹر کے پائپ میں سے باہر نکل گئے...... گیس ماسک اتار کر انہوں نے وہیں کھائی میں پھینک دیئے اور ڈھلان کی پگ ڈنڈی پر دوڑ پڑے...... ماسٹر سپائی رشید احمد بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا...... جیپ سے اتر کر وہ اندھیرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا...... تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہیں اٹھا کر دُور فوجی کیمپ کی روشنیوں کی طرف دیکھ لیتا تھا...... کسی بھی وقت وہاں خطرے کا الارم چیخ چیخ کر قیدی کے فرار کا اعلان کر سکتا تھا، مگر ابھی تک کیمپ پر خاموشی طاری تھی، لیکن شیر خان اور قطب الدین بھی نظر نہیں آ رہے تھے...... اچانک رشید احمد کو دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی...... وہ جلدی سے پستول نکال کر جیپ کی اوٹ میں ہو گیا...... آوازیں اس کی طرف ہی آ رہی تھیں...... جب اندھیرے میں سے تین انسانی سائے نکل کر اس کی طرف بڑھے تو رشید احمد نے اپنے مجاہدوں کو پہچان لیا...... تیسرے مجاہد کو دیکھ کر رشید احمد لپک کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور انجن سٹارٹ کر دیا۔

شیر خان نے آتے ہی کہا۔

"رشید احمد! نکل چلو...... بریک گاڑی کو کہیں نہ لگانا"۔

قطب الدین اور شاہد علی جیپ میں پیچھے اور شیر خان آگے بیٹھ گیا اور جیپ تیزی سے آگے کو نکل گئی...... رشید احمد کو معلوم تھا کہ اسے جنگل اور ٹیلوں میں سے نکل کر رائے پور شہر کو جانے والی سڑک پر جانا ہے...... جیپ کی بتیاں اس نے روشن کر دی تھیں...... راستے سے پوری طرح واقف تھا...... جیپ دیکھتے دیکھتے پہاڑی ٹیلوں سے نکل کر ایک چھوٹی کچی سڑک پر آ گئی۔

جیپ کے اندر قطب الدین اور کمانڈو شاہد علی بیٹھے تھے...... قطب الدین نے تھیلے میں سے کرتہ پاجامہ اور چپل نکال کر شاہد علی کو دی اور کہا۔

"کپڑے بدل لو"۔

شاہد علی نے اپنے گندے کپڑے اتار کر دوسرا کرتہ پاجامہ پہن لیا...... قطب الدین نے پوچھا۔

"تم ٹھیک ہوناں؟"۔

"ہاں" شاہد علی نے کہا۔

کچی سڑک جنگل کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جاتی آگے جا کر مڑ گئی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"ہم رائے پور والی سڑک پر جائیں گے"۔

رشید احمد نے جیپ کے سٹیرنگ کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں"۔

جیپ کچی سڑک پر کافی تیز جا رہی تھی اور دھچکے لگ رہے تھے...... دُور سے دو تین جھلملاتی بتیاں نظر آنے لگیں...... رشید احمد نے کہا۔

"یہ بڑی سڑک کی بتیاں ہیں"۔

چار منٹ کے بعد جیپ رائے پور جانے والی پکی اور کشادہ سڑک پر ہوا سے باتیں کر رہی تھی...... رائے پور روڈ پر آدھے گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد رشید احمد نے اس سڑک کو چھوڑ دیا اور جیپ کو ایک چھوٹی سڑک پر ڈال دیا...... ساتھ ہی انجن کے شور میں اس نے بلند آواز میں شیر خان سے کہا۔

"ہم شاہ آباد سے تاندور اور آگے گلبرگہ سے ہوتے ہوئے شولا پور جائیں گے"۔

شاہ آباد اور آگے تاندو، پہنچتے پہنچتے آسمان پر صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"ابھی تک ہم گلبرگہ نہیں پہنچے...... شولا پور کس وقت پہنچیں گے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"شولا پور یہاں سے بہت دُور ہے...... ہم گلبرگہ سے آگے اکال کوٹ کے جنگل میں رُکیں گے...... وہاں جا کر سوچیں گے کہ شولا پور کیسے جایا جائے، کیونکہ اس وقت تک شاہد علی کے فرار کا کیمپ والوں کو پتہ چل چکا ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ پولیس اور فوج نے اکال کوٹ گلبرگہ اور شولا پور جانے والی سڑکوں کی بھی ناکہ بندی کر رکھی ہو"۔

رشید احمد نے بڑی سڑکوں اور شاہراہوں کو چھوڑ کر جیپ کو ان راستوں پر ڈال لیا تھا جو پہاڑی ٹیلوں اور دیہاتوں میں سے گزرتے تھے...... گلبرگہ پہنچتے پہنچتے دن نکل آیا...... رشید احمد گاڑی کو گلبرگہ کے مقامات میں سے نکال کر اکال کوٹ جانے والی چھوٹی سڑک پر لے آیا...... یہ ایک ذیلی سڑک تھی جو ویران پہاڑی ٹیلوں میں سے ہو کر اکال کوٹ کو جاتی تھی۔

دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... رشید احمد نے ایک ٹیلے کے پاس جیپ روک دی...... یہاں ایک چھوٹا سا جھرنا بہہ رہا تھا...... جیپ کا انجن بھی گرم ہو گیا تھا...... رشید احمد، شیر خان، شاہد علی اور قطب الدین جیپ میں سے نکل آئے...... شیر خان نے شاہد علی کو گلے لگا لیا اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ حالت میں ہمارے پاس واپس آ گئے"۔

شاہد علی کی شیو کافی بڑھی ہوئی تھی...... چہرہ بھی پہلے سے ذرا کمزور ہو گیا تھا...... کہنے لگا۔

"زندگی باقی تھی بچ گیا ورنہ بھارتیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔

جھرنے کا پانی ایک چھوٹے سے تالاب میں گر رہا تھا...... وہاں انہوں نے منہ ہاتھ دھویا...... پانی پی کر تازہ دم ہوئے...... قطب اور رشید احمد نے ریڈی ایٹر کا گرم پانی

بدلا...... پہیوں پر ٹھنڈا پانی ڈالا...... پٹرول چیک کیا اور قطب الدین سے کہا۔

"تیل زیادہ نہیں ہے"۔

"اکال کوٹ تو پہنچ جائیں گے نا؟" قطب الدین نے پوچھا۔

رشید احمد نے کہا۔

"میرا خیال ہے پہنچ جائیں گے"۔

اکال کوٹ کا چھوٹا سا شہر گلبرگہ اور شولاپور کے درمیان واقع ہے...... یہ جنگلاتی ٹیلوں والا علاقہ ہے اور اس کے جنگلوں میں ہر قسم کے درندوں کی بہتات ہے...... رشید احمد نے شیر خان کو بتایا کہ ہم کسی زمانے میں گلبرگہ سے اس جنگل میں شکار کھیلنے آیا کرتے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"جیسا کہ تم نے بتایا کہ ہمارے پاس صرف اکال کوٹ تک کا پٹرول ہے تو اس کے آگے شولاپور تک کیسے پہنچیں گے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا...... تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں"۔

دس پندرہ منٹ وہاں رُکنے کے بعد وہ لوگ آگے روانہ ہو گئے...... دو گھنٹے بعد ان کی جیپ اکال کوٹ کے شہر کو بائیں جانب چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی...... چھ سات کلومیٹر کے بعد دُور سے دن کی روشنی میں درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے...... رشید احمد نے شیر خان کو بتایا کہ یہ اکال کوٹ کے جنگل ہیں...... یہاں سڑک ختم ہو گئی تھی اور اب ان کی گاڑی گھاس اور جھاڑیوں کے ایک ویرانے میں سے گزر رہی تھی...... جیپ آخر کار جنگل میں داخل ہو گئی۔

یہ وہی جنگل تھا جہاں ماسٹر سپائی رشید احمد کسی زمانے میں اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے آیا کرتا تھا...... وہ اس جنگل کے نشیب و فراز سے واقف تھا...... جنگل کے اندر جا کر ایک جگہ سیاہ رنگ کی اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں...... ان کے درمیان

ایک چشمہ بہہ رہا تھا...... رشید احمد نے جیپ ایک طرف کھڑی کر دی...... قطب الدین نے تیل چیک کرنے کے بعد کہا۔

"دس بارہ کلومیٹر کا تیل باقی بچا ہے"۔

رشید احمد بولا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس جنگل تک پہنچ گئے ہیں"۔

اس نے قطب الدین شاہد علی اور شیر خان سے کہا۔

"تم لوگ یہاں آرام کرو...... میں کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں"۔

شیر خان بولا۔

"اس جنگل میں کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو سکے گا"۔

"یہاں قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے...... وہاں سے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا...... میں ابھی آتا ہوں"۔

رشید احمد چلا گیا...... قطب الدین شاہد علی اور شیر خان چشمے کے پاس بیٹھ گئے...... شاہد علی نے شیر خان سے پوچھا۔

"یہاں سے آگے ہم ممبئی کیسے پہنچیں گے؟ قطب الدین نے بھی مجھے یہی بتایا ہے کہ ہم ممبئی جا رہے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"ممبئی ایک تو بہت بڑا شہر ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے بہت محفوظ جگہ ہو گی...... دوسرے ممبئی میں قطب الدین کے مطابق ان کا ایک آدمی موجود ہے جس کی مدد سے ہم ممبئی میں روپوش ہو کر رہ بھی سکیں گے اور وہاں سے کشمیر کی طرف جانے کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"یہاں سے آگے شولاپور ہے...... پھر اس سے بھی آگے کافی دُور ممبئی کا شہر

ہے...... یہ ساری مسافت ہم کس طرح طے کریں گے؟"۔

قطب الدین کہنے لگا۔

"شولا پور تک ہم کسی لاری وغیرہ میں جائیں گے...... شولا پور سے آگے ہمارا پروگرام پونا تک ٹرین میں سفر کرنے کا ہے...... اس کے بعد صورت حال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے...... اگر حالات موافق ہوئے تو ہم پونا سے ممبئی بذریعہ ریل ہی جائیں گے...... اگر راستے میں کوئی خطرہ ہوا تو ہم کوئی دوسرا فیصلہ کریں گے"۔

ماسٹر سپائی رشید احمد کچھ کھانے کو لے آیا جو انہوں نے وہیں بیٹھ کر کھایا...... چشمے میں شاہد علی نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا...... رشید احمد نے کہا۔

"گاؤں سے ہمیں ایک بیل گاڑی مل جائے گی، جو ہمیں آگے ایک قصبے میں پہنچا دے گی...... وہاں سے ہمیں شولا پور جانے والی لاری مل سکے گی"۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یہ سرفروش جنگل سے نکل کر اس چھوٹے سے گاؤں میں آ گئے جہاں سے رشید احمد کھانے پینے کا سامان لایا تھا...... وہاں وہ ایک بیل گاڑی میں سوار ہو کر اگلے قصبے کی طرف روانہ ہو گئے...... یہ سفر کافی طویل تھا...... بیل گاڑی کی سست رفتاری نے اسے اور زیادہ طویل بنا دیا تھا۔

بہر حال وہ شام ہونے سے پہلے پہلے اگلے قصبے میں پہنچ گئے...... وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شولا پور جانے والی لاری صبح کو جائے گی...... رات انہوں نے وہیں ایک کھیت میں لیٹ کر گزاری...... اگلے دن شولا پور جانے والی لاری میں سوار ہو گئے...... دیہاتی علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں حالات نارمل تھے اور کسی قسم کا کوئی خطرہ ان سرفروشوں کو محسوس نہیں ہوا تھا...... شولا پور بڑا شہر تھا، وہاں وہ خطرے سے دوچار ہو سکتے تھے...... سارا دن لاری میں گزر گیا...... شام ہو گئی...... رات کے پہلے پہر لاری شولا پور پہنچی...... لاری کے سٹینڈ سے اترنے کے فوراً بعد ماسٹر سپائی رشید احمد ان سب کو اپنے ساتھ شہر سے باہر ایک غیر آباد جگہ پر لے گیا جہاں درختوں کے گھنے جھنڈ تھے

ر ایک ندی ان کے درمیان بہہ رہی تھی...... ان کا پروگرام وہاں سے آگے پونا تک رین میں سفر کرنے کا تھا، رشید احمد بولا۔

"رات ہم یہیں گزاریں گے...... صبح سٹیشن پر جا کر میں صورت حال کا جائزہ وں گا"۔

رات ندی کے کنارے ہی انہوں نے کچھ دیر سو کر اور کچھ دیر باتیں کرتے گزار ری...... صبح صبح رشید احمد شولا پور کے ریلوے سٹیشن کی طرف چلا گیا...... واپس آ کر اس نے بتایا کہ شولا پور سے دوپہر کے بعد ایک ایکسپریس ٹرین پونا سے ہوتی ہوئی سیدھی ممبئی جاتی ہے...... شیر خان نے رشید احمد ہی سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"ہم کسی ٹرین سے بھی جائیں خطرہ تو ہمارے سر پر منڈلاتا ہی رہے گا...... اس ٹرین کا یہ فائدہ ہے کہ یہ ہمیں سیدھی ممبئی پہنچا دے گی، میرا تو خیال ہے کہ تمہیں یہی ٹرین پکڑنی چاہئے"۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"تو کیا تم ہمارے ساتھ ممبئی نہیں جاؤ گے؟"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے ٹرین میں سوار کرا کر واپس حیدر آباد چلا جاؤں گا...... میرا ہاں پہنچنا بھی بہت ضروری ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"جس طرح تم بہتر سمجھتے ہو ویسے ہی کرو"۔

قطب الدین نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دوپہر تک اسی جگہ چھپے رہنا ہو گا"۔

"بالکل یہیں رہنا ہوگا" رشید احمد نے کہا...... "میں اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کو لے آیا ہوں"۔

شولا پور سے ممبئی کو میل ٹرین دوپہر دو بجکر پندرہ منٹ پر چلتی تھی...... درختوں کے جھنڈ سے وہ ایک ایک کر کے دن کے ڈیڑھ بجے نکل پڑے...... ان کے پاس جو اسلحہ وغیرہ تھا وہ رشید احمد کے مشورے پر انہوں نے وہیں ندی کنارے درختوں کے درمیان ایک جگہ گڑھا کھود کر چھپا دیا تھا۔

سب الگ الگ چل کر سٹیشن پر پہنچے...... رشید احمد پہلے پہنچ چکا تھا...... اس نے شولا پور سے ممبئی تک کے تین ٹکٹ خرید کر اپنے پاس رکھ لئے تھے...... جب قطب الدین، شاہد علی اور شیر خان سٹیشن پر آئے تو رشید احمد نے انہیں ٹکٹ دیئے اور کہا۔

"قطب الدین! شاہد علی اور شیر خان اور تم الگ الگ ڈبوں میں سفر کرو گے، لیکن راستے میں تم دونوں ساتھیوں کی خیریت معلوم کرتے رہنا تمہاری ذمہ داری ہوگی"۔

قطب الدین بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو"۔

رشید احمد نے شیر خان اور شاہد علی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"یہاں میں تم سے جدا ہو جاؤں گا...... ویسے میں پلیٹ فارم پر ہی رہوں گا...... جب تمہاری ٹرین چل پڑے گی تو میں واپس جاؤں گا...... اب تم لوگ جاؤ، اللہ کے سپرد"۔

پلیٹ فارم پر ممبئی جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی...... شیر خان، شاہد علی اور قطب الدین الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے...... رشید احمد ماسٹر سپائی پلیٹ فارم پر ایک جگہ دور کھڑا تینوں سرفروشوں کو ٹرین میں سوار ہوتے دیکھ رہا تھا...... پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کے دو چار سنتری اور ملٹری پولیس کے تین جوان بھی موجود تھے، مگر حالات نارمل تھے۔

جب ٹرین چل پڑی اور پلیٹ فارم سے نکل گئی تو رشید احمد وہاں سے واپس روانہ

ہو گیا...... شولا پور سے پونا اور وہاں سے ممبئی تک کا سفر بھی خاصا لمبا تھا...... پورا آدھا دن اور ساری رات ٹرین سفر کرتی رہی...... قطب الدین درمیان میں کسی نہ کسی سٹیشن پر اتر کر اپنے ساتھیوں کو دور سے دیکھ کر حالات معلوم کر لیتا تھا...... پونا کے ریلوے سٹیشن پر ملٹری پولیس کی نفری کچھ زیادہ ہی تھی، مگر مسافروں کا رش بھی بہت تھا...... کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی اور ٹرین ممبئی کی طرف روانہ ہو گئی...... دن ڈھل رہا تھا جب یہ لوگ ممبئی پہنچے...... قطب الدین نے شیر خان اور شاہد علی کو راستے میں الگ الگ کر کے بتا دیا تھا کہ انہیں ممبئی کے سٹیشن سے نکل کر کس طرف جانا ہے اور کہاں کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنا ہے...... وہ ممبئی کے سٹیشن سے اکٹھے نہیں نکلنا چاہتے تھے...... انہوں نے ایسا ہی کیا...... شاہد علی الگ ہو کر اور شیر خان الگ ہو کر ایک آٹو رکشے میں بیٹھ کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لئے قطب الدین نے انہیں کہا تھا...... قطب الدین پہلے ہی سے وہاں پر ایک ٹیکسی لے کر موجود تھا۔

شیر خان اور شاہد علی نے قطب الدین کو دیکھ لیا تھا...... وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی...... شاہد علی اور شیر خان پہلے بھی دو تین مرتبہ ممبئی آ چکے تھے، مگر ممبئی بھارت کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے...... وہ اس شہر کے کچھ علاقے ہی دیکھ سکتے تھے...... قطب الدین ممبئی شہر کے تمام علاقوں سے واقف تھا...... ممبئی اب ارد گرد میلوں تک پھیل چکا تھا...... آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور غریبی اور مفلسی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ہر علاقے میں گندی جھونپڑیوں کی بستیاں آباد تھیں...... جہاں لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندہ رہنے پر مجبور تھے...... دوسری طرف فائیو سٹار ماڈرن ہوٹلوں میں اضافہ ہو گیا تھا جہاں راتوں کو شراب کے جام لنڈھائے جاتے تھے...... جرائم بڑھ گئے تھے...... قطب الدین انہیں شہر سے کافی دور ایک جگہ لے گیا جہاں اس کا خاص آدمی رہتا تھا...... یہ جگہ شہر سے دور ہونے کی وجہ سے محفوظ تھی۔

رات انہوں نے وہاں آرام سے گزاری...... دوسرے روز شہر کی فضا کا جائزہ لینے نکل گیا...... دوپہر کو واپس آکر اس نے شیر خان اور شاہد علی کو بتایا کہ بظاہر خطرے کی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی...... وہ کہنے لگا۔

"ویسے بھی یہ ایک کشمیری مجاہد کے فرار کا واقعہ ہے...... کسی ایمونیشن ڈمپ یا کسی فوجی تنصیب کو نہیں اُڑایا گیا...... اس وجہ سے یہاں پولیس وغیرہ کی کوئی خاص سرگرمی دکھائی نہیں دے رہی، لیکن سی آئی ڈی ضرور الرٹ ہو گی اور ریلوے سٹیشنوں اور شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی خفیہ طور پر نگرانی ضرور کی جا رہی ہو گی...... اس لئے تمہیں ہر حالت میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں رُکنا چاہئے...... بہتر یہی ہے کہ ہم دو ایک دن میں ہی یہاں سے کشمیر کی طرف روانہ ہو جائیں"۔

جس خاص آدمی کے ہاں یہ سرفروش پناہ لئے ہوئے تھے اس کا نام تو کچھ اور تھا مگر ہم اسے کمال احمد کے نام سے پکاریں گے...... کمال احمد نے کہا۔

"ممبئی سے کشمیر تک بڑا لمبا سفر ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو ہر طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد قدم باہر نکالنا چاہئے"۔

شیر خان بولا۔

"کچھ بھی ہو ہمارا اس جگہ زیادہ دیر پڑے رہنا بھی ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"۔

کمال احمد کہنے لگا۔

"یہاں سے آپ ریل گاڑی کے ذریعے ہی اپنا سفر شروع کریں گے...... ممبئی کے دو ریلوے سٹیشن ہیں...... دونوں جگہوں سے دلی پنجاب کی طرف گاڑیاں جاتی ہیں...... دونوں سٹیشنوں میں سے ممبئی کے بوری بندر کے سٹیشن پر سے زیادہ گاڑیاں

چلتی ہیں اور وہاں پولیس بھی بھاری تعداد میں ہر وقت موجود ہوتی ہے...... اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو بمبے سنٹرل کے سٹیشن سے دلی یا پنجاب کو جانے والی کوئی گاڑی پکڑنی چاہئے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"میری تجویز یہ ہے کہ شیر خان اور شاہد علی دونوں مجاہدوں کو کوئی ایسا بھیس بدل کر یہ طویل سفر کرنا چاہئے کہ جس کی وجہ سے نہ تو انہیں کوئی آسانی سے پہچان سکے اور نہ ان پر کوئی شک ہی پڑ سکے"۔

شیر خان بولا۔

"ہم دیہاتی لباس پہن کر نکلیں گے"۔

کمال احمد نے کہا۔

"ممبئی کے علاقے کا دیہاتی لباس تو مہاراشٹر کے صوبے تک ہی تمہارا ساتھ دے سکے گا...... اس کے آگے مدھیہ پردیش شروع ہو جاتا ہے...... وہاں کا دیہاتی لباس دوسرا ہوتا ہے...... اس کے بعد پھر اتر پردیش آجائے گا...... اس کے آگے پنجاب شروع ہو جائے گا...... ان صوبوں کا دیہاتی لباس یہاں کے دیہاتی لباس سے بالکل مختلف ہوتا ہے...... ان صوبوں میں پہنچنے کے بعد لوگ ضرور آپ کو دیکھ کر شک کریں گے کہ یہ مہاراشٹر کے دیہاتی یہاں کیا کر رہے ہیں"۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا" قطب الدین بولا۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"پھر تو ایک ہی بھیس ایسا ہے کہ جو ہر صوبے میں تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے"۔

"وہ کیا ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی بولا۔

"سانپ کا تماشہ دکھانے والے سپیروں کا بھیس"۔

شیر خان نے قطب الدین کی طرف دیکھا...... قطب الدین نے کمال احمد کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

کمال احمد کہنے لگا۔

"شاہد بھائی کی تجویز تو بڑی معقول ہے...... سپیروں کا بھیس بھارت کے شمالی اور شمال مغربی علاقے میں ایک جیسا ہی ہوتا ہے، لیکن اس کے لئے آدمی کو سانپوں کی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ ضرور ہونی چاہئے، کیونکہ اگر آپ لوگ سپیروں کے بھیس میں ہوں گے تو آپ کو اپنے پاس دو چار سانپ ضرور رکھنے پڑیں گے...... ان میں زہریلے سانپ بھی ہو سکتے ہیں"۔

شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ شاہد علی کو سانپوں کی بہت سمجھ بوجھ ہے...... یہ جموں کے ایک سپیرے کی شاگردی بھی کر چکا ہے"۔

کمال احمد خوش ہو کر بولا۔

"جب تو فکر مند ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے، لیکن آپ دونوں کو حلیہ بھی سپیروں والا ہی بنانا ہوگا...... سر کے بال تو آپ دونوں کے کافی بڑھے ہوئے ہیں...... شاہد علی کی داڑھی بھی بڑھ چکی ہے...... باقی شیر خان کو اب شیو نہیں کرنی چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ لوگ راستے میں کسی جگہ ٹھہریں گے نہیں...... اس سفر کو جلدی سے جلدی طے کرنے کی کوشش کریں گے"۔

قطب الدین کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے سپیروں کا لباس یہاں سے مہیا ہو جائے گا"۔

کمال احمد بولا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... ہمارے خفیہ سٹور میں ہر قسم کا بھیس بدلنے

کے لئے لباس موجود رہتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر ہم کل رات کو یہاں سے چل پڑتے ہیں"۔

کمال احمد کچھ سوچ کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے یہاں سے نکلنے کی اطلاع نئی دہلی والے اپنے چیف کو بھی کر دوں...... تمہارے آنے کی اطلاع میں نے اسے دے دی تھی"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"کیا یہ ضروری ہے؟"۔

کمال احمد بولا۔

"یہ ضابطے کی کارروائی ہے جسے ہم ضرور پورا کرتے ہیں"۔

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ نئی دہلی سے آپ کے نام وائرلیس پر کوئی خاص پیغام ہے...... کمال احمد اسی وقت اٹھ کر اس خفیہ کمرے میں چلا گیا جہاں وائرلیس کا سارا نظام موجود تھا جس کے ذریعے دلی ممبئی اور جموں کی حریت پسند تنظیموں کے خفیہ چیف ایک دوسرے سے خفیہ پیغام رسانی کرتے تھے...... کچھ دیر کے بعد کمال احمد واپس آیا تو کہنے لگا۔

"خفیہ چیف کا شیر خان اور شاہد علی کے نام خاص پیغام تھا"۔

شیر خان اور شاہد علی ایک دم متوجہ ہو گئے...... شیر خان نے پوچھا۔

"کیا پیغام ہے"۔

کمال احمد بولا۔

"خفیہ چیف نے کہا ہے کہ تم دونوں کشمیر کے محاذ پر جانے سے پہلے دلی میں اس سے ضرور ملاقات کریں...... یہ بہت ٹاپ سیکرٹ پیغام ہے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"پھر تو انہیں کل رات کو یہاں سے نکل جانا چاہئے"۔

"ایسا ہی کریں گے" شیر خان بولا۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں سپیروں کا بھیس بدلنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم ان عام کپڑوں میں دلی تک سفر کر سکتے ہیں...... ایک رات تو ٹرین کے سفر میں ہی آجائے گی...... ایک دن کے سفر کی بات ہے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" کمال احمد نے کہا۔

چنانچہ دوسرے دن رات کے وقت شاہد علی اور کمانڈو شیر خان بمبے سنٹرل کے سٹیشن سے ایک ٹرین میں سوار ہو کر دلی کی طرف روانہ ہو گئے...... قطب الدین اسے سٹیشن تک چھوڑنے ساتھ آیا تھا...... کمال احمد نے رازداری سے شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو بتا دیا تھا کہ دلی پہنچ کر اسے کس جگہ جانا ہو گا اور جس آدمی سے ملاقات کرنی ہو گی وہ کس حلیے میں ہو گا...... اپنی شناخت کے لئے کمال احمد نے شیر خان کو خفیہ کوڈ الفاظ بھی بتا دیئے تھے۔

ساری رات اور اگلا سارا دن خیریت کے ساتھ سفر میں گزر گیا...... دوسرے دن شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے کہ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی دلی پہنچ گئے...... جیسا کمال احمد نے انہیں کہا تھا انہوں نے ویسے ہی کیا اور دلی کے ریلوے سٹیشن سے نکل کر ایک طرف کو چل پڑے...... دلی اور نئی دلی کا شہر ان دونوں کا دیکھا بھالا تھا، جہاں انہیں کمال احمد نے جانے کو کہا تھا وہ جگہ بھی ان دونوں کو معلوم تھی...... ہم اس جگہ کا حدود اربع مصلحتاً یہاں درج نہیں کریں گے...... یوں سمجھ لیں کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کے درمیان ایک مزار پر روشنیاں ہو رہی تھیں...... ایک طرف قوال قوالی کر رہے تھے...... عقیدت مند بڑے ادب سے بیٹھے قوالی سن رہے تھے۔

کمانڈو شیر خان نے مجاہد شاہد علی سے کہا۔

"یہی وہ مزار ہے ناں؟"۔

شاہد علی بولا۔

"بالکل یہی ہے"۔

وہ جہاں قوالی ہو رہی تھی وہاں کافی پیچھے ہٹ کر ایک درخت کے نیچے دری پر بیٹھ گئے...... اتنے میں ایک لمبے بالوں والا درویش صورت آدمی ان کے قریب سے ہو کر انہیں غور سے دیکھتا ہوا آگے نکل گیا...... اس درویش نے سیاہ لمبا چغہ پہن رکھا تھا...... شاہد علی نے شیر خان کو آہستہ سے کہا۔

"مجھے یہی آدمی لگتا ہے"۔

وہ درویش چند قدم آگے جا کر واپس پلٹا اور شاہد علی اور شیر خان کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... دونوں خاموش بیٹھے رہے...... درویش بھی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا...... پھر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"پردیسی معلوم ہوتے ہو"۔

شیر خان نے مختصر سا جواب دیا۔

"جی ہم گوالیار سے حاضری دینے آئے ہیں"۔

درویش نے کہا۔

"حاضری دینے آئے ہو یا کسی سے ملنے آئے ہو"۔

شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

درویش بولا۔

"تمہارے چہرے اور لباس بتا رہا ہے کہ تم ممبئی سے آئے ہو"۔

شاہد علی نے بھی ہلکا سا اشارہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یہی سمجھ لیں"۔

درویش نے صاف لفظوں میں کہا۔

"تو پھر چپ کیوں ہو؟ خفیہ کوڈ بتاؤ"۔

شیر خان اور شاہد علی کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ آدمی ہے جس سے ملنے کے لئے کمال احمد نے کہا تھا، لیکن کوڈ کے بغیر اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی...... شیر خان بولا۔

"ہم کوڈ بتائیں گے تو پھر آپ کو بھی اس کے جواب میں خفیہ کوڈ بتانا ہو گا"۔

درویش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ تو میں ضرور بتاؤں گا مگر پہلے تم خفیہ کوڈ بتاؤ"۔

شاہد علی نے خفیہ کوڈ کا وہ جملہ دہرا دیا جو کمال احمد نے اسے بتایا تھا...... اس کے جواب میں درویش نے بھی اپنا کوڈ بتا دیا...... یہ بھی وہی جملہ تھا جو کمال احمد نے انہیں بتایا تھا...... جب اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہی وہ آدمی ہے جس سے انہوں نے دلی میں ملاقات کرنی تھی تو مجاہد شاہد علی نے درویش سے کہا۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"۔

درویش نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا کر اسے توڑتے ہوئے کہا۔

"چیف تمہارا انتظار کر رہا ہے...... تم میرے ساتھ جاؤ گے، لیکن میرے پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ ڈال کر چلو گے"۔

درویش اٹھ کر ایک طرف چل پڑا۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی دس سیکنڈ کے بعد اٹھے اور جس طرف درویش گیا تھا اس طرف چل پڑے...... اس وقت تک رات کا اندھیرا ہو گیا تھا...... درویش ایک میدان کی طرف جا رہا تھا جہاں اندھیرے میں ایک جگہ کچھ درخت اور ان کے درمیان ایک مکان نظر آ رہا تھا...... مکان سے کچھ فاصلے پر درویش ایک درخت کی اوٹ میں رُک گیا...... شیر خان اور شاہد علی اس کے قریب آئے تو وہ بولا۔

"تم لوگ یہیں میرا انتظار کرو...... اِدھر اُدھر مت ہونا"۔

اور درویش درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا اس مکان کے اندر چلا گیا جس

کے باہر کوئی روشنی وغیرہ نہیں ہو رہی تھی...... یہ ایک منزلہ پرانا سا مکان لگتا تھا، جس پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد درویش مکان سے نکل کر شیر خان اور شاہد علی کے پاس آ گیا اور بولا۔

"ایک ایک کر کے مکان میں چلے جاؤ...... ڈیوڑھی میں سے گزرنے کے بعد بائیں جانب ایک کمرہ آئے گا...... اس کا آدھا پٹ کھلا ہوا ہو گا...... تم اس کے اندر چلے جانا"۔

اتنا کہہ کر درویش واپس مزار کی طرف چلا گیا۔

پہلے شیر خان اور اس کے پیچھے کوئی دس قدموں کا فاصلہ ڈال کر شاہد علی چل پڑا...... مکان کی ڈیوڑھی میں آ کر شیر خان رُک گیا اور شاہد علی کا انتظار کرنے لگا...... جب وہ آ گیا تو دونوں ڈیوڑھی میں سے گزرتے ہوئے بائیں جانب اس جگہ آ گئے جہاں ایک کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا...... اندر روشنی ہو رہی تھی...... وہ ابھی اندر جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ایک آدمی دروازے میں نمودار ہوا اور بولا۔

"شاہ جی اندر دوسرے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

دونوں سرفروش درمیانے کمرے میں سے گزر کر دوسرے کمرے کے بند دروازے کے پاس جا کر رُک گئے...... شیر خان نے آہستہ سے دستک دی...... اندر سے کسی مرد کی بھاری آواز سنائی دی۔

"آ جاؤ"۔

شیر خان اور شاہد علی کمرے میں داخل ہو گئے۔

یہ چھوٹا کمرہ تھا...... دیوار کے ساتھ ایک تخت پوش پر قالین بچھا تھا...... گاؤ تکئے لگے تھے اور ایک سفید ریش بزرگ گاؤ تکئے کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے...... دونوں مجاہدوں نے سلام کیا اور تخت پوش کے آگے جو مونڈھے پڑے تھے ان پر بیٹھ گئے...... کمرے میں بجلی کی روشنی ہو رہی تھی...... شاہ جی نے دونوں پر گہری نگاہ ڈالی...... اس کے بعد کہا۔

"میں نے تم دونوں کو پہچان لیا ہے...... تمہاری دو تصویریں مجھے مل چکی ہیں...... وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی اٹھ کر شاہ جی کے پاس تخت پوش پر بیٹھ گئے...... شاہ جی نے اپنے تکیئے کے نیچے سے ایک لفافہ نکال کر کھولا......اس میں ایک زرد رنگ کا موٹا کاغذ تہہ کیا ہوا تھا......اسے کھول کر شیر خان اور شاہد علی کے آگے رکھ دیا اور کہا۔

"اسے غور سے دیکھو......اس کے بعد بات کریں گے"۔

شیر خان اور شاہد علی نے دیکھا کہ کاغذ پر سیاہ پنسل سے ایک نقشہ بنا ہوا تھا جس میں کہیں کہیں سرخ نشان لگے تھے...... کہیں پہاڑی ٹیلوں کا ابھار دکھایا گیا تھا......ایک دو منٹ اسے غور سے دیکھنے کے بعد کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ کسی جگہ کا نقشہ لگتا ہے"۔

شاہ جی بولے۔

"ہاں! اس نقشے کی تفصیل بتانے سے پہلے تم سے دو ایک ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی شاہ جی کی طرف متوجہ ہو گئے......شاہ جی نے کہا۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے اور جب سے پاکستان کا قیام وجود میں آیا ہے بھارت اس کو ختم کرنے کی ناکام اور ناپاک کوشش میں لگا ہوا ہے......اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ پاکستان پر تین چار بار حملہ بھی کر چکا ہے جس میں اسے ہر بار شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے...... تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ پاکستان کی سالمیت پر بھارت ایک دوسرے محاذ سے بھی برابر حملے کر رہا ہے...... یہ محاذ فوجی محاذ سے زیادہ خطرناک محاذ ہے اور یہ محاذ اس کی بدنام زمانہ سیکرٹ ایجنسی "را" کا محاذ ہے...... یہ خفیہ ادارہ براہ راست بھارت کی مرکزی وزارت دفاع کی زیر نگرانی کام کر رہا ہے اور بھارت کا پردھان منتری یعنی وزیر اعظم اس ادارے کا سربراہ ہوتا ہے......اب میں دوسری بات کرتا ہوں...... دوسری بات یہ ہے کہ

بھارت میدان جنگ میں پاکستان کی دلیر اور بہادر فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا...... بھارت کے پاس جنگی ساز و سامان کا ڈھیر لگا ہے اور جدید سے جدید ترین اسلحہ اور توپیں موجود ہیں، لیکن جنگی ساز و سامان اور اسلحہ خود نہیں لڑا کرتا...... اسے آدمی لڑاتے ہیں...... بھارت کی فوج کا کوئی دین مذہب نہیں ہے......ان میں مسلمانوں والا وہ جذبہ نہیں ہے کہ جو ہر مسلمان کا ایمان ہے...... یعنی اللہ کی راہ میں جان قربان کر دینا...... میں بھارت کی فوج کا ایک ریٹائرڈ صوبیدار میجر ہوں...... میں نے انڈین آرمی کو بڑے قریب سے دیکھا ہے...... میدان جنگ میں بھارتی فوجی مورچے کے اندر بیٹھ کر لڑتا ہے...... وہ کمپنی کمانڈر کے حکم پر ایڈوانس بھی کرتا ہے اور دشمن کے مورچوں پر اٹیک بھی کرتا ہے، لیکن اپنی جان بچانے اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کے پاس واپس جانے کا خیال ہر وقت اس کے دل و دماغ پر حاوی رہتا ہے...... چنانچہ جہاں پاک فوج کا جوان دشمن سے لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے وہاں بھارتی فوجی جان بچا کر بھاگ جاتا ہے......اگر بھاگ نہ سکے تو یا قید ہو جاتا ہے یا پیچھے یا سامنے سے آنے والی کسی گولی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس طرح مر جاتا ہے جس طرح کوئی کیڑا مکوڑا جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے پاؤں کے نیچے آ کر کچلا جاتا ہے...... بھارتی فوج کی ہائی کمانڈ کو اپنی فوج کی اس بزدلی کا پورا علم ہے مگر بھارتی فوجی ہائی کمانڈ کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے...... ماسوائے اس کے کہ بھارت کوئی ایسی شے ایجاد کرے کہ جو توپ، مشین گن اور رائفل کے مقابلے میں کئی ہزار گنا زیادہ تباہی پھیلا سکے اور جس کو چلانے کے لئے بزدل بھارتی فوجیوں کی ضرورت ہی نہ پڑے اور صرف ایک بٹن ہی دبانا پڑے، چنانچہ بھارت نے خفیہ طور پر ایٹمی پروگرام پر عمل شروع کر دیا اور پھر ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی طاقت بن گیا، اس کا خیال تھا کہ پاکستان اس میدان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا، لیکن پاکستان نے اس کے جواب میں ایٹمی دھماکہ کر دیا......اب ایک بار پھر بھارت کی فوجی ہائی کمانڈ کے آفیسرز سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اب کیا کیا جائے، چنانچہ اب انہوں نے پاکستان پر فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے ایک نئے خفیہ پراجیکٹ پر کام کرنا شروع کر دیا ہے"۔

اتنا کہہ کر شاہ جی خاموش ہو گئے...... کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

"سر! یہ خفیہ پراجیکٹ کیا ہے؟"۔

شاہ جی نے انگلی اپنے ہونٹوں سے لگا کر شیر خان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا......

اتنے میں ایک مجاہد چائے کے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے کر آ گیا۔

"پہلے کچھ کھا پی لیں...... پھر باتیں کریں گے"۔

جب مجاہد چلا گیا تو شاہ جی بولے۔

"ہماری تنظیم کے مجاہد اسلام اور پاکستان کے سچے جانثار ہیں...... ان کی وفاداری شک وشبے سے بالاتر ہے، اس کے باوجود بعض معاملات میں مجھے ان سے بھی رازداری سے کام لینا پڑتا ہے...... اس لئے میں اپنے مجاہد کے قدموں کی آہٹ سن کر خاموش ہو گیا تھا...... اب کھانا پینا شروع کرو"۔

کھانا سادہ مگر بڑا لذیذ تھا...... کھانا کھانے کے بعد چائے کا دور چل پڑا...... اس دوران شاہ جی شیر خان اور مجاہد شاہد علی کے ساتھ ان کے دلیرانہ معرکوں اور کشمیری مجاہدین کی جانبازی کے بارے میں باتیں کرتے رہے...... کہنے لگے۔

"وہ وقت اب زیادہ دُور نہیں ہے، جب بھارت کو کشمیر خالی کرنا پڑے گا اور کشمیریوں کو ان کا حق مل کر رہے گا"۔

جب چائے پی جا چکی اور مجاہد آ کر برتن وغیرہ لے گیا تو شاہ جی نے کہا۔

"میں تم سے بھارت کے نئے خفیہ فوجی پراجیکٹ کی بات کر رہا تھا...... پاکستان کے خلاف بھارت کا یہ نیا پراجیکٹ لیزر سیٹلائٹ سسٹم کا نظام ہے...... اس سے پہلے جیسا کہ سب جانتے ہیں بھارت نے اپنا ایک سیٹلائٹ یعنی مصنوعی سیارہ فضا میں چھوڑ رکھا ہے جو کمرشل سیٹلائٹ ہے جو بھارت کے ٹیلی ویژن نیٹ ورک سے منسلک ہے...... اب بھارت اپنے جنگی عزائم کو پورا کرنے کی خاطر اور خاص طور پر پاکستان پر وار کرنے کے لئے ایک فوجی سیٹلائٹ خفیہ طور پر فضا میں چھوڑنے کے پروگرام پر عمل کر رہا ہے جو لیزر سیٹلائٹ ہے اور جو زمین کے مدار کے گرد گردش کرتے ہوئے پاکستان کے کسی بھی شہر کو انتہائی تباہ کن لیزر شعاع سے اپنا نشانہ بنا سکے گا...... اس لیزر

شعاع کی تباہی ایٹم بم سے کہیں زیادہ ہلاکت خیز ہو گی"۔

یہاں مجاہد شاہد علی نے سوال کیا۔

"کیا بھارت کو یہ معلوم نہیں کہ مدار میں اس کے لیزر سیٹلائٹ کا علم امریکہ اور یورپ کی خلائی ایجنسیوں کو فوراً ہو جائے گا؟"۔

شاہ جی نے کہا۔

"چونکہ امریکہ اور یورپ کی بڑی طاقتیں اسلام اور مسلمان ممالک خاص طور پر پاکستان کی دشمن ہیں اس لئے بھارت درپردہ امریکہ، روس اور یورپ کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی مرضی سے اس پراجیکٹ پر کام شروع کر رہا ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری انٹیلی جنس اور ہماری حکومت بھارت کے ان عزائم سے بے خبر نہیں ہے اور پاکستان یقینی طور پر اس لیزر سیٹلائٹ کا توڑ ایجاد کرنے میں تاخیر سے کام نہیں لے گا، لیکن بھارت اس کام میں پہل کر چکا ہے اور جونہی اس نے لیزر سیٹلائٹ فضا میں چھوڑا وہ پاکستان پر حملہ کرنے میں دیر نہیں کرے گا...... چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ بھارت کے لیزر سیٹلائٹ سسٹم کے پراجیکٹ کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے تباہ کر دیا جائے...... اس بھارتی لیزر پراجیکٹ کی مکمل تباہی کے بعد ہماری حکومت کو موقع مل جائے گا کہ جب تک بھارت لیزر سیٹلائٹ پر دوبارہ کام شروع کرتا ہے اس دوران پاکستان بھی جوابی کارروائی کے لئے اس کا توڑ تیار کر چکا ہو گا...... پھر بھارت پاکستان پر لیزر سیٹلائٹ سے حملہ کرنے کی کبھی جرات نہیں کرے گا...... یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ بھارت پاکستان پر ایٹمی حملہ کر چکا ہوتا...... وہ صرف اس لئے یہ جرات نہیں کر رہا کہ اسے معلوم ہے کہ پاکستان بھی جوابی کارروائی کے طور پر بھارت کے کسی بھی شہر پر ایٹمی حملہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے"۔

جب مجاہد چائے وغیرہ لے کر آیا تھا تو شاہ جی نے نقشے والا کاغذ بھی تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا تھا...... جب انہوں نے اپنی تفصیلی گفتگو ختم کی تو تہہ کیا ہوا نقشہ دوبارہ کھول کر سامنے رکھ دیا اور کہا۔

"ہمارے مجاہدوں نے شب و روز کی محنت اور طرح طرح کے بھیس بدل کر

علاقے کی چھان بین کرنے کے بعد اس مقام کا یہ ایک دُھندلا سا نقشہ تیار کیا ہے جہاں بھارت کے خفیہ لیزر سیٹلائٹ کے پروجیکٹ پر ابتدائی کام ہو رہا ہے..... اس نقشے میں یہ اُبھرے ہوئے نشان پہاڑیاں ہیں..... سرخ نشان سیکورٹی سسٹم کے ہیں..... ہماری اطلاع کے مطابق جہاں سرخ نشان لگے ہیں وہاں اس علاقے کے تحفظ کی خاطر بھاری مشین گنوں کے مورچے بنے ہوئے ہیں..... یہ مورچے خفیہ ہیں اور باہر سے صرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن ان جھاڑیوں کے اندر ہیوی مشین گنیں نصب ہیں..... ان مورچوں کے جوانوں کو واضح احکامات دیئے گئے ہیں کہ اگر انہیں وہاں سے گزرنے والے دیہاتی یا کسی دوسرے آدمی پر ذرا سا بھی شبہ ہو تو اسے فوراً شوٹ کر دیں“۔

کمانڈو شیر خان نے نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ علاقہ کون سا ہے؟“۔

شاہ جی بولے۔

”یہی میں بتانے والا تھا..... دلی سے جب آپ ممبئی بروڈہ کی طرف جاتے ہیں تو جھانسی بھوپال سے وسطی بھارت کے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے..... جھانسی اور بھوپال کے درمیان جھانسی سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر روہت گڑھ کا اسٹیشن ہے..... روہت گڑھ کے اسٹیشن پر اگر تم اتر جاؤ تو وہاں سے دیوگری کا پرانا قلعہ جنگل کے اندر دو تین کلومیٹر پر واقع ہے..... یہ تین سو سال پرانا قلعہ ہے اور اسے پرتگالیوں نے تعمیر کروایا تھا..... انڈیا میں جب پرتگال کی نو آبادی گوا اور دمن تک محدود ہو کر رہ گئی تو یہ قلعہ ویران ہو گیا..... اس قلعے کی طرز قدیم پرتگالی رومن کیتھولک گرجاؤں ایسی ہے، لیکن یہ گرجا نہیں ہے..... اس قلعے کے بارے میں میں تمہیں بعد میں کچھ باتیں جو ضروری ہیں بتاؤں گا..... اس قلعے کے عقب میں ٹیلوں کے درمیان ایک چھوٹی سی وادی ہے جہاں پرتگالیوں نے معلوم نہیں کس مقصد کے پیش نظر زمین کے نیچے خفیہ پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں..... ایک زمانے تک ان زیر زمین خفیہ پناہ گاہوں کو ڈاکوؤں، قاتلوں اور ٹھگوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا..... جب ہندوستان آزاد ہوا تو

حکومت نے ان زمین دوز تہہ خانوں کو بند کرا دیا..... اب بھارت کی حکومت ہی نے انہیں دوبارہ کھلوا کر وہاں خفیہ طور پر ایسی لیبارٹریز بنائی ہیں جہاں بھارت کی وزارت دفاع کی نگرانی میں لیزر سیٹلائٹ سسٹم پر کام ہو رہا ہے۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

”جن لوگوں نے یہ زیر زمین خفیہ پناہ گاہیں بنائی تھیں ظاہر ہے انہوں نے ان کے اندر آنے جانے کے لئے خفیہ راستے بھی رکھے ہوں گے“۔

شاہ جی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تم نے بالکل ٹھیک کہا..... ان لوگوں نے خفیہ راستے ضرور رکھے تھے اور یہ جو اس نقشے پر تم سبز نشانات دیکھ رہے ہو یہ ان ہی خفیہ راستوں کی نشان دہی کرتے ہیں..... یہ پانچ خفیہ راستے ہیں جن کے باہر سیکورٹی کی خاطر مشین گنوں کے پانچ خفیہ مورچے بنے ہوئے ہیں“۔

کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

”حکومت نے ان خفیہ راستوں کو بند کیوں نہیں کیا؟ وہ ایک دو خفیہ راستے چھوڑ کر باقیوں کو پتھروں اور گارے سے بند کر سکتے تھے“۔

شاہ جی بولے۔

”یہ خفیہ راستے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان ہیں اور اس نوعیت کے قدرتی طور پر بنے ہوئے راستے ہیں کہ انہیں بند کرنے پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں..... ان کو بند کرنے کی اس لئے بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ایک تو وہاں فوج کا چوبیس گھنٹے زبردست پہرہ رہتا ہے، دوسرے ان دروازوں میں سے چار دروازوں کو کانٹے دار تار لگا کر بند کر دیا گیا ہے اور صرف جس دروازے کا منہ مشرق کی سمت ہے اسے کھلا رہنے دیا گیا ہے..... لیزر میزائل ورکشاپ کے مختصر سے سٹاف کا آنا جانا اسی دروازے سے ہوتا ہے..... تیسری بات یہ ہے کہ ان خفیہ راستوں کی حفاظت کے لئے وہاں مشین گنوں کی پوسٹیں بنا دی گئی ہیں جو دن رات ان کی حفاظت اور نگرانی کرتی ہیں، لیکن تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں“۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" شیر خان بولا۔

کمانڈو شیر خان کی تائید کرتے ہوئے مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"جب تک ہمیں وہاں کے سیکورٹی نظام کے بارے میں ضروری معلومات میسر نہیں ہوں گی ہم اپنے مشن کو کیسے شروع کر سکتے ہیں"۔

شاہ جی مسکرائے...... کہنے لگے۔

"بات یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا اور ہمارا ٹارگٹ یہ زیر زمین پناہ گاہیں ہی ہیں لیکن آپ لوگوں کو کمانڈو ایکشن اس زیر زمین میزائل فیکٹری میں نہیں بلکہ وہاں سے کسی دوسری جگہ کرنا ہوگا"۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کسی قدر تعجب کے ساتھ شاہ جی کو دیکھنے لگے...... اپنے طویل کمانڈو کیریئر میں انہوں نے یہ بات پہلی بار سنی تھی کہ ٹارگٹ کسی اور جگہ پر ہو اور کمانڈو ایکشن کسی دوسری جگہ پر شروع کیا جائے...... شیر خان نے کہا۔

"شاہ جی! میں آپ کی بات سمجھا نہیں"۔

شاہ جی نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں انڈین گورنمنٹ نے ایک بہت بڑا ڈیم بنایا ہوا ہے جہاں ایک بجلی گھر بھی ہے جہاں سے اس سارے علاقے کی بجلی کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں...... یہ ڈیم لیزر میزائل کی وادی یعنی اس خفیہ زیر زمین میزائل فیکٹری سے مشرق کی جانب قدرے اونچائی پر صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے...... یہ ڈیم پہاڑیوں کے درمیان پیالے کی شکل کی قدرتی وادی میں دو دریاؤں کا پانی ذخیرہ کر کے بنایا گیا ہے اور یہاں ہر وقت وسیع و عریض جھیل کی شکل میں بہت بڑا پانی کا ذخیرہ موجود رہتا ہے...... اس ڈیم کو تین اطراف سے قدرتی پہاڑیوں نے بند کر رکھا ہے...... چوتھی طرف اسے پتھروں اور چٹانوں کی ایک بہت بڑی دیوار بنا کر بند کیا گیا ہے...... یہ دیوار اتنی اونچی ہے کہ اگر اس کے اوپر بنے ہوئے جنگلے پر کھڑے ہو کر کوئی شخص نیچے دیکھے تو اسے نیچے چلتے پھرتے آدمی کیڑے مکوڑوں کی طرح نظر آئیں گے...... یہ دیوار چوڑی بھی کافی ہے اور یہ اتنی مضبوط ہے کہ اس نے ڈیم کے کروڑوں ٹن سے بھی زیادہ آبی ذخیرے کے،

دباؤ کو بڑی خوبی سے سنبھال رکھا ہے اور آج تک وہاں دیوار میں کبھی کوئی دراڑ تک نہیں پڑی...... اس علاقے میں زلزلے بھی آئے مگر اس دیوار پر کوئی اثر نہیں ہوا...... یہ دیوار انجینئرنگ کے کمال کا نمونہ بھی ہے اور خطرے کی گھنٹی بھی ہے...... ایک طرح سے یہ دیوار تلوار بن کر علاقے کے تمام دیہات اور چھوٹے بڑے شہروں کے سر پر لٹکتی رہتی ہے، کیونکہ اگر کسی وجہ سے یہ دیوار ٹوٹ جاتی ہے تو ڈیم کی وسیع و عریض مصنوعی جھیل کا سارا پانی بپھرے ہوئے سمندر کی طرح غضبناک موجوں کی طرح نکل کر سارے علاقے کے دیہات اور قریبی شہروں کو اس طرح غرق کر دے گا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی شاہ جی کی بات بڑے غور سے سن رہے تھے، لیکن ابھی تک وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ شاہ جی اس ڈیم کے بارے میں اتنی تفصیل سے سب کچھ کیوں بیان کر رہے ہیں...... آخر شیر خان سے نہ رہا گیا...... اس نے پوچھ ہی لیا۔

"شاہ جی! اس ڈیم کو اور خاص طور پر اس کی دیوار کو اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے...... بہتر ہوگا کہ آپ ہمیں وہ خاص جگہ بتائیں جہاں سے ہمیں اپنا کمانڈو ایکشن شروع کرنا ہوگا"۔

شاہ جی نے بغیر کسی توقف کے کہا۔

"آپ کو اسی دیوار سے اپنا کمانڈو ایکشن شروع کرنا ہوگا"۔

دونوں سرفروش شاہ جی کا منہ تکنے لگے...... مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"آپ کو ڈیم کی یہ دیوار توڑنی ہوگی"۔

اس جملے کے ساتھ ہی کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے...... وہ سمجھ گئے کہ انہیں کیا کرنا ہے...... یہ اپنی نوعیت کا ایک مختلف کمانڈو مشن تھا...... اس مشن کے ضروری لوازمات بھی مختلف تھے...... اتنے بڑے ڈیم کی اتنی مضبوط دیوار میں شگاف کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا اور شگاف بھی تین جگہوں پر

کرنے کی ضرورت تھی...... صرف ایک جگہ شگاف ڈالنے سے دیوار نہیں ٹوٹ سکتی تھی، جس دیوار نے ڈیم کے کروڑوں ٹن وزنی آبی ذخیرے کو سنبھالا ہوا تھا وہ کوئی معمولی دیوار نہیں ہو سکتی تھی...... اسے تین چار جگہوں سے اُڑانے کے لئے انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مواد کی ضرورت تھی، چنانچہ جب کمانڈو شیر خان نے شاہ جی سے ایسے طاقتور دھماکہ خیز مواد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"آپ کو اس مشن کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو گی وہ ساری چیزیں آپ کو مل جائیں گی...... ہم نے تمام انتظام کر کے رکھا ہوا ہے...... آپ کو صرف ایک جامع اور کارگر حکمت عملی تیار کرنی ہو گی...... پورے غور و فکر کے بعد ایک ایسا منصوبہ بنانا ہو گا جس میں ناکامی کا ذرا سا بھی امکان نہ ہو، کیونکہ پاکستان کے خلاف بھارت کے انتہائی خطرناک منصوبے کو خاک میں ملانے کے لئے یہی ایک آخری حربہ ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اگر ہم نے عقل سے کام لیا اور پوری سوچ سمجھ کے ساتھ ہر پہلو کو ذہن میں رکھتے ہوئے کوئی منصوبہ تیار کیا تو انشاءاللہ ہم اپنے مشن میں ضرور کامیاب ہوں گے"۔

شاہ جی کہنے لگے۔

"اب میں آپ کو دو تین باتیں دیوگری کے تین ساڑھے تین سو سال پرانے قلعے کے بارے میں بتانی ضروری سمجھتا ہوں، کیونکہ اس قلعے کو آپ نے اپنے کمانڈو مشن میں بطور بیس کیمپ کے استعمال کرنا ہو گا...... اپنے منصوبے کے مطابق آپ کو اسی پرانے قلعے میں سے نکل کر ڈیم کی دیوار میں دھماکہ خیز مواد بھرنے کے واسطے سوراخ ڈالنے جانا ہو گا اور اسی پرانے قلعے میں آپ واپس آجایا کریں گے...... ہو سکتا ہے اس کام میں آپ کو ایک ہفتہ لگ جائے، کیونکہ ڈیم کی دیوار میں سوراخ چھ سات جگہوں پر ڈالنے ہوں گے اور اس بات کا خیال رکھ کر دیوار میں سوراخ کرنے ہوں گے کہ جس چیز سے بھی آپ پتھر کی دیوار میں سوراخ ڈالیں اس کی آواز اتنی زیادہ نہ ہو کہ دیوار کے اوپر جنگلے پر گشت کرتے سنتری کو ہوشیار کر دے اور وہ ایمرجنسی روشنیاں جلا کر اوپر سے آپ پر فائرنگ شروع کر دے اور اس کے ساتھ ہی خطرے کا سائرن بھی بجنے

لگے...... اگر ایسا ہو گیا تو پھر آپ کے لئے دوبارہ اس علاقے میں داخل ہونا ناممکنات میں سے ہو گا...... یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ آپ کا پہلا چانس ہی آخری موقع ہو گا...... آپ کو ڈیم کی دیوار کی پوری تصویریں مل جائیں گی جو ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے دیوار کے اوپر سے اور اس کے پہلو سے اتاری گئی ہیں...... فی الحال میں آپ کو دیوگری کے قلعے کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں...... یہ بتائیں کیا آپ بھوت پریت پر یقین رکھتے ہیں؟"۔

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کی شیر خان اور شاہد علی کو بالکل ہی توقع نہیں تھی...... شاہد علی نے کہا۔

"بھوت پریت سے آپ کی کیا مراد ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"میری مراد یہ ہے کہ کیا تمہیں کبھی ویران حویلیوں، بے آباد گھروں اور پرانے قلعوں میں کسی بھوت یا بدروح سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کم از کم مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا"۔

شیر خان بولا۔

"مجھے بھی نہیں ہوا"۔

شاہ جی بھی مسکرائے، کہنے لگے۔

"بہر حال ایسا اتفاق مجھے بھی نہیں ہوا، لیکن دیوگری کے اس پرانے قلعے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں کوئی بھٹکی ہوئی رُوح رہتی ہے...... رات کے وقت قلعے میں سے کسی عورت کے رونے کی آواز بھی آتی ہے...... میں یہ تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اگر تم لوگوں کو ایسی آوازیں آئیں تو گھبرانا نہیں سمجھ لینا کہ یہ بھٹکی ہوئی رُوح یا بدرُوح کی آوازیں ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

یہاں شاہد علی بولا۔

"ان توہمات کو چھوڑ کر میرا خیال ہے ہمیں اپنے اصل موضوع پر آجانا چاہئے...... یہ بتائیے کہ ڈیم کی دیوار میں سوراخ ڈالنے کے لئے ہمیں کوئی ایسا اوزار دستیاب ہو سکے گا جس کی آواز بھی زیادہ نہ ہو لیکن جو دیوار کے چٹانی پتھروں کو تیزی سے کاٹ بھی سکے"۔

شاہ جی بولے۔

"جھانسی میں ہمارے رضاکار مجاہد موجود ہیں...... وہ تمہاری مدد کریں گے...... دلی سے ہمارا ایک آدمی تم لوگوں کے ساتھ جھانسی تک جائے گا، وہ تمہیں جھانسی میں مجاہدوں کی خفیہ پناہ گاہ میں قاسم جان سے ملادے گا...... قاسم جان انڈین کمانڈو فورس کا سابقہ فوجی ہے اور جھانسی میں ہماری خفیہ تنظیم کا انچارج ہے...... اس مشن میں تم لوگوں کو جس قسم کی بھی مدد درکار ہو گی قاسم جان تمہاری رہنمائی کرے گا......اب تم یہ بتاؤ کہ اس مشن پر روانہ ہونے کا تمہارا کب ارادہ ہے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ ہماری زندگی اور موت کا مشن ہے، ہم اس مشن پر روانہ ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہیں"۔

"ٹھیک ہے" شاہ جی بولے...... "میں آج ہی جھانسی میں قاسم جان کو اطلاع کرتا ہوں اور انہیں ساری تفصیل بیان کر دیتا ہوں...... صبح صبح دلی سے ایک گاڑی جھانسی کی طرف روانہ ہوتی ہے...... تم اس گاڑی میں چلے جانا...... رحمت خان تمہارے ساتھ جائے گا"۔

اسی رات شاہ جی نے اپنے خفیہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے جھانسی میں قاسم جان کو مکمل تفصیل کے ساتھ شیر خان اور شاہد علی کی آمد کی اطلاع کر دی...... صبح منہ اندھیرے شاہ جی نے رضاکار مجاہد رحمت خان کو ساتھ کر دیا شیر خان اور شاہد علی خفیہ پناہ گاہ سے نکل کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑے...... رحمت خان نوجوان مجاہد تھا اور بڑا ذہین اور تجربے کار تھا...... شیر خان اور شاہد علی کو اسٹیشن کی عمارت کی ایک

جانب روک کر خود جھانسی تک کے تین ٹکٹ لے آیا...... جب ٹرین پلیٹ فارم پر آگئی تو وہ تینوں اسٹیشن میں داخل ہوئے اور پلیٹ فارم پر آکر مسافروں کے ہجوم کے ساتھ ہی ایک ڈبے میں سوار ہو گئے۔

پسنجر ٹرین تھی...... راستے میں ایک جگہ اس کا انجن بھی خراب ہو گیا...... ایک جگہ ریلوے ٹریک مرمت ہو رہا تھا...... وہاں بھی تین چار گھنٹے ضائع ہو گئے...... یہ لوگ جھانسی پہنچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا...... رحمت خان انہیں شہر کے باہر باہر سے لے کر جھانسی رضاکاروں کی تنظیم کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گیا...... قاسم جان ان کے انتظار میں تھا......وہ شیر خان اور مجاہد شاہد علی سے گلے لگ کر ملا اور کہنے لگا۔

"تم لوگوں کی بڑی تعریف سنی تھی...... آج ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے...... میرا خیال ہے ابھی تم لوگ آرام کرو...... باقی باتیں صبح کو ہوں گی"۔

دوسرے روز قاسم جان شیر خان اور شاہد علی ایک جگہ بیٹھ گئے...... قاسم جان بولا۔

"جس مشن پر آپ لوگ یہاں آئے ہیں اس کی اہمیت کا مجھے پورا احساس ہے......شاہ جی کی زبانی بھی مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ آپ لوگ اپنے ٹارگٹ کے علاقے کا ایک خفیہ دورہ کریں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ آپ کہاں کہاں کیا کیا کچھ کر سکتے ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا...... ہم ایسا ہی کرتے ہیں"۔

قاسم جان بولا۔

"اپنا ایک مجاہد بشیر علی تمہیں دیوگری کے قلعے تک اپنے ساتھ لے جائے گا...... یہ ایک طرح سے سروے مشن ہو گا"۔

دوپہر کے وقت کمانڈو شیر خان اور شاہد علی مجاہد بشیر علی کے ہمراہ جھانسی سے ٹرین میں سوار ہو کر روہت گڑھ کی طرف چل پڑے جو وہاں سے ساٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا...... سوا گھنٹے میں ٹرین روہت گڑھ پہنچ گئی...... اسٹیشن پر اترنے کے بعد وہ بشیر علی مجاہد کی رہنمائی میں دیوگری کے پرانے قلعے کی جانب روانہ ہو گئے...... جھانسی

سے آگے وسطی ہندوستان کے گھنے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے...... روہت گڑھ سے دیوگری کا تین سو سال پرانا قلعہ دو تین کلو میٹر کے فاصلے پر ایک گھنے جنگل میں واقع تھا...... تینوں مجاہدوں نے شکاریوں کا لباس پہن رکھا تھا...... شیر علی کے پاس ایک پرانی دونالی بندوق بھی تھی...... ایک بڑا تھیلا بھی اس نے ساتھ رکھ لیا تھا، تاکہ پورے شکاری معلوم ہوں...... شیر علی کو قلعے کا راستہ معلوم تھا...... چاروں طرف جنگل کے گھنے درخت ہی درخت تھے...... کہیں کہیں بھورے رنگ کی پہاڑیاں بھی دکھائی دے جاتی تھیں...... دلی سے چلتے وقت ہی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے...... قلعے کے قریب پہنچے تو تیز ہوا چلنے لگی...... ان کے سروں پر درختوں کے جھنڈ تیز ہوا میں لہرانے لگے...... ایک بار بادلوں کی گرج سنائی دی تو بشیر علی بولا۔

"لگتا ہے بارش کا طوفان آرہا ہے...... ہمیں جلدی قلعے میں پہنچ جانا چاہئے"۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی...... آخر شیر خان اور شاہد علی کو درختوں کے آگے ایک تھوڑی کھلی جگہ پر ایک عظیم الشان دیو ہیکل پرانے قلعے کا بلند دروازہ نظر آیا...... بشیر علی بولا۔

"یہی دیوگری کا قلعہ ہے"۔

قلعے کا دروازہ قدیم پرتگالی گرجا گھروں کی طرز پر بنایا گیا تھا...... قلعے کے دیو پیکر پرانے دروازے کا ایک پٹ غائب تھا...... دوسرا پٹ زمین میں دھنسا ہوا تھا...... یہاں تک آتے آتے بارش شروع ہو گئی...... وہ دوڑ کر قلعے کے دروازے میں داخل ہو گئے...... بارش واقعی بڑی موسلا دھار تھی...... تیز ہوائیں درختوں میں چیخ رہی تھیں...... سیاہ بادلوں نے شام ہونے سے پہلے ہی جنگل میں اندھیرا کر دیا تھا...... بارش کے شور میں کچھ سنائی نہ دیتا تھا...... بشیر علی، شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو قلعے کی گرد آلود پرانی ڈیوڑھی میں سے گزار کر ایک زینے کے پاس جا کر رُک گیا، کہنے لگا۔

"ہم قلعے کی دوسری منزل پر جائیں گے...... وہاں ایک جھروکا ہے جہاں سے وہ سنگلاخ پیالہ نما وادی صاف نظر آتی ہے جس کے نیچے زیر زمین پرانی پناہ گاہوں میں بھارت کے لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ پر کام ہو رہا ہے"۔

وہ قلعے کی دوسری منزل پر آگئے...... وہاں دیوار میں ایک جانب محرابی جھروکہ تھا...... شیر خان اور شاہد علی نے وہاں کھڑے ہو کر دوسری طرف وادی میں نگاہ دوڑائی...... بارش میں وادی دُھندلی دُھندلی دکھائی دے رہی تھی...... بشیر علی نے دور اشارہ کر کے کہا۔

"وہ سیاہی مائل چوڑی پٹی ڈیم کی دیوار ہے...... وہاں تک وادی سے ہٹ کر بھی ایک راستہ جاتا ہے...... قلعے سے ڈیم کی دیوار تک آپ لوگوں کو اس خفیہ راستے سے آنا جانا ہوگا"۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بڑے غور سے بارش کی دھندلی چادر میں سے نیچے خفیہ پناہ گاہوں والی وادی اور دُور آبی ڈیم کی دیوار کو دیکھ رہے تھے...... اس کے بعد انہوں نے قلعے کی دوسری منزل میں ہی چل پھر کر قلعے کی بارہ دریاں جھروکے اور ویران کمروں کو دیکھا...... بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

شام کا اندھیرا چھانے لگا...... بارش اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی...... بشیر علی کہنے لگا۔

"لگتا ہے آج کی رات ہمیں اس قلعے میں ہی گزارنی پڑے گی"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کچھ دیر میں بارش تھم جائے گی اور ہم روہت گڑھ پہنچ کر جھانسی کی ٹرین پکڑ لیں گے"۔

بشیر علی بولا۔

"آپ لوگ شاید ان جنگلوں کی بارش سے واقف نہیں ہیں...... جیسی یہ بارش ہے ایسی بارش جب شروع ہوتی ہے تو جب تک جل تھل ایک نہ ہو جائے رُکنے کا نام نہیں لیتی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"دیکھ لیتے ہیں...... اگر بارش رُک گئی تو واپس نکل چلیں گے نہیں تو رات یہیں بسر کر لیں گے"۔

بشیر علی مجاہد اسی علاقے کا باشندہ تھا......اس کی بات سچ نکلی...... بارش پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی...... قلعے کی دوسری منزل میں ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا جھروکا جنوب میں کھلتا تھا......انہوں نے وہیں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا......رات ڈیڑھ دو بجے کے قریب جا کر کہیں بارش کا زور ٹوٹا اور طوفان تھم گیا...... مجاہد شاہد علی نے تجویز پیش کی کہ بارش ہلکی ہو گئی ہے، ہمیں نکل چلنا چاہئے......بشیر علی بولا۔

"اتنی زبردست بارش کے بعد جنگل میں ہر طرف پانی ہی پانی ہو گا...... روہت گڑھ تک پیدل چلنا مشکل ہو گا"۔

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ رات قلعے میں ہی بسر کی جائے، جس کمرے میں وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے......وہ بالکل خالی تھا، کمرے میں اندھیرا بھی تھا......ان کے پاس کوئی موم بتی نہیں تھی......اگر انہیں قلعے میں رات بسر کرنے کا پتہ ہوتا تو اپنے ساتھ چار پانچ موم بتیاں ہی لے آتے......اندھیرے کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... شیر خان کی عادت بن گئی تھی کہ وہ اپنے پاس ایک سگریٹ لائٹر یا ماچس ضرور رکھتا تھا......اس وقت بھی ایک ماچس اس کے پاس موجود تھی...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ ماچس کی تیلی جلا کر اس کی روشنی میں ایک دوسرے کو پل بھر کے لئے دیکھ لیتے تھے...... مجاہد بشیر علی تو ایک طرف فرش پر پڑ کر سو گیا...... شاہد علی اور شیر خان ابھی تک جاگ رہے تھے...... دونوں سخت جان کمانڈو تھے اور وقت پڑنے پر راتوں کو جاگ سکتے تھے......شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو میں قلعے کے دوسرے کمروں میں جا کر دیکھتا ہوں شاید کہیں کسی طاق میں رکھی ہوئی موم بتی یا دیا مل جائے......اسے جلا کر کم از کم روشنی تو کر سکیں گے"۔

شاہد علی بولا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے...... بیٹھے رہو اور تین گھنٹے رات باقی رہ گئی ہے"۔

مگر کمانڈو شیر خاں نہ مانا...... کہنے لگا۔

"میں ایک منٹ میں آ جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر کمانڈو شیر خان کمرے سے نکل کر باہر راہ داری میں آ گیا...... یہاں اس

نے ماچس کی تیلی جلا کر اس کی روشنی میں دیواروں کو دیکھا کہ شاید کسی طاق میں کوئی موم بتی وغیرہ پڑی ہو، مگر طاق خالی پڑے تھے...... وہ ماچس کی تیلیاں جلاتے ہوئے آگے کو چلا...... راہ داری جہاں ختم ہوئی تھی وہاں سے ایک پتھر کا زینہ اوپر کو جاتا تھا...... شیر خان زینہ چڑھ کر اوپر گیا تو ماچس جلا کر دیکھا کہ یہ ایک کھلا سا کمرہ ہے جس کا ایک جھروکا جنگل کی طرف کھلتا ہے......اس جھروکے میں سے ابر آلود رات کی بہت ہی دھندلی سی روشنی اندر آ رہی تھی...... ماچس جلا کر شیر خان آگے بڑھا تو اسے کمرے کے وسط میں چھوٹے سے چبوترے پر ایک صندوق سا پڑا ہوا دکھائی دیا...... قریب آ کر دیکھا تو وہ ایک بوسیدہ تابوت تھا جس کے ساتھ جالے لپٹے ہوئے تھے...... جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ اسے تابوت کے سرہانے کی جانب پتھر کی ایک اونچی چوکی پر رکھی ہوئی مل گئی...... یہ ایک آدھی استعمال شدہ موم بتی تھی۔

شیر خان نے پہلا کام یہ کیا کہ موم بتی کو ماچس کی تیلی جلا کر روشن کر دیا......اب اس نے جھک کر تابوت کو دیکھا...... تابوت پر گرد اور لکڑی کے جالوں کی تہہ جمی ہوئی تھی...... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ قلعے میں رہنے والے کسی پرانے خاندان کے فرد کا تابوت ہے......اس نے موم بتی ہاتھ میں لے لی اور اس خیال سے واپس ہوا کہ چل کر اس کمرے کو روشن کرتے ہیں جہاں شاہد علی اندھیرے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہے...... جیسے ہی وہ موم بتی تھام کر واپس مڑا اسے ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی......

شیر خان وہیں رُک گیا...... اس نے پلٹ کر دیکھا...... وہاں کچھ بھی نہیں تھا...... یہ سوچ کر جنگل کے کسی درخت پر ہدہد پرندے نے اپنی چونچ ٹہنی پر مار کر ٹھک ٹھک کی آواز پیدا کی ہو گی شیر خان واپس چل پڑا......اس نے ابھی ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ وہی ٹھک ٹھک کی آواز دوبارہ سنائی دی......اب شیر خان واپس مڑ کر تابوت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا......اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ ٹھک ٹھک کی آواز تابوت میں سے آ رہی ہے...... پھر اسے خیال آیا کہ اس تابوت میں تو صدیوں پرانے کسی مردے کا پنجر پڑا ہو گا......اندر سے آواز کیسے آ سکتی ہے...... وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہی آواز پھر سنائی دی...... تین بجے رات کا سماں......اندھیرے سنسان جنگل میں پراسرار قلعے کا آسیبی

ماحول...... شیر خان آخرانسان تھا،ایک لمحے کے لئےاس کے جسم میں خوف کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی، لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے اندر ایک مسلمان کمانڈو مجاہد کی جرات و بے خوفی غالب آ گئی...... جب تیسری بار تابوت کے اندر سے ٹھک ٹھک کی آواز آئی تو صاف معلوم ہو رہا تھا کہ تابوت کے اندر سے کوئی ٹھک ٹھک کر رہا ہے...... کمانڈو شیر خان نے موم بتی پتھر کی چوکی پر لگا دی اور دونوں ہاتھوں سے تابوت کا ڈھکنا اٹھانے لگا...... تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا...... موم بتی کی روشنی میں شیر خان نے تابوت کے اندر ایک حیرت انگیز دہشت ناک منظر دیکھا۔

تابوت کے اندر دہشت ناک منظر کیا تھا؟ یہ راز معلوم کرنے کے لئے "کشمیر کے شاہین" کی دوسری جلد "کشمیر کے آتش فشاں" پڑھیے۔